Title - BAHARISTAN (Part- 1&2)
Creator - Zafar Ali Khan.
Publisher - Urdu Academy Punjab (Lahore).
Date - 1937.
Pages - 828.
Subjects - Urdu Shayari - Kulliyaat-e-Dawaween

ظفر علی خان

سلطان الشعراء ظفر الملت والدین حضرت علامہ ظفر علی خان صاحب

کے

پچاس (۵۰) سالہ کلام کا مجموعہ

بہارستان

حصہ اوّل و دوئم

جسکو

منیجر دارالاشاعت بہارستان گجرات

فہرس

ف

بہارستان

حصّہ اوّل

سلیم پریس ہو بحیث ہمد

تقریب

چکیدۂ کلک حسان الہند علامہ الطاف حسین صاحب حالی نوراللہ مرقدہٗ

اے مالک فخر زمیندار — اے مایۂ نازش قوم و فخر اقران

اے روح رواں جمع احباب — اے چشم و چراغ بزم اخوان

اے دین کے امتحاں میں جانباز — اے نصرت حق میں تیغ عریاں

اے صدق و صفا کی زندہ تصویر — اے شیر دل اے ظفر علی خاں

قدرت نے بھرے تھے تجھ میں جو گن — جب تک وہ رہے نظر سے پنہاں

فوقیت و برتری پہ تیری — قائم کوئی ہو نہ سکی برہان

پر وقت کی تاک میں برابر — ہمت تیری گن رہی تھی گھڑیاں

بلقان و طرابلس میں ناگاہ — اٹھا ستم و جفا کا طوفان

ہمدردی اہل دیں نے آخر — جوہر ترے کر دیئے نمایاں

جمعیت و صبر کا سراسر — دامن ہوا چاک تا گریباں

پہلے وہ بشکل سیل آتش — دل میں تھے جو شرر تھے پنہاں

ڈالا یہ نئی پکار نے غُل — جی اٹھے وہ مُردے جو تھے بیجاں

جو دل غم قوم سے تھے بے حس — چلنے لگی اُن دلوں پہ چھریاں

وہ بن گئے آپ اپنے رہزن — جو مال کے اپنے تھے نگہباں

اسلام کی سمجھے اب صداقت — جو نام کے تھے فقط مسلماں

ہاں اس میں نہیں مبالغہ کچھ — سنتا بھی ہے اے ظفر علی خاں

نازاں ہے وہ درسگاہ تجھ پر — تعلیم پہ جس کی تو ہے نازاں

کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند — جو قوم کے درد کے ہوں درماں

سوز غم دین حق سے جن کے — سینے ہوں کباب دل ہوں بریاں

جو ملک و وطن کے ہوں فدائی — جو قوم کے نام پہ ہوں قرباں

مشرق میں ہوں اُن سے دل بے چین — مغرب میں سنیں جو رنج اخواں

پنجاب کو تجھ پہ ہو اگر فخر — ہے اسکو یہ فخر و ناز شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور ملت

ہوں زندہ دل ایسے جس میں انساں

رب العالمین

بنائے اپنی حکمت سے زمین و آسماں تو نے — دکھائے اپنی قدرت کے ہمیں کیا کیا نشاں تو نے
تری صنعت کے سانچے میں ڈھلا ہے پیکرِ ہستی — سمویا اپنے ہاتھوں سے مزاجِ جسم و جاں تو نے
نہیں موقوف ہماری تری اس ایک دنیا پہ — کئے ہیں ایسے ایسے سینکڑوں پیدا جہاں تو نے
ترے ادراک میں ہے عقل حیراں اور سرگرداں — ہمیں حکمیں ڈالا بخش کر وہم و گماں تو نے
بہار عارضِ گل سے لگا کر آگ گلشن میں — طیورِ صبح خواں کو کر دیا آتش بجاں تو نے
جوانی میں جسے بخشی دل آرائی و رعنائی — بڑھاپے میں اسی عارض پہ ڈالیں جھریاں تو نے
کسی کو تا کہ اپنی سربلندی پہ نہ غرہ ہو — ازل سے کی نگوں ساری نصیبِ آسماں تو نے
دلوں کو معرفت کے نور سے تو نے کیا روشن — دکھایا بے نشاں ہو کر ہمیں اپنا نشاں تو نے
نہ ہوتی گر خودی ہم میں تو جو تو تھا وہی ہم تھے — یہ پردہ کس لئے ڈالا ہے یارب درمیاں تو نے
بلا طاعت بھی ہم بندے ترے تھے پھر پرستش کی — ہمارے پاؤں میں کیوں ڈال دی ہیں بیڑیاں تو نے
کشائش عقدۂ زلفِ چلیپا کی جو مشکل تھی — لیا کیوں دل سے پھر دار و رسن کا امتحاں تو نے
ہم اب سمجھے کہ شاہنشاہِ ملکِ لامکاں ہے تو — بنایا اک بشر کو سرورِ کون و مکاں تو نے

محمدؐ مصطفےٰ کی رحمۃ اللعالمینی سے
بڑھائی یارب اپنے لطف اور احساں کی شاں تونے

نمک پروردہ تیری شرم کی ہیں لغزشیں میری
گنہ بخشے ہیں میرے ہو کے اکثر مہرباں تونے

حرم اور دیر میں بازار تیرا گرم رہتا ہے
ہر اک بستی میں کر رکھی ہے قائم اک دکاں تونے

چلے ہم نقد عصیاں لے کے آمرزش کے سودے کو
کہ نرخ اس جنس کا کچھ بھی نہیں رکھا گراں تونے

اثر تیری عطاؤں پر نہیں پڑتا خطاؤں کا
جسے پیدا کیا اُس کو دیا ہے آب و ناں تونے

دیا اپنے کرم سے ریزہ مور ناتواں کو بھی
لگائے گر سلیماں کیلئے نعمت کے خواں تونے

ترے دربار سے مجھ کو بھی انعام کیا کم ہے
کیا اپنی ستائش میں مجھے رطب اللساں تونے

مئے لاتقنطوا کے نشہ میں سرشار رہتا ہوں
سیہ مستوں کو بخشی ہے حیات جاوداں تونے

خمستانِ ازل کا ساقی

پہنچتا ہے ہر اک میکش کے آگے دورِ جام اُس کا
کسی کو تشنہ لب رکھتا نہیں ہے لطفِ عام اُس کا

گواہی دے رہی ہے اُس کی یکتائی پہ ذات اُس کی
دوئی کے نقش سب جھوٹے ہیں سچا ایک نام اُس کا

ہر اک ذرّہ فضا کا داستاں اُس کی سناتا ہے
ہر اک جھونکا ہوا کا آ کے دیتا ہے پیام اُس کا

نظام اپنا لئے پھرتا ہے کیا خورشیدِ نور افشاں
ہزاروں ایسی دنیاؤں کو شامل ہے نظام اُس کا

میں اُس کو کعبہ و بت خانہ میں کیوں ڈھونڈنے نکلوں
مرے ٹوٹے ہوئے دل ہی کے اندر ہے مقام اُس کا

سراپا معصیت میں ہوں سراپا مغفرت وہ ہے
خطا کوشی روش میری خطا پوشی ہے کام اُس کا

مری افتادگی بھی میرے حق میں اُس کی حرمت تھی
کہ گرتے گرتے بھی میں نے لیا دامن ہے تھام اُس کا

وہ خود بھی بے نشاں ہے زخم بھی ہیں بے نشاں اُس کے
دیا ہے اُس نے جو چرکا نہیں ہے التیام اُس کا

عبودیت کو بھی کیا کیا مدارج اُس نے بخشے ہیں
جہاں میں بن کے آتا ہے رسول اُس کا غلام اُس کا

ہوئی ختم اُس کی حجت اس زمیں کے بسنے والوں پہ
کہ پہنچا یا ہے ان سب تک محمد نے کلام اُس کا

بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر
مگر نور اپنی ساعت پر رہا ہو کر تمام اُس کا

نہ جا اُس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اُس کی
ڈر اُس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اُس کا

نوائے سروش

سپیدۂ دم کہ ہوا میں سحر بکسبِ اتمام
سنا سروش سے فَلْیَعْبُدُوْا کا میں نے پیام

کیا خلوص سے میں نے جبینِ طاعت کو
رہینِ بارگہِ ذُوالجلال والاکرام

ہوا میں صرفِ طوافِ حریمِ ذکر اللہ
نیاز و عجز و نیایش کا باندھ کر احرام

رواقِ دل میں ہوئی شمعِ معرفت روشن
چمک اٹھے مرے قصرِ شعور کے در و بام

دکھا دیا یک نگہ نے سوادِ عالمِ نور
کہ اعتدال پہ تھا نفس اور اس کا قوام

خمارِ بادۂ پندار سر سے دور ہوا
مجھے مرے نظر آنے لگے عیوب تمام

نقابِ چہرۂ دل بے خودی نے اٹھا تھا
بنی تھی آئینۂ جاں لطافتِ اندام

قویٰ بھی مرے کام اپنا اپنا دینے لگے
کہ آگیا تھا مرے بس میں نفسِ نافرجام

کھلا تھا مجھ پہ درِ فیضِ بینشِ ثانی
بسا تھا گلشنِ عرفاں کی بو سے میرا مشام

فضائے قدس میں تھا جمگھٹا فرشتوں کا
ملے رسول سے کیا جن کو میں نے جھک کے سلام

جلال و طنطنہ اس بزم کا بیاں کیا ہو
کہ زہرہ اس میں کنیزک تھی اور زحل تھا غلام

مئے الست کا محفل میں چل رہا تھا دور
چھلک رہی تھی صراحی چھلک رہا تھا جام

لاکھ یہ تھا تمہارا ابرِ توحید کا — مٹایا روح کے [illegible] جس نے زنگِ ظلام

یہ نغمہ ہائے نشاط آفریں و شور انگیز — سنے جو میں نے تو جاتا رہا مرا آرام

غریو و ولولۂ حمدِ حضرتِ باری — مرے بھی دل میں بپا ہو گیا بجوشِ تمام

کہیں گے اہلِ سخن جہل و عجب سے تعبیر — قلم اٹھانے کا بھونڈے سے بھی جو ہوں بدنام

اس امتحاں میں کہ جس میں گئے ہوں توڑ قلم — ظہیر و غالب و فیضی و سعدی و خیام

مگر یہ سوچ کے بڑھتا ہے حوصلہ دل کا — یہاں تو ہے کفِ نیت میں ہر عمل کی زمام

یہ آستانہ ہے ایسا جہاں گڈریئے کو — ملا ہے حضرتِ موسیٰ سے کچھ سوا انعام

ٹٹولتے ہیں یہاں حالِ گوشۂ دل — یہاں نہیں ہے حکایات سے اور قال سے کام

عجب نہیں کہ شرف خلعتِ قبول کا پائے
مری یہ ہرزہ درائی مرا یہ سادہ کلام

حمدِ ذوالجلال

شہنشہوں کے شہنشہ خدایگانِ انام
خدائے جل و علا ذوالجلال والاکرام

ہر ایک چیز ہے ممکن مگر نہیں ممکن
کہ تیری حمد کا ایک شمہ ہو سکے ارقام

جلیں قیاس کے پر قصد اگر کرے اس کا
تری صفات سے ہے اس قدر بعید افہام

طلوعِ صبحِ ازل سے ترا قدیم خلود
غروبِ شامِ ابد سے ترا مدید قیام

نہ جاننا ترا رکھتا ہے حکم جاننے کا
یقیں سے مرتبہ رکھتا سوا ہے یہ ابہام

ذکرِ شان تری کفر و بت پرستی ہے
نہ وجہِ کبر و تفاخر ترے لئے اسلام

نہیں ہم اس کے ہیں قائل کہ لامکاں میں ہے تو
ہے اپنے بندوں کے ٹوٹے دلوں میں تیرا مقام

تری نظر میں ہیں شیخ اور برہمن یکساں
تری صلائے کرم ہے زمانہ کے لئے عام

بشر کو غرہ اگر ہے تری خلافت پہ
تو نخل کو بھی ہے وجہِ شرف ترا الہام

مکیں ہے ایک مکاں میں کئی، الٰہی تو
خدا ہے اہلِ حرم کا تو اہلِ دیر کا رام

ہے جلوہ گاہ تری صنعتوں کا پردۂ ارض
کرشمہ ہے تری قدرت کا چرخِ نیلی فام

نظر فلک پہ اگر ڈالئے ذرا تو ہمیں
دکھائے شعبدہ بازِ لیالی و ایام کام

نجومِ اسمر کی بے حساب بینائیں — شموس بازغہ کے زائد از شمار نظام

تمہیں سمجھنے کی کوشش میں آج کے سارے — فلاسفہ بھی ہیں مشغل عوام کالانعام

نگاہِ عقل ہوئی خیرہ جن کی عظمت سے — پرِ خیال بھی جن کی حدود سے ناکام

قیاس کر لو اسی سے کہ خود وہ کیا ہوگا — مظاہر ایسے ہیں جس کے ہے جس کا ایسا کام

زمیں کے صحن پہ دوڑائیے اگر اُس کو — تو پھر بھی واہمہ رہ جائے چل کے چند ہی گام

ادا شناس نے پوچھا ہے سچ کہ لالہ و گل — کہاں سے لائے ہیں کیا ہے نسیم کیا ہے غمام

حقیقتِ شکنِ زلفِ عنبریں کیا ہے — دیا ہے کیا نگہِ چشمِ سرمہ سا نے پیام

نتیجہ یہ کہ خدایا تری خدائی میں — سمندِ فکرِ رسا ہے مثالِ کُرّہ خام

مجال چون و چرا کی تری حضوری میں
نہیں کسی کو وہ جاہل ہو یا کہ ہو علّام

ھُوالاوّل و ھُوالآخر

زباں ہے وقفِ ثنائے خدائے عز و جل
خدا ہی ہے جو یہ عقدہ ہو زورِ نطق سے حل

نہ نثر ہی کا سلیقہ نہ نظم ہی کا شعور
نہیں سنائی ثانی نہ ہمسرِ اخطل!

سخنوری سے نہیں ہے مجھے کوئی سروکار
نہ لکھ سکوں میں قصیدہ نہ کہہ سکوں میں غزل

خود اپنی قدر سے میں بے خبر نہیں کہ مجھے
ہے یاد اچھی طرح سے ایاز والی مثل

یہی سبب ہے کہ جب قصدِ حمد میں نے کیا
قلم گیا ہے ٹھہر اور زباں گئی ہے مچل

نرالی سب سے ہے لیکن یہ انجمن کہ یہاں
بھری سبوئے نیت میں ہے شرابِ عمل

پسند آئی ہے لکنت یہاں بسا اوقات
گیا ہے پاؤں فصاحت کا بار بار پھسل

اسی خیال سے تو بہرِ عرضِ سجدۂ شکر
سرِ روشِ خامہ اگر سر کے بل چلا ہے تو چل

خدائے واحد و قہار لاشریک لہٗ
ہو القدیر ہو الآخر و ہو الاوّل

ہے سورج اس کی عنایت سے ذرۂ ناچیز
ہے پربت اس کی توجہ سے دانۂ خردل

قدم سے ہے متقدم اُسے حدود و حدوث
ابد سے ہے متاخر اُسے حدودِ ازل

خدا کی ذات ہے دریا تو قطرہ کون و مکاں — اگر ہے عین مفصل تو ہے اثر مجمل

چمک چمک کے شہادت خدا کی دیتے ہیں — عطارد و قمر و شمس و مشتری و زحل

ازل کی صبح سے یہ سب ہیں چل رہے یونہی — خدا کے ایک اشارہ پہ کائنات کی کل

نظام دہر میں تحریف ہو نہیں سکتی — محال ہے کہ ہو اس قاعدہ میں رد و بدل

یہ منتہائے نظر نام ہے فلک جس کا — ازل سے ڈالے ہے کاندھے پہ نیلگوں کمبل

یہ چشمہ نور کا کہتے ہیں آفتاب جسے — ہمیشہ سے اسی انداز پر رہا ہے ابل

نشانیاں ہیں یہ ایسی کہ ذات باری کے — ثبوت میں انہیں سمجھیں گے قول ہم فیصل

طلب کرے کوئی اس سے بھی گر زیادہ ثبوت — تو ہم کہیں گے کہ اس کے حواس ہیں مختل

سراغ ڈھونڈنے اس کا چلی ہے عقل ضعیف — یہ خوف ہے کہیں ایماں میں آ نہ جائے خلل

وجود علت اولیٰ سے بحث تو جب ہو — کہ ہو یہ عقل (جو معلول ہے) محیط علل

نہیں ہے ذات زبونی کش ثبوت صفات — عرض کے رنگ سے خالی ہے جوہر اکمل

مذاق تلخی و شیرینی اعتباری ہے — مریض کے لئے ہوتا ہے انگبیں حنظل

فروغ حسن سے اپنے جناب باری نے — جلائی محفل ہستی میں روح کی مشعل

وہ روح جو ہوئی مجبور کبھی مخیر بھی — کبھی فلک پہ ہے جس کا کبھی زمیں پہ عمل

صعود میں ہوئی عرش بریں سے بھی اعلیٰ — ہبوط میں ہوئی گاؤ زمیں سے بھی اسفل

اگر ہو خیر پہ مائل فرشتہ سے اشرف — کرے جو شر سے گرائش تو دیو سے ارذل

علو مرتبہ کو جس کے ناز ہے اس پہ — کہ زینت اس کی ہوئی ذات احمدؐ مرسل

وہ ذات پاک نبی جو خلاصۂ مقدور — خدا کے بعد ہوئی کائنات میں افضل

بہار باغ رسالت کی آمد آمد ہے — خدائے پاک کی رحمت کے چھائے ہیں بادل

عرب سے اٹھ کے زمانہ پہ یہ گھٹا برسی — درخت سبز ہوئے پھوٹنے لگی کونپل

جہان و اہل جہاں کی پلٹ گئی کایا — کھلا دریچۂ رحمت کھلے دلوں کے کنول

حضور سرورؐ کون و مکاں کو لازم ہے — کہ دیجے نذر تحیات احسن و اکمل

بشر کہ اس کو خدا نے کہا ظلوم و جہول — بنا ہے انؐ کے تصدق میں اعلم و اعدل

نتیجہ تھا یہ رسولؐ خدا کی غیرت کا — حرم سے چشم زدن میں اٹھا بتوں کا عمل

کرشمہ سنج محمدؐ ہوئے تو ٹوٹ گیا — طلسم نائلہ جبت و نسر و لات و ہبل

بجا زمانہ میں نقار خانہ وحدت کا — خدا کے نام سے گونجا سواد دشت و جبل

جہاں میں ملت بیضا کی روشنی پھیلی — نکال جس نے دیئے ساری ظلمتوں کے بل

نبیؐ نے درس تمدن دیا زمانے کو — بتایا راز اخوت بشر کو سب سے پہلے پہل

علم محبت و اخلاق کا بلند ہوا — کیا رسولؐ نے ملک نفاق مستاصل

عطا ہوئی ہمیں دنیا بھی دین کے ہمراہ — لگے تھے فقر کی ڈالی میں سلطنت کے پھل

وہ بخشوانے ہمیں آئیں گے قیامت میں — اگرچہ قابل بخشش نہیں ہمارے عمل

فقط یہ بات کہ ہم ان کے نام لیوا ہیں — کرے گی امت عاصی کی مشکلات کو حل

اپریل ۱۹۰۷ء

آوازۂ حق

۱

ہم کو دیا پیغام رب نے ایک خدا اور ایک رسول
اب نہیں ایسی کوئی دعا جو آتے ہی لب پہ ہو نہ قبول

نام ہے ایک اللہ کا سچا باقی باطل سب معبود
مختصر اس قصہ کو سمجھئے ناحق اس کو نہ دیجئے طول

اس کے سمجھنے کے لئے دل میں ہونا چاہیئے ذوق سلیم
اس کی حقیقت وہ نہیں جس کو جان سکیں افہام و عقول

مجھ کو بتا دو کوئی خدارا قطرہ کجا اور بحر کجا
کب یہ سنا اور کیونکر یہ ہے ممکن بندے میں ہو خدا کا حلول

جس نے ہوا کل اس کو بتایا اس سے خدا بیزار ہوا
اِنَّ اللہَ غَنِیٌّ عَنْکُمْ اَمْرُ اللہِ ہُوَ الْمَفْعُوْل

مجلس کے آداب میں باقی عہدِ کہن کا رنگ نہیں
اب وہ اندازِ حُسن اور نہ وہ طرزِ قال اقول

جیسے حکیم ہیں ویسی امت بئس الاشرف والمشروف
جیسی روح ہے ویسے فرشتے خشی الفاضل المفضول

فلسفۂ اشراق یہی ہے اور ہے اس کی شرح یہی
آپ ہی خون شرع کریں اور آپ ہی کہلائیں مقتول

میرے قلم کے توڑنے والے وہ ہیں جنہیں ہے دعویٰ دیں
ساتھ ہی جن کی ہے یہ تمنا سیف ہند ہو مسلول

شانِ خدائے عزوجل ہے بن گئے وہ بھی جادہ شناس
جن کی روش ہے اوٹ پٹانگ اور جنکی روش ہے اول جلول

خانہ برانداز انِ چمن سے ہم فقط اتنا پوچھتے ہیں
باغ میں صاحب رہنے بھی دینگے آپ کوئی پھل اور کوئی پھول

زاغ و زغن سے آپ کو الفت بلبل و قمری سے ہے عناد
سر دلبر جو گوہر ہے شکایت اس کی جگہ لیتا ہے ببول

ایک کبھی ہو ہی نہیں سکتے کور اور بینا ظل و حرور
کرتے ہیں جو قرآں کی تلاوت کیوں گئے وہ اس قول کو بھول

ٹھاٹھیں مار رہا ہے سمندر اور ہیں موجیں برقِ بلا
ہونے لگا ہے ساتھ ہی لیکن رحمتِ باری کا بھی نزول

دیر سے ہم ساحل پہ کھڑے تھے اور ہمہ تن تھے چشم براہ
دور سے اک کشتی نظر آئی اور بلند اُس کا مستول

چھٹ گئے بادل گھٹ گیا طوفاں چھٹ گئی ظلمت کٹ گئی رات
حاملِ زورق احمدؐ مرسل ملتِ بیضا ہے محمول

(۴)

منتظرانِ حق کے لئے پھر کحلِ بصر اسلام بنا
باغِ نبیؐ میں آگئی رونق دیدۂ نرگس ہے مکحول

نورِ امانت پھیل چلا ہے روشن ہو گئے دیر و حرم
اب وُہی ہستی بن گئی مسلم کل تک تھی جو ظلومُ جہول

فرش پہ ہے اسلام کا نقشہ عرش پہ ہے اسلام کا رنگ
شش جہت اس میں آگئے سارے دائرہ ہے یہ عرض نہ طول

عیب کجا اسلام کہاں اس سیف میں زنگِ ظلام کہاں
عیب ہے مسلم میں تو یہی ہے انّ الصّارم فیہُ فلول

یا تو قرآن کی کوئی آیت یا ہو نبی کی کوئی حدیث
بات اسی صورت میں بنے گی یا معقول ہو یا منقول

صبح کی ساعت آئی ہوئی ہے سجدہ میں گر کر مانگ دعا
رحمت سر پہ آئی کھڑی ہے مسلم کیوں ہوتا ہے ملول

بگڑی ہوئی بن جائیگی تیری کام سنور جائینگے ترے
مضطرب اتنا کس لئے تو ہے بیٹھ ہی جائیگی چولہے چول

دست سیادت کی بھی رسائی دیکھئے ہوتی ہے کہ نہیں
طرۂ اسلام آج بصیرت کو نظر آتا ہے مقتول

سب سے بڑا انعام یہی ہے خدمت دین کی ہو توفیق
کام مسلمانوں کے جو آیا بس وہی مسلم ہے مقبول

اک مسئلہ پر غور کیا کر ہے یہی راز فوز عظیم
بن گئیں اس نکتہ کو سمجھ کر جنت کی خاتون بتولؓ

کام رکھ اپنے کام سے مسلم خود اللہ ترا ہے وکیل
مزد سے بالا ہو تری خدمت طاعت حق میں ہو مشغول

مجھ کو رسولؐ اللہ کی الفت لطف خدا سے مل ہی گئی
اے دلِ ناداں اس سے زیادہ تجھ کو ہوس دولت کا حصول

نَاشِئَۃَ اللَّیْل آج سے دیگا میری روح کو نشو و نما
اَقْوَمُ قِیْلًا آج سے ہوگا میری اقامت کا معمول

دین بھی ہو جائے مجھے حاصل دنیا کی بھی مراد ملے
گوشۂ چشم عنایت مجھ پر ہو جو پیمبرؐ کا مبذول

آنکھ اٹھا کر بھی نہ میں دیکھوں خیر کثیر کوثر کو
سرورِ عالمؐ گر فرمالیں نذر مختصر میری قبول

۱۹۱۶ء

تمنّائیں

الٰہی برق غیرت کی تڑپ مجھ کو عطا کر دے
مجھے آتش زیر پا کو ساتھ ہی آتش نوا کر دے

میری تقریر سحر آلود میں کر وہ اثر پیدا
کہ اہل درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کر دے

دیا ہے علم اگر تو نے تو ساتھ اسکے عمل بھی ہو
کہ شرح لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کر دے

بتا دوں گا کہ خاک ہند یوں اکسیر بنتی ہے
میری پلکوں کو جاروب حریم مصطفےؐ کر دے

تمہارا قافلہ کچھ لٹ چکا اور کچھ ہے لٹنے کو
رسول اللہ کو اس کی خبر باد صبا کر دے

جو مسلم ہے تو جان ناموس ملت پر فدا کر دے
خدا کا فرض اور اس کے نبی کا قرض ادا کر دے

کبھی محفل میں لا سکتا نہ ہو گر گفتہ تاب اسکی
تو زنداں ہی میں جا کر روشن ایماں کا دیا کر دے

شہادت کی تمنا ہو تو انگریزی حکومت پر
کسی مجلس کے اندر نکتہ چینی بر ملا کر دے

ضرورت ہے اب اس ایجاد کی دانائے مغرب کو
جو اہل ہند کے دامن کو چولی سے جدا کر دے

نکل آنے کو ہے سورج کہ مشرق میں اجالا ہے
برس جانے کو ہے بادل کہ گلشن کو ہرا کر دے

قفس کی تیلیوں پر آشیاں کا کاٹ کر چھپکر
فلک سے گر پڑے بجلی کہ بلبل کو رہا کر دے

یہ ہے پہچان خاصان خدا کی ہر زمانے میں
کہ خوش ہو کر خدا اُن کو گرفتار بلا کر دے

مقامِ حیرت

مرے کس کام میری دانش مشکلکشا آئی
سمجھ تیری ذرا مجھ کو نہ اے میرے خدا آئی

زمیں میں آسماں میں چاند میں سورج میں تاروں میں
نظر صوفی کو اور عارف کو شانِ کبریا آئی

مگر جب عقل نے چاہا کرے حل اس معمے کو
تعمق کے ساتھ پیش اس کو ہمیشہ مشق لا آئی

یہ وہ ہے جو درِ میخانۂ علمِ حصولی پہ
گئی اور بادۂ حکمت کے خم کے خم لنڈھا آئی

تصور میں بھی چھو سکتے نہ تھے ہم جسکے دامن کو
یہ کھول اُس دلربا کا عقدۂ بندِ قبا آئی

کبھی ناکا فلک اس نے کبھی چھانی زمیں اس نے
کبھی پہنچی ثریا پر کبھی سوئے ثریٰ آئی

کیا اس نے مسخر آب و خاک و باد و آتش کو
نظر چاروں طرف پھیلی ہوئی اس کی ضیا آئی

کیا یہ سب کچھ اس نے پر جو ڈھونڈا جا کے خالق کو
تو جو کچھ لے گئی ساتھ اس کو بھی گنوا آئی

چمکتا نیرِ اعظم نہ ہم پہ گر رسالت کا
خرد سے مرتبہ کچھ بھی نہ کم ہوتا جہالت کا

لیس کمثلہ شئ

وہ جس کی شان ہے لیس کمثلہ شئ — چھپا بھی ہے تو سراپردۂ ظہور میں ہے

بہ رنگ دور قمر جلوہ اُس کی قدرت کا — کبھی سنین میں ہے اور کبھی شہور میں ہے

کبھی کبھی ہے وہ اوج شعیر پہ تاباں — کبھی کبھی وہ خراماں سواد طور میں ہے

کہیں فسانہ وہ یعقوب کا ہے کنعاں میں — کہیں ترانہ وہ داؤد کا زبور میں ہے

شرار جستہ کی شکل اُس کے وہم کا پرتو — تڑپ رہا مری خاکستر شعور میں ہے

جو اُس کو صورت اصلی میں دیکھنا چاہو
محمدؐ عربی کی جبیں کے نور میں ہے

پردہ دارِ پردہ در

پردہ میں شان رہ نہ سکی مستتر تری — یارب ہر اک طرف ہے ضیا جلوہ گر تری

نازاں ہوں اپنے اس دلِ دیوانہ پر جسے — مل ہی گئی کسی نہ کسی ڈھب خبر تری

اس کشمکش میں دیکھئے ہو کامیاب کون — میرے گناہ ادھر ہیں تو رحمت اُدھر تری

آلودۂ عتاب سہی پر زہے نصیب — محفل میں مجھ پہ پڑ تو رہی ہے نظر تری

مجرم اگر ہوں میں تو ہے تو بھی قصوروار
پہلے ہی دن سے کیوں ہی روشِ درگزر تری

فریاد

خدایا تیرے گھر کی خاک اڑائی جا رہی کیوں ہے
قیامت وقت سے پہلے ہی آئی جا رہی کیوں ہے

بجائی جا رہی ہے اینٹ سے کیوں اینٹ کعبہ کی
خلیل اللہ کی بنیاد ڈھائی جا رہی کیوں ہے

جہاں آٹھوں پہر توحید کا نقارہ بجتا تھا
وہاں تثلیث کی گھنٹی بجائی جا رہی کیوں ہے

حرم سے پاسبانی جس کی یارب تجھ پہ لازم ہے
فرشتوں کی محافظ فوج اٹھائی جا رہی کیوں ہے

اڑائے جا رہے ہیں کس لئے پرزے خلافت کے
رسول اللہ کی دولت لٹائی جا رہی کیوں ہے

گر اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الْاِسْلَام آج بھی سچ ہے
تو پھر اسلام پر آفت یہ لائی جا رہی کیوں ہے

وہ تیغ اعدا کے سر پہ جس کو بجلی بن کے گرنا تھا
ہماری گردنوں پر آزمائی جا رہی کیوں ہے

خدا کے نام پر مٹنے والوں کی صف ماتم
ملیبار اور سمرنا میں بچھائی جا رہی کیوں ہے

پرستش تیری اب بھی فرض ہے گر ابن آدم پر
رسول اللہ کی امت مٹائی جا رہی کیوں ہے

یہ مانا رحمتیں تیری ہیں شامل دشمنوں کو بھی
مگر یہ قوم یوں سر پر چڑھائی جا رہی کیوں ہے

پتنگ ابلیس کا تارا ہوا جاتا ہے گردوں کا
خدایا اس کو ڈور اتنی پلائی جا رہی کیوں ہے

تیری غیرت کی بجلی تلملاتی کیوں نہیں یارب
حریفوں کو جلال اپنا دکھاتی کیوں نہیں یارب

وسعتِ آرزو

خدا اسلام کی دولت اگر دے | تو دامن بھی فراخ اتنا ہی کر دے
اگر ذوقِ مئے آشامی دیا ہے | تو ساغر بادۂ یثرب سے بھر دے
بھرے سارے جہاں کا درد جس میں | اگر پہلو کو تکلیفِ جگر دے
غرض جو کچھ بھی دے اسلامیوں کو | بقدرِ رحمتِ خیر البشر دے
عجم جس کا ہو آنگن اور عرب چھت | مسلمانوں کے بسنے کو وہ گھر دے

میدانِ عرفات میں میری مُناجات

بدرگاہ باری عزّ اسمہٗ

تجھ پہ ابراہیموں کا حق ہے سب سے سوا | نار کو پھر نور کر گلخن کو پھر گلزار کر دے
صدقہ اپنی کارسازی کا بنا بگڑی مری | میں ہوں بے کار اے مرے مولا مجھے باکار کر دے

پھر لگا یا رب مرے دل میں وہ اگلی سی لگن — میرے سر کو جذبۂ توحید سے سرشار کر
تلخیاں جتنی زمانہ کی ہیں سب سہنی سکھا — جان شیریں کو حریف لذت آزار کر
سینکڑوں طوفاں ہیں پنہاں جس کی اک اک موج میں — اس سمندر سے مسلمانوں کا بیڑا پار کر
جو سزا چاہے انہیں دے کہ تو مختار ہے — لیکن اپنوں کو نہ غیروں کی نظر میں خوار کر

ہند کو بھی اے خدا قید غلامی سے چھڑا
اپنے گھر کا ہم کو بھی مالک بنا مختار کر

مکہ مکرمہ ۲۵ مئی ۱۹۲۸ء

کلام اللہ

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی جس کی شان میں آیا ہے — رحمت عالم ہو کے اک اُمّی اس مکتوب کو لایا ہے
منکشف اس نے کر دیئے سارے علم الاسما کے وہ رموز — جن کو سمجھ کر خاک کے آگے قدس نے سر نیوڑایا ہے
جَآءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ اسکی بال پہ آتے ہی — کفر کے بیچ سر فلک پہ پرچم دیں لہرایا ہے
اِنَّ البَاطِلَ کَانَ زَهُوقًا کہکے دیا ہے حق کو فروغ — ٹوٹ کے بد افسوں منہ کے بل اس نے لات و ہبل کو گرایا ہے
بُت کی خدائی بگڑی یعنی ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالمَطلُوب — بال کس سے نقشۂ توحید اس نے نیا کھچوایا ہے

موت سے اُس نے زیست نکالی زیست کو آب و رنگ دیا
قطرے سے قلزم تیرہ سے گلشن پیدا کر کے دکھایا ہے،

دامن صحرا پہ بھی گمان تھا آنکھ کو دامن گلچیں کا
سارے جہان پر اُس نے جب اپنا ابر کرم برسایا ہے

جن کے مقدر میں تھی غلامی اُس نے انہیں آزاد کیا
نوعِ بشر کی لوحِ جبیں سے اُس نے یہ داغ مٹایا ہے،

ابیض و اسود و احمر و اصفر عالی و دانی خورد و بزرگ
سب کا بنا کر ایک ہی کنبہ ایک ہی گھر میں بسایا ہے

سطوتِ سنجر حشمتِ خاقاں صولتِ بہمن دولتِ جم
ملتی ہے کیونکر اُس نے یہ نکتہ دیدہ وروں کو سمجھایا ہے،

خمِ فلاطوں خشک پڑا ہے ساغرِ جم میں بوند نہیں
تا بابد وہ جام چلیگا اُس نے جسے چھلکایا ہے،

کون و مکاں سے آج تلک اس کا جلوہ سمیٹا جا نہ سکا
اک فقط انساں ہی کا ہے سینہ جس میں نور سمایا ہے،

اشعارِ نعت

و

استغاثہ بہ بارگاہ شاہِ کونین

عرض حال بدرگاہ رب العزۃ

بتوسط حضور خواجہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم

اے کہ ترا جمال ہے زینتِ محفلِ حیات — دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکوٰۃ

تیری جبیں سے آشکار پرتو ذات کا فروغ — اور ترے کوچہ کا غبار سرمۂ چشم کائنات

بارگاہ الست سے بخش دیئے گئے تجھے — سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات

چہرہ کشا کرم ترا قاف سے تا بہ قیرواں — لطف ترا کرشمہ سنج کعبہ سے تا بہ سومنات

تیرے سلام کیلئے گلشن قدس کے طیور — گھوم رہے ہیں ڈال ڈال جھوم رہے ہیں پات پات

دیکھتے ہی ترا جلال کفر کی صف الٹ گئی — جھک گئی گردن ہبل ٹوٹ گیا طلسم لات

آنکھ کے اک اشارہ سے تو نے معاً بدل دیئے — ذہن کے سب تصورات قلب کے سب تاثرات

چون و چگونہ و چرا تا بکجا و تا بکے — حل کئے ایک بات میں تو نے یہ سب تری نکات

غیر کو خویش کر دیا نیش میں نوش بھر دیا — پل میں درست کر دیئے بگڑے ہوئے تعلقات

کیا ہی وہ انقلاب تھا ڈھل گئے جب ہیں ایک ساتھ — لندن و پیرس و دمشق پیکن و دہلی و ہرات

از سر نو کیا گیا دودۂ آدم ارجمند — اٹھ گئی قید خون و رنگ مٹ گیا فرق نسل و ذات

شانِ خدائے پاک تھی بشریوں کی سادگی — جس پہ نثار ہو گئے سب عجمی تکلفات

تیری ثنا میں تر زباں ہو گیا جو میری طرح — اُس کے قلم میں آ گئی شانِ روانیٔ فرات

پست و بلند کے لئے عام ہیں تیری رحمتیں — عرش سے اور فرش سے تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

اے کہ روان روان ترا دردیں ہے بسا ہوا — کس کو ترے سوا سنائیں جا کے ہم اپنی مشکلات

سر پہ اندھیری رات ہے گھر گئی ہے بھنور میں ناؤ — موجِ بلا ہے تاک میں دور ہے ساحلِ نجات

تھام کے پایۂ عرش کا کرے بہ ادب یہ التجا — "اے کہ ہے مبدءِ فیوض ایک فقط تری ہی ذات

بندے بھلے ہوں یا برے تو تو ہے اے خدا کریم — قطع ہو کیوں کریم کا سلسلۂ نوازشات

موردِ لطفِ خاص پر کس لئے آج یہ عتاب

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات"

زندانِ فرنگ۔ گجرات پنجاب

۱۰ جون سنہ ۱۹۳۰ء

اِنکَ اَنتَ الاَعلیٰ

خدا کے گھر سے نکل گئے بت حرم کی رونق ہوئی دوبالا
بدل گئے دن پلٹ گئی رت نبیؐ نے امت کا نام اچھالا

ہوائے جب والضحیٰ کی چھوٹی تو سب نے اس کی بہا لوٹی
کرن قمرِ اللیل کی جو پھوٹی تو سارے جگ میں ہوا اجالا

چلے ہیں مکے سے جب نبیؐ نے کہا یہ صدیقؓ سے نبیؐ نے
کیا جو رخ ثور کا کسی نے تو مکڑیاں پوردیں گی جالا

سوادِ یثرب میں گھومتا ہوں نبیؐ کی دہلیز چومتا ہوں
شرابِ حق پی کے جھومتا ہوں رہے سلامت پلانے والا

عجم ہے میرا عرب ہے میرا جہاں میں جو کچھ ہے سب ہے میرا
اگر مسلمان لقب ہے میرا تو بول ہوگا میرا ہی بالا

فریاد بحضور سرورِ کونین

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب — صبحِ ازل ہے تیری تجلی سے فیضیاب

زینت ازل کی ہے تو، ہے رونق ابد کی تو — دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب

چوما ہے قدسیوں نے ترے آستانہ کو — تھامی ہے آسمان نے جھک کر تری رکاب

شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب — نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب

برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم ترا — آدم کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب

پیدا ہوئی نہ تیری مواخات کی نظیر — لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب

خیر البشر ہے تو، تو ہے خیر الامم وہ قوم — جس کو ہی تیری ذاتِ گرامی سے انتساب

مغرب کی دستبرد سے مشرق ہوا تباہ — ایماں کا خانہ کفر کے ہاتھوں ہوا خراب

صدہا ترے غلام نصاریٰ کی قید میں — دن زندگی کے کاٹ رہے ہیں بصد عذاب

پھر بھی ہے اُس کو لاج ترے نامِ پاک کی — پروانۂ حسن پہ تصدق ہیں شیخ و شاب

ہے ان کے ایک ہاتھ میں سیفِ ید اللّٰہی — اور دوسرے میں تیری لائی ہوئی کتاب

یوں کفر کے ہجوم پہ گرتے ہیں ٹوٹ کر — شیطان پر آسماں سے گرے جس طرح شہاب

چہرے پہ زخم کھائے مگر منہ نہ پھر سکا، گلگونۂ غدار سے بے اندیشۂ عقاب

باور نہ تجھ کو آئے تو ہندوستاں میں آ اور دیکھ لے الٹ کے ملیبار کا نقاب

اے قبلۂ دو عالم و لئے [اے] کعبۂ دو کون تیری دعا ہے حضرت باری میں مستجاب

یثرب کے سبز پردے سے باہر نکال کر وہ تو دعا کے ہاتھ بصد کرب و اضطراب

حق سے یہ عرض کر کہ ترے نا سزا غلام
عقبیٰ میں سرخ رو ہوں تو دنیا میں کامیاب

صلوا علیہ و آلہ

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملیگی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکر و عمر عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اگست سنہ ۱۹۱۰ء

رحمت اللعالمین

وہ اٹھا خاک بطحا سے سعادت کا امیں ہو کر
علم بردار حق بنکر سپہ سالار دیں ہو کر

عرب کیواسطے رحمت عجم کیواسطے رحمت
وہ آیا لیکن آیا رحمۃ للعلمین ہو کر

خدا نے اُس کو اپنے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
چھپا ہے اُس کا پیکر تو نور صبح اولیں ہو کر

خدا پر تھا یقیں پہلے ہی لیکن اُس کا احساں ہے
کہ آنکھوں میں یقیں پھرنے لگا عین الیقیں ہو کر

اسی کا بے حساب احساں ہے ہم پر کہ صدیوں تک
رہا ہندوستان اسلام کے زیر نگیں ہو کر

نہ نکلی کوئی بات اُسکی زباں سے تا دم آخر
نہ نکلی ہو جو زیب نطق جبریل امیں ہو کر

خدا کی شان سے رونق ہے موجودات عالم کی
وہ سب نبیوں کے بعد آیا مگر کیا کیا نہیں ہو کر

تھمک پر وردہ اُسکی شرم سے ہیں سب نبی پیچھے
وہ شرم آئی جو عقبیٰ میں شفیع المذنبیں ہو کر

وائم مارہروی مدراس
۲۰ اگست ۱۹۳۰ء

نورِ حقیقت

عبث ناز کرتے ہیں ہم ابتدا پر
ہمیں دیکھنا چاہیئے انتہا کو

عمل گر یہی ہیں تو ہم حشر کے دن
دکھائیں گے منہ جا کے کیا مصطفےٰ کو

وہ نورِ حقیقت رسولِ خدا نے
منور کیا جس سے غارِ حرا کو

چمکتا ہوا سارے مشرق میں پھیلا
کیا روشن اُس نے تمام ایشیا کو

پھر اس نے کیا مغربی کشوروں میں
جدا نقشِ وَاللَّیل سے وَالضُّحٰی کو

ضلالت کی شب ہائے غاسق کی ظلمت
نہیں میٹ سکتی ہے اس انجلا کو

۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء

شبِ معراج

عشق مہمان ہوا حسن کے گھر آج کی رات
جذبۂ دل ہے بآغوشِ اثر آج کی رات

بختِ بیدار نے دی دولتِ سرمد کی نوید
کیوں نہ آنکھوں میں کٹے تا بسحر آج کی رات

اپنے اللہ سے ملنے کیلئے جاتا ہے
اپنے اللہ کا منظورِ نظر آج کی رات

ماہ و انجم نے سرِ راہ بچھا دیں آنکھیں
کیونکہ ہے ناقۂ اسریٰ کا سفر آج کی رات

کہکشاں جلوہ فشاں ہے کہ اسی رستے سے
ہونے والا ہے محمدؐ کا گزر آج کی رات

چاند کیا چیز ہے سورج کی حقیقت کیا ہے
پرتوِ نور سے روشن ہے نظر آج کی رات

اٹھ گیا چہرۂ ہستی سے نقابِ اسرار
لائی ہے رازِ امانت کی خبر آج کی رات

مل گئی دونوں جہاں کے خزانوں کی کلید
اپنے معراج کو پہنچا ہے بشر آج کی رات

۲۴ فروری ۱۹۲۵ء

التجا بحضورِ سرورِ کائنات

جاگ اے یثرب کی میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تیری امت کا راج

سر چھپانے کا ٹھکانا بھی انہیں ملتا نہیں
جن کی ہیبت سے چکی ہے ایک عالم سے خراج

تجھ سے بچھڑے ہیں ساری دنیا میں ذلیل
کیا نہیں اے قبلۂ عالم تجھے بچوں کی لاج

ہم ہیں ننگے سر لٹی ہے شانِ عرب آنِ عجم
اور پہنا دے ہمیں پھر سطوتِ کبریٰ کا تاج

نشۂ کامانِ خلافت کو خود اپنے ہاتھ سے
بھر کے وہ ساغر پلا دے انگبیں جس کا مزاج

اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج

۲۲ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

نذرِ مختصر بحضورِ خواجۂ دو جہاں سرورِ کون و مکان

محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

اے کہ ترا ظہور ہے وجہِ نمودِ کائنات — اے کہ ترا فسانہ ہے زینتِ محفلِ حیات

اے کہ ہیں تیری ذات میں جمع زمانے کی صفات — سب ملکی تصرفات سب فلکی تجلیات

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

بادۂ معرفت سے جب تو نے بھرا خمِ الست — بزم میں آ کے جھک پڑے سارے جہاں کے مے پرست

تھا یہ عجیب انتظام تھا یہ عجیب بند و بست — ہو گئے مست ہوشیار بن گئے ہوشیار مست

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

تیرے غلام ہو گئے سارے جہاں کے شہریار — سرورِ کائنات تو اور وہ زمیں کے تاجدار

صبحِ ازل سے ڈھونڈتی تھی جسے چشمِ انتظار — تیرے قدم کے فیض سے باغ میں آئی وہ بہار

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفات

شرق ہے تجھ سے مستفیض غرب ہے تجھ سے فیضیاب — دونوں جہاں کی رحمتیں ہو گئیں تیری ہم رکاب

جو ترے در کی خاک تھے ہو گئے آسماں جناب — لطف ترا ہے بے شمار فیض ترا ہے بے حجاب

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشمِ التفاب

تیرے نوال میں نہاں مبدء بحر کا مآل ؛   تیرے کمال سے عیاں شان خدائے ذوالجلال

قدر تھی ہے بے مثال درس ترا ہے لازوال   نور کے فوق کل نور تیرا بلک اصوب الاعمال

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

خلق ہوئی تھی ہیئت تیرے قدوم کیلئے   وضع ہوئی تھی معرفت تیرے علوم کیلئے

فیض نہ تھا ترا فقط قوم ظلوم کے لئے   بلکہ ترا خصوص تھا وقف عموم کیلئے

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

گردن خلق ایک ساتھ جھک گئی رب کے سامنے   چون و چرا نہ چل سکا اصل سبب کے سامنے

گرد ہوئی ہے کیمیا خاک عرب کے سامنے   تونے یہ گنج شایگاں رکھ دیا سب کے سامنے

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

چین سے تا بہ اندلس بادہ فروش تو ہی تھا   بادہ کشوں کے واسطے چشمۂ نوش تو ہی تھا

شاہد علم و فضل کا حلقۂ گوش تو ہی تھا   سارے جہان کے لئے دیدۂ ہوش تو ہی تھا

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

سارے جہاں کی حکمتیں تیرے کلام پر نثار   سارے جہاں کی دولتیں تیرے نظام پر نثار

ہم تیری ذات پر فدا ہم ترے نام پر نثار   تیری گلی میں ہوں مقیم تیرے مقام پر نثار

ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

عرض داشتِ اُمّت بحضورِ سرورِ کون و مکاں

اے نشانِ حجتِ حق مظہرِ شانِ جلیل
تو نے کی تکمیلِ آئینِ مسیحا و خلیل

اولیں یہاں تری فرزندِ آذر کی دعا
اور نویدِ ابنِ مریم دوسری تیری دلیل

نقطۂ پرکارِ عشقِ کبریا تیرا جمال
تجھ کو اُس سے ہے محبت کیونکہ وہ خود ہے جمیل

تیری چشمِ مست کا صدیقِ اکبرؓ ہے خراب
تیری تیغِ ناز کا فاروقِ اعظمؓ ہے قتیل

ختم تجھ پر ہو گیا انسانِ کامل کا لقب
لا نہیں سکتے زمین و آسماں تیرا عدیل

بن گیا قرآن کی ہر ہر سطر ہر ہر لفظ میں
نطق تیرا شانۂ زلفِ پیامِ جبرئیل

تیری روشن زندگی کے کارنامے بن گئے
اہلِ ایماں کے لئے ہر مرحلے میں سنگِ میل

کر دیا تو نے قوامِ دین و دنیا مستقل
ناخن بہ رہبانیت کی جڑ میں ٹھونکی تو نے کیل

لفظِ جنت قیدِ معنی سے رہا ہوتا اگر
تیری رحمت اہلِ عالم کی نہ ہو جاتی کفیل

حشر کے دن جن کو ملتا ساغرِ آبِ حمیم
تو نے پلوایا انہیں جامِ شرابِ سلسبیل

قوم بھی سرِ منزلِ ہستی میں ہے مانندِ فرد
عمر قسامِ ازل نے دی ہے دونوں کو قلیل

دیکھنے دونوں ہیں بچپن اور جوانی کی بہار
عہدِ پیری کاٹ کر جیتے ہیں سرگرمِ رحیل

مصر و یوناں لد گئے، روما و بابل مٹ گئے
کم جیا کوئی کسی نے زندگی پائی طویل

یا محمد تیری امت مٹ نہیں سکتی مگر
ہو نہیں سکتا فنا جس طرح آبِ رودِ نیل

لوحِ ہستی سے نہ ہوگا محو نقش اسلام کا
متفق ہیں اس حقیقت پر زمانے کے عقیل

جلوہ گر پائے گا ہم کو نت نئے انداز سے
رنگ بدلے خواہ کتنے ہی کہیں چرخِ بخیل

دولت اور اقبال کر سکتے نہیں ہم سے ابا
آیتِ استخلاف کی ہے اپنے دعوی کی دلیل

امتیازِ ملت و مشرب یہاں جائز نہیں
ہے لگی سب کے لئے کوثر کے ساقی کی سبیل

ہم ترے احکام پر جب تک عمل کرتے رہے
ہم کو ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا کہیں اپنا مثیل

پرچمِ اسلام اک عالم پہ لہراتا رہا
مشوروں میں ہم تھے اقوامِ عالم کے دخیل

سطوتِ اسلام کے ماتھے پہ پڑتا تھا بل
سرکشوں کو ایک ساعت کی نہ مل سکتی تھی ڈھیل

جب چمکتا تھا ہمارا خنجرِ خارا شگاف
فتح و نصرت کو نہ ہوتی تھی مجالِ قال و قیل

مشرق و مغرب کے دفتر کو الٹ دیتے تھے ہم
اور ہمارے فیصلہ کی ہو نہ سکتی تھی اپیل

چھوڑ دی ہے جب سے لیکن ملتِ بیضا کی راہ
ہم مسلماں ہو گئے دنیا کی قوموں میں ذلیل

ہم کو آج آنکھیں دکھاتے ہیں ہمارے ریزہ چیں
بن گئے شہباز کل تک جن کو ہم سمجھے تھے چیل

ہم میں جو مفلس ہیں وہ زندہ ہیں لیکن مردہ وار — ہم میں جو منعم ہیں وہ یا تو ہیں مسرف یا بخیل
گر شرافت اور نجابت کا ہو معیار اتقا — ہم مسلمانوں میں کم ہیں جو نکلیں گے ذلیل

کر رہا ہے ہم پہ یورش یوں ہی دور آسماں — جس طرح کعبہ پہ چڑھ کر آئے تھے اصحاب فیل
ہم ابابیلوں سے لیکن کس لئے مانگیں مدد — جب کہ تو خود ہے ہماری فتح و نصرت کی دلیل
تکیہ جب طاقت پہ ہم کو ہے تو ہے تیری دعا — جو کہ ہے مقبول درگاہ خداوند جلیل
تیرے روحانی تصرف نے کیا ہے جس طرح — تندرست اس کو جسے مغرب سمجھتا تھا علیل
درفشاں اے ابر رحمت ہند پر بھی ہو یونہی — تاکہ ہوں سیراب اس کشور کے بھی زرع و نخیل
علم کا ہم کو ہو شوق اور ہو عمل کا ہم کو ذوق — قرن اول کے ہوں پیدا ہم میں اخلاق جمیل
ہم بھلے ہیں یا برے ہیں تیرے آخر ہیں غلام — ہم کو ہم چشموں میں اے آقا نہ ہونے دے ذلیل

اے شفیع المذنبیں اے رحمۃ للعالمیں
اَنتَ کہفی اَنتَ ہادی اَنتَ لی نعم الدلیل

یکم فروری ۱۹۱۵ء

اسلامیانِ ہند کی فریاد بارگاہِ سرورِ کائنات میں

اے کہ تری نمود ہے غازۂ روئے کائنات / جلوہ فشاں ہیں ہر طرف تیری ہی سب تجلیات

قصد یہ کر رہا ہوں میں نعت تری رقم کروں / کوزہ میں بھر رہا ہوں میں بائیہ دجلہ و فرات

نور ترا نہ چیرتا گر افق شہود کو / ختم نہ ہوتی آج تک تیرگیٔ شب حیات

فرش ہیں تیرے ہمہمے عرش ہیں تیری زمزمے / بھیج رہی ہے کائنات تجھ پہ سلام اور صلوٰۃ

ہیں عرب و عجم ترے دونوں پہ ہیں کرم ترے / تجھ سے حرم کی آبرو تیرے قدم میں سومنات

بت شکنوں میں آ گئی آذریوں کی بت گری / کرنے لگے خدا پرست بندگیٔ منات و لات

بھولے تھے بندے نام حق تو نے دیا پیام حق / جوڑ دیئے قدیم کے ٹوٹے ہوئے تعلقات

وہم و گمان میں بھی نہ تھا ہند کے آسمان تلے / عالم پیر کا نیا سلسلۂ تغیرات

آہ وہ عہد ہے کہاں جس میں ہمارے واسطے / روز تو روز عید تھا اور تھی شب شب برات

آہ وہ باغ کیا ہوا بارہ مہینے کی بہار / ملتی تھی جس میں ڈال ڈال ہلتی تھی جس میں پات پات

مرکز ثقل سے ستون شرع مبیں کا ہٹ گیا / خطرہ میں آ کے پڑ گیا دین قویم کا ثبات

ایک طرف ہیں ذات کی زہر بھری عداوتیں / ایک طرف ہیں نسل کے قہر بھرے تعصبات

حکمت و علم کا مطلب دینے لگا مریض کو
بے خبری و جہل کے بوقلموں مرکبات

عالم دیں فروش نے صوفی مکر کوش نے
دام ریا بچھا دیا اوڑھ لی دلق سیئات

سب سے زیادہ مستحق تیری توجہات کے
ہم ہیں کہ ہم پہ آپڑیں سارے جہاں کی مشکلات

تیری نگاہ مہرباں ہم کو ذریعہ فلاح
تیری دعائے مستجاب ہم کو وسیلۂ نجات

دور فتادہ ہی سہی تیرے مگر غلام ہیں
ہم سے پھرا ہوا ہے کیوں گوشۂ چشم التفات

۱۰ جنوری ۱۹۲۷ء

نذر عقیدت

حضور آقائے دو جہاں کی جناب میں

اے کہ آرائش ہماری داستاں کی تجھ سے ہے
اے کہ افزائش ہماری عز و شاں کی تجھ سے ہے

ملت بیضا کی رونق تیرے دم سے برقرار
تمکنت اس بے تجمل کارواں کی تجھ سے ہے

تیرے آب و رنگ سے رنگیں ہے ایراں کا چمن
جلوہ ریزی گلشن ہندوستاں کی تجھ سے ہے

... کو تیری نسبت سے ہوا حاصل کمال
خوں فشانی اس کے عزت افگن بناں کی تجھ سے ہے

ہے خمیر مایۂ حسنِ عرب تیرا جمال — دلربائی نجد کے بانکے جواں کی تجھ سے ہے
دولت اک تیری کنیز اقبال اک تیرا غلام — شانِ دارائی امان اللہ خاں کی تجھ سے ہے
سایہ پرور تیری رحمت کا حرم بھی دیر بھی — سود اور بہبود بہمان و فلاں کی تجھ سے ہے
کفر اگر پرچم کشا ہے اس کے ہم ہیں ذمہ دار — سربلندی دینِ قیّم کے نشاں کی تجھ سے ہے
امتِ مرحوم کے دردِ جگر کے چارہ ساز — ساری تاثیر اس کی فریاد و فغاں کی تجھ سے ہے
ساری دنیا بن گئی ہنگامہ زارِ کشت و خوں — کچھ اگر امید ہے امن و اماں کی تجھ سے ہے

اس ورق پر پرتو افگن ہے ترا سحرِ حلال
اور بہار اس خامۂ معجز بیاں کی تجھ سے ہے

لاہور۔ ۱۳ جنوری ۱۹۲۷ء

جشن میلاد نبویؐ

محمد مصطفےٰ گنجِ سعادت کے امیں تم ہو — شفیع المذنبیں ہو رحمۃ للعالمیں تم ہو
ہوئی تکمیلِ دیں تم سے کہ ختم المرسلیں تم ہو — رسالت ہے اگر انگشتری اس کے نگیں تم ہو
نہ بنتے تم تو عرش و فرش کا نقشہ نہ جم سکتا — یہ دنیا اعتباری تھی حقیقت آفریں تم ہو

ادا کر دیا تم نے خدا کو ذمہ داری سے — کہ ختمِ حجتِ حق کی نشانی بالیقیں تم ہو
نمکدانِ خوانِ ہستی کا تمہارا حسنِ دلکش ہے — خدا جس پہ ہوئے سو جاں سے شیدا وہ حسیں تم ہو
اگر پروردگارِ انس و جاں کو ہم نے پہچانا — بلا شبہ و بلا شک اس کی وجہ اولیں تم ہو
دل شکستہ کو بھی اپنے اوپر ناز ہیں کیا کیا — یہ وہ آئینہ ہے جس کے سکندر بالیقیں تم ہو
تمہاری یاد ہو جس دل میں ایسے دل کا کیا کہنا — مکاں ہو گا عجب ہی شان کا جس کے مکیں تم ہو
ہوئی کافور ظلمت کفر کی جس کی شعاعوں سے — زمانہ پر یہ روشن ہے کہ وہ مہرِ مبیں تم ہو
نشانِ اِنَّا فَتَحْنَا کا نہ ہو کیوں آشکارا جب — علمبردارِ حق تم ہو سپہ سالارِ دیں تم ہو
خدا کیونکر نہ کھینچے معصیت پر مغفرت کا خط — مسلماں مذنبیں ہیں اور شفیع المذنبیں تم ہو
ہوا اسلام کا شرمندۂ احساں جہاں سارا — ہر اک اقلیم پر یہ سا گئے در تمکیں تم ہو

لقب خیر الامم جس کو دیا تاریخ عالم نے
اس امت کے نگہباں اس زمانہ میں تمہیں تم ہو

مسلمانو! خدا کا فضل اس سے بڑھ کے کیا ہو گا — رسول اللہ کا خرمن ہے جس کے خوشہ چیں تم ہو
تمہارا عُرْوَةُ الْوُثْقٰی ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰه — پھر اس رسی کو یارو تھام لیتے کیوں نہیں تم ہو
یہ صدقہ ہے اسی ابرِ کرم کی درفشانی کا! — کہ اب تک صاحبِ اکلیل و اورنگ و نگیں تم ہو
تمہارا نام ہے اب بھی بڑا دنیا کے حلقوں میں — ابھی تک گلشنِ دولت کے سرو راستیں تم ہو

اخوت کا سبق تم کو پڑھایا تھا پیمبر نے
مگر دل میں لیے پھرتے نفاق و بغض و کیں تم ہو

بھلا زہر ہلاہل سے جگر اور دل ہیں تر تا سر
مگر ہنس ہنس کے ٹپکاتے زباں سے انگبیں تم ہو

سمجھ رکھا ہے حرمت کو مرادف تم نے ذلت کا
مگر بھر بھر کے اڑاتے جام آبِ آتشیں تم ہو

اتروا دیں گے ملا بوٹ دروازہ پہ مسجد کے
خدا کے گھر تک اس خدشہ سے آ سکتے نہیں تم ہو

پڑے پتلون میں سلوٹ مبادا کوئی جھکنے سے
نہیں اس ڈر سے ہو سکتے شریکِ راکعیں تم ہو

پڑی ہیں مسجدیں ویران اور ہیں مدرسے سونے
قریب از علمِ دنیا ہو تو دور از علمِ دیں تم ہو

خدا سے لو لگاتے ہو تو اس کی بھی یہ حالت ہے
کہ وقفِ آرزو ہائے وصالِ حورِ عیں تم ہو

نہیں القصہ اس قابل کہ بخشے جاؤ عقبیٰ میں
خدا سے سرخرو ہو فائزِ خلدِ بریں تم ہو

نہ یہ امید بھی کر ہو کہ حضرت بخشوا لیں گے
تو مطلق شک نہیں اس میں کہ جمعِ خاسریں تم ہو

محمد کے تصدق میں تمہاری مغفرت ہوگی
اگر وابستۂ دامانِ ختم المرسلیں تم ہو

۱۴ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء

صاحبِ قابَ قوسین او ادنیٰ

V. Good.

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اس نورِ اولین کا اجالا تمہی تو ہو

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہی تو ہو

جلتے ہیں جبرئیلؑ کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو

جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا
وہ رہ نوردِ جادۂ اسریٰ تمہی تو ہو

پیتے ہی جس کے زندگی جاوداں ملی
اس جانفزا زلال کے مینا تمہی تو ہو

اٹھ اٹھ کے لے رہا ہے جو پہلو میں چٹکیاں
وہ دردِ دل میں کر گئے پیدا تمہی تو ہو

دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو

گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمہی تو ہو

بپتا سنائیں جا کے تمہارے سوا کسے
ہم بے کسانِ ہند کے ملجا تمہی تو ہو

عرش سے فرش تک حضور سرورِ کونین پر صلوٰۃ و سلام کی بارش

اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

V. Good

رونقِ بزمِ وجودِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم
خواجۂ گیہاں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

جادہ شناسِ منزلِ وحدت جلوہ نمائے از حقیقت
ہادیٔ اکبر مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

خیر مثل فضلِ مجسم صورتِ احساں پیکرِ رحمت
آئینۂ لطفِ ربک الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ہوگئی اس پر ختمِ رسالت دیتے گئے ہیں جس کی شہادت
موسیٰ عمران عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

خیلِ ملک تھا اس کے جلو میں یعنی فضا کا رخش تھا دیں
تا کہ جہاں ہو درہم برہم صلی اللہ علیہ وسلم

کہتے ہیں جس کو سطوتِ کبریٰ تھی وہ اک اُسکی مشق سپا

گردن بہرِ قتل جس سے ہوئی خم صلی اللہ علیہ وسلم

تیغ و کفن جب باندھ کے نکلے اُسکے قشون قاہرہ گھر سے

بچھ گئی یورپ میں صفِ ماتم صلی اللہ علیہ وسلم

ہے عرب اُس کا اور عجم اُس کا تھامے بیٹھے ہیں ہم علم اُس کا

وہ ہے ہمارا اُس کے ہیں سب ہم صلی اللہ علیہ وسلم

وقت پہ دیکھا تشنہ لبوں کو ساغرِ کوثر بھی ہے ساقی

جس نے پلایا ہے انہیں زمزم صلی اللہ علیہ وسلم

جیت گئے اسلام کے غازی ہر گئی آخر کفر کی بازی

جھک نہ سکا توحید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

اُس کی غلامی نے ہمیں بخشا تاجِ سکندر فرّہ دارا

کوکبۂ کے مرتبۂ جم صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے جب اونچا پایہ ہے اُس کا تنے ہے سر پر سایہ ہی اُس کا

ملتِ بیضا پھر تجھے کیا غم صلی اللہ علیہ وسلم

عرشِ بریں سے فرشِ زمیں تک فرشِ زمیں سے عرشِ بریں تک

غلغلہ برپا ہے یہی پیہم صلی اللہ علیہ وسلم!

اثار

زمانے میں چمکا ہے نام محمدؐ — ہوئی روکش صبح شام محمدؐ

نہ پہنچے وہاں جبرئیل امیں بھی — بلند اس قدر ہے مقام محمدؐ

مرا منہ لیا چوم روح الامیں نے — لیا میں نے جس وقت نام محمدؐ

پلایا ہے بھر بھر کے ساقی نے مجھ کو — خدا کے خمستاں سے جام محمدؐ

فقط دو حقائق پہ دنیا ہے قائم — بقائے خدا و دوام محمدؐ

یہ مجلس جہاں شور ہے وانکحوا کا — نہیں ہے رہی ہے پیام محمدؐ

جواں دل ہیں اس واسطے کر رہے ہیں — بڑھاپے میں شادی غلام محمدؐ

ہے مثنیٰ سے آئی ثلاث کی نوبت
کہ ان کو یہ ہے اذن عام محمدؐ

تاجدارِ عرب و عجم!

سخن آورم ز کمال او ز شکوہ او ز جلال او — کہ نہ دیدہ چشم مثیل او نہ شنیدہ گوش مثال او

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

ز عرب چکیدہ ملاحتش ز عجم دمیدہ عذوبتش — نمکے کہ ریخت جمال او شکرے کہ بیخت مقال او

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

ہمہ کس فراخور فوق خود ز نوال گرفتہ مقدرے — تو و لعل و گوہر و سیم و زر من و دست و دامن آل او

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

فخر رسل

کہنے کو ہوں آج میں نعت رسول کریم — میری زباں کیوں نہ ہو رشک زبان کلیم

مایۂ نازش مجھے ہے میری فکر رسا — وجہ تفاخر مجھے ہے میری طبع سلیم

بسکہ ہے لب پر مرے فخر رسل کی ثنا — عیسئ گردوں نشیں کا ہوں شریک و سہیم

اے شہ ہر دو جہاں سرور کون و مکاں — تو ہے خدا کا حبیب تو ہے خدا کا ندیم

تو ہے شفیع مطاع تو ہے نبیِّ کریم — تو ہے قسیمٌ جسیمٌ تو ہے نسیمٌ وسیم

تجھ سے مزین ہوئی مسند پیغمبری — تجھ سے فروزاں ہوئی بزم الف لام میم

دیکھ کے تجھ کو گرے لات و ہبل سر کے بل — آتے ہی تیرے فرو ہو گئی نار جحیم

کون سی ایسی ہوئی اس میں تعجب کی بات — تیرے اشارے سے ہو گر مہ کامل دو نیم

تو نے تو زندہ کیا بات میں اس جسم کو — رہ گئی تھیں اک فقط جس کی عظام رمیم

جس کی رگ و پے میں تھا شرک سمایا ہوا — چھائی ہوئی جس پہ تھی ظلمت جہل سقیم

ہو گئے صحرا نشیں صاحب دیہیم و تاج — عامی و جاہل بنے تیری بدولت حکیم

دولت دنیا و دین قوم کو دی ایک ساتھ — ہے تیری بخشش کثیر ہے ترا احسان عظیم

تو نے پلایا اُنہیں جام شراب طہور
جن کے مقدر میں تھی شورش آب حمیم

الغرض احسان تیرے قوم پہ ہیں بے شمار
اٹھ نہ سکے گا کبھی ہم سے یہ بار عظیم

جبکہ ہو تو ناخدا کشتئ اسلام کا
کیا اسے موجوں سے خوف کیا اسے طوفان سے بیم

تیری شفاعت کا گر ہم کو سہارا نہ ہو
رحم پہ غالب ہے عدل خدائے عظیم

شافع روز جزا تو نہ ہو گر کارساز
ہم کو میسر ہوں کب خلد بریں کے نعیم

خسرو و خاقاں کا فخر تیرے گدایان در
صاحب فوز عظیم تیری گلی کے مقیم

تو نے لگایا تھا جو گلشن قدس انتما
لاتی ہے اب تک نسیم اس سے اڑا کر شمیم

تو نے جلائی تھی جو مشعل عالم فروز
قوم کا اب تک بھی ہے اس سے منور حریم

بزم میں لیکن وہ رنگ اب نظر آتا نہیں
باغ میں باقی نہیں رونق عہد قدیم

ہے یہ دعا کا محل اے شہ دنیا و دیں
عرض کر اللہ سے ہے جو خبیر و علیم

بخشے ہمارے گناہ ہم پہ کرے اپنا فضل
پھر ملے اسلام کو عظمت شان قدیم

قوم میں ہو اتفاق اور ہو پہلا سا جوش
ہمت ادھر ہو بلند عزم ادھر ہو صمیم

امّت پر رسول کا احسان

ہم خاک تھے بنا دیا اکسیر آپ نے — کتنا بڑا یہ آپ کا احسان ہو گیا
بھر کر دیا وہ جام جہاں میں حضور نے — پی کر گدائے بیکس وہ سلطان ہو گیا
اسلام کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں — بجلی گری وہ دل پہ کہ قربان ہو گیا
ہے اک نگار خانۂ حیرت یہ نام بھی — جس کی نظر پڑی وہی حیران ہو گیا

مشرق اور مغرب منسلک اک سلک میں ہوئے
کتنا دراز رشتۂ قرآن ہو گیا

۱۶ دسمبر ۱۹۱۶ء

انتظارِ سحر

تجھے فکر کیوں ہے اے دل کہ یہ شب بسر ہوگی
ہے ابھی اگر اندھیرا تو کبھی سحر بھی ہوگی

ہے اثر دعا میں پنہاں مگر اس کے ساتھ تجھ کو
اگر اعتقاد ہوگا تو وہ زود اثر بھی ہوگی

یہ سوادِ آفرینش ہے بقدرِ نورِ بینش
تری آنکھ اگر کھلے گی تو جہاں نگر بھی ہوگی

ہو بپا کہیں بھی طوفاں وہ یہی گماں کریں گے
کہ ضرور اس میں شامل مری چشمِ تر بھی ہوگی

ہے پھر ابرہہ کی کوشش کہ بنائے کعبہ ڈھا دے
مگر اس میں ہم کو شک ہے کہ مہم یہ سر بھی ہوگی

اگر آج ہم پہ آئی شبِ غم پہاڑ بن کر
تو یہ رات یونہی بھاری کبھی آپ پر بھی ہوگی

عرب اور عجم کے فارتے ہوئے آفتاب جس سے
کسی روز دیکھ لینا وہ نظر ادھر بھی ہوگی

عشقِ رسولؐ

پرستاران لات و عزیٰ مشکیں رسن کی کس کر
جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے

قریش اپنے جلے تن کے پھپھولے پھوڑنے نکلے
گھروں سے رقص بسمل کا تماشا دیکھنے آئے

جبین زید پر اس وقت وہ رونق برستی تھی
کہ صبح اولیں کے نور کی بارش بھی شرمائے

یہ اطمینان کامل دیکھ کر کفر اور جھلایا
دلوں کی تیرگی نے بڑھ کے داغ اور چمکائے

ابوسفیاں پکارا کیا ہی اچھا ہو محمدؐ کو
تمہارے بدلے اگر جلاد خاک و خوں میں تڑپائے

تڑپ اٹھتا ہوں جب مجھ کو وہ فقرے یاد آتے ہیں
بوقت ذبح اس عاشق نے جو اس طرح دہرائے

مجھے ناز اپنی قسمت پر ہو گر نام محمدؐ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اس کو ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر دیکھا جا نہیں سکتا
کہ اُن کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

دفتر قادیاں

بنام آنکہ نامش احمد آمد — بنام آنکہ جانش کوثرستے

بنام آنکہ نقش انتسابش — نگار آرائی امروانگرستے

بنام آنکہ نسل دشمنانش — ہو الاقطع بہ رمز ابترستے

بنام آنکہ نعلین شریفش — کلاہ صد ہزار اسکندرستے

بنام آنکہ چینے از جبینش — رگ طاغوتیاں را خنجرستے

بنام آنکہ ما اسلامیاں را — بذاتش ناز و فخر بے مرستے

بگفتم صبحگاہاں ہو سپہر را — بتر ادر قادیاں یک دفترستے

سماں پارینہ تقویمش شمارم — کہ بارش زینت پشت خرستے

بگوش ما رسد صوت حمیر — کہ بابائی توشاں را درستے

رسول اللہ بیک بیت اورت — بدیں سان او نبی را مظہرستے

ظہور او شود ثابت ز قرآن — غلام احمد آپ کوثرستے

تو خود انصاف فرما ایں چہ سود است — کہ اہل قادیاں را در سرستے

نہالے کہ کاشتی در گلشن ما — کہ شاخش چوں صنوبر بے بر ستے

تمتع یافتیم از نصِ قرآں — کہ ما را فارغ از خیر و شر ستے

رسالت ختم شد بر مصطفائے

کہ ما را آخریں پیغمبر ستے

حجت حق کا اتمام

مصطفیٰ کو جب ملا پیغام اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ — کل ہمیشہ کے لئے شمع نبوت ہو گئی

آسماں نے حکم کا انعام امت کو دیا — حق کی حجت ختم ہو کر حق کی رحمت ہو گئی

مصطفیٰ ہیں گلشن توحید مسلم بوئے گل — خود وہ ہیں خیر البشر خیر اُن کی امت ہو گئی

ماہِ نو کی کیا ضرورت بدرِ کامل کی شبیہ — جب کلام اللہ کی ایک ایک آیت ہو گئی

پھر یہ ہم سے پوچھتے ہیں آ رہا ہے کیوں لیے عذر آ

اللہ اللہ آپ لوگوں کی یہ حالت ہو گئی

۱۷ نومبر ۱۹۱۶ء

ماہ و پروین

خواجۂ ما محمدِ عربی — نقشِ خاتم النبیین است

مصطفیٰ ماہ و امتش پروین — ماہ رونق فزائے پروین است

عرب آغوشِ عالمے باشد — بستۂ دامنش دل و دین است

مسلم از سجدہ گنج ہا اندوخت — دولتِ او جبینِ سیمین است

نعمتِ حق بجا شد ارزانی — شرعِ ما راست جادۂ آئین است

ہست اسلام خوشترین انجام — خنک آں کس کہ عاقبت بین است

بادہ اش تند و شکر افشاں ہم — شور در جاں فگند و شیرین است

جوش زد اندر خمِ حجاز ایں مے — جامِ ایں مے نگر جہاں بین است

پارہ اش پرورد مراقش را — جرعہ اش ریزشِ لبِ چین است

تو ز نیساں توقعے داری

گوہر ساز کانِ یٰسین است

۱۸ نومبر ۱۹۱۷ء

صاحب معراج

لعل نگار کی طرح میری حدیث ہے لذیذ
گیسوئے یار کی طرح میرا فسانہ ہے دراز

چاہیئے اہلِ ذوق کو سوز کے ساتھ ساز بھی
نغمہ جو ہو تو جاں نواز نالہ جو ہو تو دل گداز

بادہ اَستُوا پیوں موت کے بعد میں جیوں
مطلعِ فجر کی طرح ہو مری زندگی دراز

جھوم کے پی رہا ہوں میں جامِ مُنتَّم نُوَدِم
گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز

دَعْوَۃُ لِداعٍ ہو گئی در گِرد اِذَا دَعَانِ
یا کہ ہے خواب ناز میں چشم سیاہ نیم باز

دین قویم مصطفیٰ رحمت عام ہو گیا
آتے ہی اُس کے اُٹھ گیا شاہ و گدا میں امتیاز

تاجوروں کے رشک کو خاک دَر بنی ہوئی
سرمۂ دیدۂ بلال غازۂ چہرۂ معاذ

جس کی تمہیں خبر نہیں شان رسول ہی تو تھی
جس نے زمین خشک میں آکے چلا دیئے جہاز

لائے براق جبرئیل کس لئے اُسکے واسطے
ہوتی تھی جس کی رات دن گنبدِ عرش پر نماز

۲۵ جنوری ۱۹۲۸ء

نویدِ مسیحؑ

دکھا رہی ہے دعائے خلیل اثر اپنا
ہیں جلوہ ریز نویدِ مسیحؑ کے انوار

جنابِ آمنہ کے پہلوئے مبارک سے
ہُوا ہے رحمتِ پروردگار کا اظہار

حضورِ سرورِ کون و مکاں ہوئے پیدا
پیمبری کے گلستاں میں آئی فصلِ بہار

جہان و اہلِ جہاں کی پلٹ گئی کایا
مٹائی مہرِ درخشاں نے ظلمتِ شبِ تار

بڑھی سیادتِ ایماں گھٹی ضلالتِ کفر
چھپی سیاہیِ باطل چھٹا بدی کا غبار

کرشمہ سنج ہوا ساقیِ عرب ایسا
کہ شرق و غرب مئے حق سے ہو گئے سرشار

جنابِ ختمِ رسل پر ہزار بار درود
ہے جس سے عالمِ امکاں کی گرمیِ بازار

اشعار در مدح

سلاطین اسلام

شہسوارِ نجد

جا کے صبا پیام دے نجد کے شہسوار کو
ہم بھی لئے ہیں منتظر موڑ ادھر مہار کو

چھائی ہوئی ہے تیرگی خاورِ شرقِ عالم حال و قال پر
حشر بپا ہو ہر طرف زخمہ لگا دو تار کو

قافلۂ نسیم بھی یثربیوں سے آ ملا
آتے نہیں لگی ہے دیر باغ میں نو بہار کو

ابن سعود کو ملا رتبۂ تائید اللّٰہی!
تازہ بہانہ مل گیا رحمتِ کردگار کو

محمدیوں کی بزم میں مہلتِ نقش بھی تو دی
مصطفوی چراغ نے لو بھی شرار کو

ساقیٔ دلنواز نے خمکدۂ حجاز سے
دی ہے شراب خانہ ساز ہند کے بادہ خوار کو

کج نگہوں کی گمرہی سے تو گلہ فضول ہے
دیدۂ دروں کو کیا کہیں نور جو سمجھے نار کو

موت کی جستجو نہیں مجھ کو تلاشِ زندگی
دیتا ہوں قبر کے عوض سینہ میں ذوالفقار کو

۵، نومبر ۱۹۳۶ء

عہد سلف کی رونقیں

جگر اور دل ہی نہیں رہے کہ سموؤں ان کے گداز میں
نہ رہیں وہ پہلی سی لذتیں مری داستان دراز میں

نہیں شکوہ مجھ کو نصیب سے گلہ ہے اگر تو نصیب سے
جو چھپا رہا ہے حبیب سے، مگر اس کی شرح ہے راز میں

کئی سو برس جو دیار ہانگہ عرب سے چھپا رہا
پھر ابھر رہا ہے تتار سے وہی فتنہ رنگ مجاز میں

کوئی ہے جو ترک کو جا کے دے یہ پیام مسلم ہند کا
کہ وہ لذتیں جو ہیں سوز میں کبھی آ سکیں نہیں ساز میں

نہ بچا فریب فرنگ سے کوئی تاجور کوئی باجور
مگر اک حرم کا وہ پاسباں جو ہے سر بسجدہ نماز میں

نہیں فیض ابن سعود کا یہ ہے لطف رب ودود کا
کہ سلف کے عہد کی رونقیں نظر آ رہی ہیں حجاز میں

۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء

مستقبل حجاز

ممکن ہے مہر و مہ نہ رہیں آسمان پر — ممکن نہیں کہ حق نہ ہو جاری زبان پر

وہ فوج جبرئیلؑ تھے جس کی کمان پر — پہلا پڑاؤ اس کا پڑا تھا مسان پر

پنہاں تھی جس میں دیدۂ ہرقل کی خیرگی — وہ تیغ تھی چڑھی ہوئی یثرب کی سان پر

واحسرتا! کہ نصب ہے طاغوت کا علم — اس عہد میں نبیؐ کے قدم کے نشان پر

کس وقت جانے دیکھئے کھنچتا ہے خطِ نسخ — تثلیث کے عروج کی اس داستان پر

کس کو نہیں یہ علم کہ مستقبلِ حجاز — موقوف ہے حجاز کے امن و امان پر

توفیق اس کی دی گئی ابن سعود کو — روشن ہے یہ حقیقتِ کبریٰ جہان پر

محمل کو کر رہا تھا سبکسار یہ سعود — میں جا رہا تھا جدّہ کو جب خیزران پر

اور آخری یہ شعر رقم کر رہا ہوں میں — بیٹھا ہوا شریف علی کے مکان پر

جدہ یکم جنوری ۱۹۲۶ء

ناقہ کا نام جس پر میں جدہ کے سفر میں سوار تھا

محی الملّۃ والدّین کی یادِ عزیز میں

مرا دامن بھرا ہے آج یاقوت و درِ مرجاں سے
نہیں لایا انہیں لیکن میں لعل اور بدخشاں سے

نگہ پگھلا دیا ہے کر دیا ہے دل کو خوں میں نے
نکالے جب کہیں ہیں یہ تو اس معدنِ جاں سے

خدائے پاک بیشک نور ہے سات آسمانوں کا
ان آنکھوں نے مگر اس نور کو دیکھا ہے فاراں سے

چمن پیرائے امکاں گر نہ ذاتِ مصطفےٰ ہوتی
مشامِ جاں معنبر ہو نہ سکتا بوئے عرفاں سے

رسول اللہ کی امت ہے زینت ساری دنیا کی
تمدن کی بھری محفل کی رونق ہے مسلماں سے

ضیائے بزمِ گیتی ملتِ بیضا کے دم سے ہے
فروغِ ملتِ بیضا ہے عثمان علی خاں سے

۴ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

آصف جاہ سابع اور سمرنا

اے کہ دردِ دلِ اسلام سے بیتاب ہے تو — جس کی تعبیر مری زیست ہے وہ خواب ہے تو
بجلی تیری بھی ہے رقص کناں میری طرح — گرچہ میں ذرہ ہوں اور مہرِ جہانتاب ہے تو
ہے کسی قوم کی آخر تجھے تڑپا ہی گئی — کیوں نہ ہو جوشش رگِ دودۂ قُطّاب ہے تو
اے گدازِ جگرِ خستۂ اربابِ نظر — دلِ ملت ہے اگر کعبہ تو میزاب ہے تو
فرض اپنا یونہی عثمان علی خاں پہچان — اے کہ میرے لئے مستغنی از القاب ہے تو

اے سمرنا کی زمیں تجھ پہ خدا کی رحمت — خونِ اسلام کے چھینٹوں سے سیراب ہے تو
ارغواں پاش ترے فیض سے ہے دیدۂ تر — ریزشِ اشک کو سرمایۂ سیماب ہے تو
عرش تھرائے تو کیوں فرش لرز جائے نہ کیوں — آہ تیرا ہ ہے تو گریۂ بیتاب ہے تو
آلِ عثمان کی عزت کی حفاظت کی طرف — کسی تیمور کی غیرت کی عناں تاب ہے تو

تختۂ یوناں کا الٹ کفر کے بیڑے کو ڈبو
جیسے خود خون کے سیلاب میں غرقاب ہے تو

آصف جاہ ہفتم کی مسند نشینی کی تاریخ

عروس بہاراں کی ہے آمد آمد — بصد دلربائی بصد نازنینی

کھلے ہیں ریاحین اقبال و دولت — یہ خوشبو انہیں کی تو ہے بھینی بھینی

مسرت نے وہ رنگ بدلا جہاں کا — کہ زاہد بھی بھولا ہے خلوت گزینی

چھلکنے لگا ہے بلوریں پیالہ — چھلکنے لگی ہے صراحی چینی

لبھانے لگی نکتہ سنجوں کے دل کو — عروس معانی کی ناز آفرینی

اشارہ ہے جس کی نشیلی نظر کا — یہ صہبائے گلگوں تمہیں ہوگی پینی

اُدھر ہے شہنشاہ کی تاجپوشی — اِدھر ہے شہا تیری مسند نشینی

یہ ساعت جسے کہیے جان سعادت — زمانہ سے اقبال نے ہیر کے چھینی

سکھائی ہے تاج دکن کو مقدر — ترے سر نے شاہا غرور آفرینی

قسم ہے تجھے تیری ظل الٰہی کی — ہے فخر سلاطین تیری ہم نشینی

ترے عہد دولت میں ہم کو میسر — ہوئیں برکتیں دنیوی اور دینی

ہوئی مردم چشم دولت کو حاصل — ترے سرمۂ عدل سے دوربینی

جلالت کا مظہر طراز شاہی — عقیدت کی پتلی مری کمترینی
جلوس نظام اور تاریخ میری — کرے گا کوئی اس پہ کیا نکتہ چینی
دکن بلکہ ہندوستاں کی طرف سے
مبارک ہو تم کو یہ مسند نشینی

سنہ ۱۳۲۹ھ

لاہور ۲۴ ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء

حضور نظام کی مساوات پسندی

شب معراج وہ شب ہے کہ کھولے رب اکبر نے — رسولؐ اللہ پر اسرار خلوت گاہ او ادنیٰ
یہ وہ شب ہے کہ پیغمبرؐ کے سر پہ اپنے ہاتھوں سے — خدا نے فخر سے رکھا ہے تاج سطوت کبریٰ
یہ وہ شب ہے کہ روشن کر دیئے چودہ طبق اس نے — تجلی بن گئی اس کی فروغ دیدۂ بینا
یہ وہ شب ہے کہ مسلم کو ملی دنیا بھی اور دیں بھی — وہ تعبیر فتدلیٰ اور یہ تفسیر من الاولیٰ
یہ وہ شب ہے کہ اس کی روشنی سے جگمگا اٹھے — در و بام و رواق و طاق قصر ملت بیضا
اسی دن مکہ مسجد میں جب اگلے دن نظام آئے — تو قدسی پکار اٹھے کہ سبحان الذی اسریٰ
فضا کو چیرتی نکلی جب ان کی برق پاموٹر — تو نقشہ کھنچ گیا اسلام کے سیلاب اعظم کا

غبار راہ کیا تھا کہکشاں کی جلوہ ریزی تھی — گلی کوچوں پہ ہوتا تھا گماں سینہ سینا

نظام الملک آصف جاہ مسجد میں ہوئے داخل — تو جھرمٹ میں ستاروں کے نظر لوگوں کو چاند آیا

ندیموں نے ابھی ایسی تھی نہیں آداب شاہی کی — کمر میں باندھنا چاہا ادب کی راہ سے پٹکا

وہ رمز آموز دیں جو حامیٔ شرع پیمبر ہے — کلام اللہ کی آیات کا ست کھینچ کر بولا

یہ گھر اللہ کا ہے جس میں ہم تم سب برابر ہیں — یہ وہ دربار ہے جس میں گدا ہے شاہ کا ہمتا

کسی کو گر کسی پہ کچھ فضیلت ہے تو اتنی ہے — کہ عِندَ اللہِ اَکرَمُ ہیں وہی جو ہم میں ہیں اتقیٰ

اسی معبود برحق کو یہاں تعظیم کا حق ہے — خداوندان عالم کا یہاں سکہ نہیں چلتا

سنا جب ان حقائق کو تو مسلم وجد میں آئے

وَصَلَّی اللہُ عَلیٰ نُورٍ کزو شد نورہا پیدا

رجب ۳۳ھ

اعلیحضرت میر عثمان علی خاں کی شریعت نوازی

میں زمیں سے اڑتے اڑتے آسمان پہ آگیا
حضرت شاہ دکن کے آستان پر آگیا

ماہ نو کرتا ہے جھک کر جنکو گردوں سے سلام
جن سے قائم ہے مسلمانوں کی دولت کا نظام

دل مسخر کر لئے ہیں جنکے لطف عام نے
گردنیں سب کی جھکی جاتی ہیں جن کے سامنے

جادہ نشناسوں کی تادیب انکے دم ہی سے تو ہے
ملت بیضا کا نقش انکے قدم ہی سے تو ہے

کس قدر ہم پر ہے حق اس شاہ حق آگاہ کا
جو سبق ہم کو پڑھائے والسُّبحانَ اللہ کا

حب ۱۳۳۶ھ

نذر عقیدت بحضور آصف ہفتم تاجدار دکن

شاہ اسلام کے دربار میں دس سال کے بعد
لعل لایا ہوں نہ یاقوت و گہر لایا ہوں

لعل و یاقوت و گہر کی نہیں اس گھر میں کمی
نذر کے واسطے میں خون جگر لایا ہوں

میر عثمان علی خاں کی محبت والا
اک دل تھا سو اسی جذبہ سے بھر لایا ہوں

عزت ملت بیضا کی حفاظت کے لئے
اک اشارہ پہ جو کٹ جائے وہ سر لایا ہوں

خیل باطل کے مکاید کی ہزیمت کیلئے
حق پرستوں کی دعاؤں کا اثر لایا ہوں

مرتعش جس سے ہوئے تھے کبھی بدر و حنین
وہی پیغام میں بے خوف و خطر لایا ہوں

ماہیت بال ہما کیا اُسے جس کی خاطر
بال جبریل امیں کا میں چھو کر لایا ہوں

وہ دکن جس پہ ہیں سو جاں سے مسلماں قرباں
اُس کی آزادیٔ کامل کی خبر لایا ہوں

۱۹۳۱ء

میر عثمان علی خاں

ذکر آتا ہے جو عثمان علی خان تیرا
نام لیتے ہیں محبت سے مسلمان تیرا

ہے یہی رشتہ جسے کہتے ہیں تائیدِ خدا
ہاتھ دولت کا ہے اور گوشۂ داماں تیرا

جان سو بار چلی جائے مگر آن نہ جائے
اس قدر پختہ ہے اسلام پہ ایمان تیرا

زندۂ یثرب کی روایات تیری ذات سے ہیں
بھول سکتی نہیں ملت کبھی احسان تیرا

بادشاہی میں فقیرانہ روش جس کی
ان کی فہرست کا دیباچہ میں عنوان تیرا

تیرے خرقہ میں لگے دیکھے ہیں نئے پیوند
گرچہ جم سے نہیں کم کچھ بھی ہے سامان تیرا

تیری دہلیز کو یہ مہر سزاوار نہیں
تجھ کو شایاں ہے کہ انگریز ہو دربان تیرا

پاسباں جبکہ ہے اسلام کے ناموس کا تو
کس لئے پھر نہ ہو اللہ نگہبان تیرا

---

۲۹ اگست ۱۹۲۹ء

آصفجاہ ہفتم کی یادیں

دھلا نہیں ہے گل و لالہ کا غبار ابھی
برس کچھ اور بھی ابر آئے تو بہار ابھی

زبانِ حال سے کہتا ہے قصرِ زار ابھی
ہیں عنکبوت کے گھر میں بہت سے تار ابھی

نہ ہمسرگی ہی باقی رہے نہ رو بیناف
مٹے گئیں یورپ کے [illegible] نادار ابھی

کیا جنہوں نے محمد کے نام کو رسوا
وہ ہونے والے ہیں خود بھی ذلیل و خوار ابھی

بدل چکا ہے بدلتا ہے اور بدلے گا
بہت سے رنگ یہ چرخ ستیزہ کار ابھی

عجب نہیں کہ بیدار ہونے والا ہے
نئی ادا سے کوئی فتنۂ تتار ابھی

نقاب الٹ کے تجلی دکھانے والا ہو
سوادِ مشرقِ وسطیٰ کا شہسوار ابھی

بہار سر پہ ہے اے بخیۂ جنوں پھر کیوں
کیا نہ تو نے گریباں کو تار تار ابھی

نہیں کرشمۂ ساقی کی اس میں کچھ تقصیر
کچھ اہلِ بزم جو بیٹھے ہیں ہوشیار ابھی

نگاہِ ناز سے کیا شکوہ بوالہوس کو اگر
نہیں ہوا یہ ناوک جگر کے پار ابھی

ہے اس پہ چیت جو کہلائے مصطفیٰ کا غلام
گمنہ خلافت پہ ہوشیار ابھی

اگرچہ جنگ سے انگریز بھی چراتے ہیں
نہیں ہے صلح کا لیکن کچھ اعتبار ابھی

کہاں سے امن ہو قائم کہ لارڈ کرزن پہ — نہیں ہوئی ہے حقیقت یہ آشکار ابھی

کہ بغداد کو جھک کر کیا تھا جس نے دو نیم — نہیں گری ہے وہ شمشیر آبدار ابھی

کمی نہیں اسداللہیوں کی دنیا میں — اور ان کی تیغ ہے ہمرنگ ذوالفقار ابھی

زمانہ جس کی تجلی سے جگمگا اٹھا — ہے جلوہ ریز وہ خورشید زرنگار ابھی

محمدؐ عربی کے جلال کا پرتو — ہے شکل غازی اعظم سے آشکار ابھی

جناب حضرت عبدالمجید خاں کیلئے — کھنچا ہوا ہے وہ افق ربا حصار ابھی

ہے محاصرہ کفر سے چھڑانے کو — پڑا ہے لشکر اسلام بے شمار ابھی

خدا بھی زندہ ہے اس کا کلام بھی زندہ — اساس سطوت کبریٰ ہے استوار ابھی

حیات وابستہ شہادت کے ساتھ ملتی ہے — فنا کی امت بقا کی ہے رازدار ابھی

دکن کے باغ میں چھائی ہوئی تھی خاموشی — سنا ہے میں نے نغمۂ ہزار ابھی

یہ نغمہ موسم گل کی کہیں نہ ہو تمہید — میرے قفس کی فضا کو ہے جس سے پیار ابھی

خدا کا سایہ ہے سر پہ ترے آصف ہفتم — کہ تو ہے ہند میں ملت کا افتخار ابھی

چھپا اس کی شہ بال تیرے راز نور درون — ہے جس سے سینۂ اسلام داغدار ابھی

؎ یہ کہہ رہی ہے پلٹ کر نگاہ یار ابھی — زمانہ اور بھی بدلے گا اک بار ابھی

(میر عثمان علی خاں)

ہے یہ بھی رحمت پروردگار عالمیاں! — کہ ہیں زمانہ میں تجھ جیسے تاجدار ابھی
ہیں تر زبان تری تعریف میں ضرور انگریز — دبائے بیٹھے ہیں ظالم مگر دیار ابھی

دکن بھی دولت کابل کی طرح ہو آزاد
بڑھے کچھ اور بھی اسلام کا وقار ابھی

نظام دولت آصفیہ اپنے مرکز پر!

خبر آئی ہے کہ دہلی میں نظام آتا ہے — فصل گل کا چمنستان کو پیام آتا ہے
جس کے اک جرعہ میں چھلکے دو جہاں بیش — میکشو مژدہ کہ جم لیکے وہ جام آتا ہے
مسند دولت و اقبال کو خالی کر دو — آج محفل میں محمد ﷺ کا غلام آتا ہے
اس پہ سو جان سے مسلمان نہ کیوں ہو قرباں — کہ وہ ہر وقت میں اسلام کے کام آتا ہے
چاند جھکتا ہے بصد عجز سلامی کیلئے — میر عثمان علی خاں کا جو نام آتا ہے

دیکھنا یہ ہے کہ خورشید جہاں انگلیس
پیشوائی کے لئے کب لب بام آتا ہے

۷ نومبر ۱۹۲۸ء

ترانۂ تہنیت عید صیام

بملازمان آصف جاہ ہفتم تاجدار دکن

عجم کا فخر تو ہے نازشِ ہندوستاں تو ہے
ہمارے مشرقی خمخانہ کی مہرِ نشاں تو ہے

سریر آرائے دہلی ہے ابھی تک ملت بیضا
کہ اب تک یادگارِ دولتِ شاہ جہاں تو ہے

ابھی تک تازہ ہے افسانۂ عالمگیر اعظم کا
اور اس افسانۂ رنگیں کی سرخی بیگمیاں تو ہے

ودیعت تیری فطرت میں ہوئی گنجینۂ افشانی
گہر خیزی میں دریا ہے تو زرریزی میں کاں تو ہے

کبھی چھایا فلسطیں پہ کبھی برسا سمرنا میں
وہ نیساں کرم تو ہے وہ ابرِ دُرفشاں تو ہے

تجھے دیکھا تو گویا دیکھ لی رحمت پیمبرؐ کی
خدا ہو مہرباں تجھ پہ کہ ہم پر مہرباں تو ہے

جز اک اللہ رونق تجھ سے قائم ہے شریعت کی
حماک اللہ ناموسِ نبیؐ کا پاسباں تو ہے

نہ سنگِ راہ کا کھٹکا نہ خوف دوریٔ منزل
ہیں بے غم قافلے والے کہ میرِ کارواں تو ہے

مبارک ہو یہ عید اے خسروِ گردوں حشم تجھ کو
مسلماں ہیں اگر انجم تو ماہِ آسماں تو ہے

نگاہیں ڈھونڈتی ہیں تجھ کو اور تیری نوازش کو
خدا وہ دن کرے ہم بھی وہاں پہنچیں جہاں تو ہے

پہ اڑ آجائے قبضہ میں وہاں بھی ہو تری شاہی
دکن کا جس طرح اس وقت عثماں حکمراں تو ہے

دہلی میں تاجدار دکن کی آمد آمد

کبھی المانیہ تھا جنکے پشتینی حریفوں میں
دکن اس وقت تک ہے انکے تاریخی حلیفوں میں

اگر آڑے نہ آتی ہمت آصفجاہ ہفتم کی
قوی جنکے ہیں بازو جا ملے ہوتے ضعیفوں میں

مگر یا للعجب! جب ساعت آئی حق شناسی کی
مٹا حق کا نشاں منت گزاری کے صحیفوں میں

یکایک ہز مجسٹی بن گئے نیپال کے راجہ
اور اس پر تجلیاں بھی دی گئیں انکو وظیفوں میں

دکن نے اپنا حق مانگا تو لندن سے جواب آیا
کہ احساں کی جزا احسان نہیں ہوتی شریفوں میں

مدد دیتا ہے جو انگریز کو مٹی ہے خوار اس کی
یہ نکتہ آپ کو میں نے سمجھایا ہے لطیفوں میں

نواسنجان دہلی کو صلائے عام دیتا ہوں
کہ داد فکر دیں ان قافیوں میں ان ردیفوں میں

لاہور
۲۵ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مژدۂ بہار

بہار مژدہ یہ لے کر دکن میں آئی ہے
کہ پھر وہ گھومتی پھرتی چمن میں آئی ہے

گھٹا مدینہ سے پھر اٹھ رہی ہے رحمت کی
برس برس کے ہمارے وطن میں آئی ہے

وہ شمع حق جو کبھی زینتِ شبستاں تھی
چھلکانے کے لئے پھر انجمن میں آئی ہے

وہ موج لائی ہے موتی جو سات دریا کے
جناب آصف ہفتم کے من میں آئی ہے

زباں پہ نام تمہارا ہی آگیا ہوگا
وگرنہ کیوں یہ حلاوت سخن میں آئی ہے

گرہ پڑی ہے پھر اسلام تیرے ابرو میں
قیامت آج پھر اس کے شکن میں آئی ہے

بلاکشانِ ازل مژدہ ہو کہ گردنِ حق
پھر آج حصۂ دار و رسن میں آئی ہے

وفا کی شان ہماری روش سے پیدا تھی
جفا کی آن تمہارے چلن میں آئی ہے

جناب مالوی و لاجپت کی شان جلال
بدل کے روپ نیا سنگھٹن میں آئی ہے

معاملہ ہے مرے خامہ کو فضا میں سے
صبا حدیقۂ سمر . دشمن میں آئی ہے

۵ مارچ ۱۹۲۵ء

خیابانِ فارس

اشاعت خیابان فارس جسکو اعلیحضرت خسرو دکن نے شرف منظوری عطا فرما کر دو ہزار سالانہ
روپے کی رقم [illegible] عطا فرمائی۔

میں آتا ہوں پھر شاہ کے آستاں پر
بصد شوق ہوتا ہوں جبہ فرسا

میں پھر اپنی قسمت پہ ہوتا ہوں نازاں
کہ ہوتا ہے پھر بخت بیدار میرا

میں پھر کھٹکھٹاتا ہوں باب اجابت
اثر رہنما بن گیا ہے دعا کا

تصدق ہے امید کے پھر آرزو پر
پھر اترائی پھرتی ہے میری تمنا

دل میں یہ پھول جو سبزہ ہوں [illegible]
نگہباں ہو جب شاہ [illegible] کا

ہوئیں نعمتیں ساری دنیا کی حاصل
ہمیں تیرے عہد ہمایوں میں شاہا

ملی تجھ سے توقیر عز و شرف کی
ترے ہم ہیں خادم تو آقا ہمارا

وفا اور عقیدت ہے آئیں ہمارا
کرم اور احسان شیوہ ہے تیرا

تجھے تاجداری دکن کی مبارک
دکن کو مبارک ہو سردار تجھ سا

اجازت اگر پیر و مرشد کی پائے
ادب سے ہو کچھ [illegible] عرض میرا

کتاب خیابان فارس کی نسبت — یہ فرمان حضرت کا صادر ہوا تھا
کہ حضرت کا نام مسیح و مبارک — کرے کمترین زیب عنوان اس کا
بجا لاؤں میں شکر اس احساں کا کیسے — بیاں شہ کے اس لطف کا میں کروں کیا
گھٹایا میری کم مایگی کو اس نے — مرے حوصلہ ہمت کو اس نے بڑھایا
کیا مجھ کو گستاخ شہ کے کرم نے — میں اب اور کچھ مانگنے کو ہوں آیا
اب اس کمترین کی یہی آرزو ہے — خیابان فارس کا ہو طبع نسخہ
ضخامت مگر مقتضی ہوگی اس کی — کہ جائے لیے چار جلدوں میں چھاپا
کم از کم ہیں ہر جلد میں چھ سو صفحے — تصاویر سے جسم پر کچھ بڑھے گا!
پڑے گی ہر اک جلد نو سو روپے میں — ہیں القصہ اس کے مصارف زیادہ
ہے تیار رکھی ہوئی جلد پہلی — اشاعت میں ہے اب فقط زر کا وقفہ
مگر جس کی تنخواہ دو سو روپے ہو — وہ انجام دے کس طرح کام ایسا
کہ جس پر ہزاروں کی آتی ہو لاگت — یہ ہے چاہیے اہل ثروت کو کرنا!
میں اس مفلسی کا ہوا مستعین [illegible] — ارادت پہ جس نے کیا یہ تقاضا
کہ آصف کی درگاہ کیوان نشاں ہیں — مجھے [illegible] طرح [illegible]!
پہنچ کر وہاں کچھ تعجب نہیں ہے — [illegible]
مدد گر میں غیروں سے مانگوں [illegible] — اعانت [illegible] کام ایسا

مگر کھا کے شہ کا نمک دوسروں سے — کروں استعانت یہ مجھ سے نہ ہوگا
غلامانِ درگاہِ شاہی سے مجھ کو — اگر مرحمت ہو چھپائی کا خرچہ
تو اردو کے زیور سے آراستہ ہو — وہ نسخہ کہ ہے یادگارِ زمانہ !!!
کفِ جود و ایثارِ شاہِ دکن سے — جسے چاہیے ابرِ آذار کہنا !

یقین مجھ کو واثق ہے امید کامل
کہ جو میں نے مانگا ہے مجھ کو ملے گا

اپریل ۱۹۰۲ء

قصیدہ

بحضور مہر سپہر جہانداری و صدر صفۂ تاجداری سرتاج خانوادۂ نواب سلطان جہاں بیگم جی سی آئی ای والیہ بھوپال دام اقبالہا۔
یہ قصیدہ ۲۴؍۱۱ اکتوبر ۱۹۰۰ء کی صبح کو حضور ممدوحہ کے سامنے پڑھا گیا۔

جلوہ افروزِ جہاں ہے تری دولت کا جمال — اس جمالِ نظر آرا پہ ہو نازاں بھوپال
ہفت اقلیم کا چہرہ ہے اگر کشورِ ہند — تو بلا شبہ ہے اس روئے دلآرام کا خال
گلشنِ خوبی کو تری غازۂ رو سے مقصود — کحلِ رونق کو تری سرمۂ چشمِ آمال

دیجیے اک گلشنِ جاں بخش سے تشبیہ تجھے — آئی ہوگی نظر آفاق میں کم جس کی مثال

سرو و شمشاد ہیں جس باغ کے علم و دانش — جس چمن کے سمن و لالہ ہیں فضل اور کمال

سبزہ و گل کو جہاں جود و کرم کہتے ہیں — لطف و احسان ہیں جہاں بادِ صبا اور شمال

مدرسے ہیں ترے آباد مساجد معمور — دین و دنیا کی ترقی پہ روش ہے تری دال

یہ تو سب کچھ ہے مگر ہے تجھے اسکی بھی خبر — کس کا شرمندۂ احساں ہے ترا جاہ و جلال

کس کی انگشت کی زینت ہوئی خاتم تیری — کون ہے جس نے جڑا اس میں نگینِ اقبال

کون ہے جس کی بدولت نظر آیا تسم کو — کہ ہوا روکشِ کلکتہ و پیرس بھوپال

وہ فلک قدر ہے اس بزم کی وجہِ رونق — جس کے اقبال کے سورج کو نہیں خوفِ زوال

وہ بہارِ صدرِ چمن بند ہے اس گلشن کا — نہیں پامالِ خزاں جس کے گلستاں کے نہال

کوکبِ تاجِ جہانبانی و عالی نسبی — صاحبِ تاج و نگیں آصفِ امرا ذی بال

عہدِ فرخندۂ سلطان جہاں بیگم میں — ہے سرافراز اگر عیش تو غم ہے پامال

اے ہماری ملکہ سایۂ خدا کا تجھ پہ ہما — رحمتیں خاص خدا کی ہوں ترے شاملِ حال

ذاتِ اطہر ہے تری مظہرِ شانِ عظمت — نامِ اقدس ہے ترا مصدرِ آنِ اجلال

دانش آموزِ قضا ہے ترا حکمِ محکم — بینش افروزِ خرد ہے تری عقلِ فعال

بسکہ خورشید نشاں ہے تری شان و شوکت — نہیں منت کشِ پرکار کشائی خیال

جی سی ایس آئی کو سمجھیں گے بصیرت والے — تیرے القاب کی تفصیل کا ادنیٰ اجمال

قدردانی ہے تری شہرۂ اطراف جہاں
آستانہ ہے ترا کعبۂ ارباب کمال

میرا پرواز سخن ناسخ نطق اقراں
تیرا انداز کرم ماحیٔ آئین سوال

بھرے جائیں گے مرے منہ میں ضرور آج گوہر
گھر میں رانی کے نہیں موتیوں کا ہرگز کال

نکتہ چیں ہوتے ہیں جو ہند کی خاتونوں پر
نہیں رکھتے مگر وہ پیش نظر تیری مثال

ملک اور قوم پہ احسان ہیں بے حد تیرے
ہو زباں تیری ثنا گر نہیں اس کی یہ مجال

یہ تو عقل و خرد سے تیری محفل روشن
دولت فضل و ہنر سے ترا گھر مالا مال

تو نے تعلیم کی ڈالی ہے بنائے محکم
تجھ کو ہے طبقۂ نسواں کی ترقی کا خیال

مائیں تعلیم کے زیور سے اگر عاری ہیں
تربیت پا نہیں سکتے کبھی اچھی اطفال

فلسفہ دان ہوگا زمانہ کوئی دن جاتا ہے
ایسی ماؤں کا نہیں دودھ بھی بچوں کو حلال

مرد لیکن یہ اگر چاہیں کہ نسواں کو پڑھائیں
این خیال است و جنون است محال است و محال

مسئلہ مشکل و پیچیدہ ہے یہ کچھ ایسا ہے
کر سکے گی اسے حل تیری ہی عقل جلال

صد و سی سال تک ہے ملک پہ سایہ تیرا
ہوں ترے تابع فرماں شب و روز و مہ و سال

دکن کا قومی ترانہ

جلی محفل جاں ہیں شمع شعور ۔ ہُوا جس سے پیدا ارادت کا نور
دکن بن گیا غیرت اوج طور! ہُوا سایۂ حق کا جس پہ ظہور

سلامت رہیں بندگان حضور

فلک پایہ ہے آستان حضور ہے لطف خدا سائبان حضور
سکندر سے ملتی ہے آن حضور نہیں بلکہ بڑھ کر ہے شان حضور
نوا سنج ہیں مدح خوان حضور کہ پامال ہوں دشمنان حضور

سلامت رہیں بندگان حضور

پڑا شمس کا ماند سارا نظام ہُوا جلوہ گر جب ہمارا نظام
رعایا کی آنکھوں کا تارا نظام ہمیں دل سے اور جان سے پیارا نظام
سکندر نظام اور دارا نظام غرض خسروی کا سہارا نظام

سلامت رہیں بندگان حضور

خدا نے دیا ہم کو وہ تاجدار کرم اور شفقت ہے جس کا شعار

ہوا اُس سے قائم ہمارا وقار ۔ وہ آیا تو آئی چمن میں بہار
رعایا ہے سو جان سے اس پہ نثار ۔ نکلتی ہے دل سے دعا بار بار

سلامت رہیں بندگان حضور

یہ سچ ہے حاصل دوستانِ دکن ۔ کہ آصف ہے صاحب قرانِ دکن
ہوئے جب سے تم حکمرانِ دکن ۔ دوبالا ہوئی عز و شانِ دکن
دکن جسم ہے تم ہو جانِ دکن ۔ نہیں بلکہ روحِ روانِ دکن

سلامت رہیں بندگان حضور

ترے عدل کی گرم بازاریاں ۔ مٹا دیں گی ساری جفا کاریاں
ترے ہاتھ سے زکیں گہر باریاں ۔ تو دامن کو پیش آئیں دشواریاں
کریں گی ہماری وفاداریاں ۔ ترے قصرِ دولت پہ گل کاریاں

سلامت رہیں بندگان حضور

حقیقت ہے آئینہ دار حجاز ۔ خدا کی طرح تم بھی ہو بے نیاز
گریبے نیازی پہ ہو کارساز ۔ لقب ہے تمہارا رعایا نواز
ہمیں ہے تمہاری حکومت پہ ناز ۔ اگر تم ہو محمود ہم ہیں ایاز

سلامت رہیں بندگان حضور

یہ بزم جہاں جب تک آباد ہو ۔ شہا تو ہو اور حیدرآباد ہو

نئی شان اگر کوئی ایجاد ہو تری شوکت و فر پہ ایزاد ہو
قضا کا ترے سکّہ پہ صاد ہو بقا تیری دولت کی ہمزاد ہو!
سلامت رہیں بندگانِ حضور

میکدۂ دکن

عمر حیات ہوئے یا علی امام ہوئے سب اُس کی نرگسِ مستانہ کے غلام ہوئے
علی امام پئیں اور ہیسفرڈ پلائیں دکن کے میکدہ میں یہ بلورہ جام ہوئے

بہار ہے چمنِ مصطفیٰ کی عثمانی کہ ان کے خون سے گلرنگ روم و شام ہوئے
ہوئے وہ قدس میں جو بیگانۂ حرم کے بچے ہمارے قتل کے کیا کیا نہ اہتمام ہوئے

ہماری آنکھ میں نور آئے کیوں نہ آپ سے آپ
کہ شمعِ محفلِ حیدرآباد سے نظام ہوئے

۱ جون ۱۹۲۰

تقریب سی و چہارم سالگرہ

اعلیٰ حضرت حضور نظام بہ تتبع ذوق دہلوی

مئے عرفان سے جب تک روح کا لبریز ساغر ہو ‌ ‌ طراز صفحۂ توحید تا اللہ اکبر ہو

یم الہام میں کشتیٔ ملت آن تا شناور ہو ‌ ‌ کف ایمان میں جب تک گوہر دین پیمبر ہو

الٰہی سایۂ آصف جاہ کا ہم سب کے سر پر ہو

وفا پرور ہوں ہم سب بندہ وہ بندہ پرور ہو

ہے طرۂ تاج گلستاں تیری شوکت حشمت ‌ ‌ ہے وجہ افتخار ہند تیری دولت و طاقت

معین دین پیغمبر ہے تیری صولت و شوکت ‌ ‌ نہیں گردوں فرازوں کو تری نسبت سے کچھ نسبت

(حاشیہ: ہے طرۂ تاج انگلستان کا تیری شوکت ہے)

~~نہیں ہے جا اگر جمشید جہاں تیرے در پر ہو~~ نہیں بے جا اگر جمشید دربان تیرے در پر ہو

سکندر بس یہ کہتے ہیں ترا ادنیٰ سا چاکر ہو

کرے طے دوربین تجدد فضا کا مرحلہ جب تک ‌ ‌ ہو فضائے جہاں کا خوردبیں تجزیہ جب تک

(حاشیہ: تجزیہ)

نئے انداز دکھلائے عروس تجربہ جب تک ‌ ‌ رہے دنیا میں علم و فن کا باقی شغلہ جب تک

ترے علم و ہنر کی قدر ہو فیض گستر ہو ‌ ‌ ترا طفل دبستاں شاہ افلاطون و ہومر ہو

رہے جب تک تمدن سایہ افگن نوعِ انساں پر — ہو جب تک لمعہ افگن پرتوِ تہذیب دوراں پر

فضا جب تک رہے باغِ ترقی کی خیاباں پر — زمیں کے ذرہ کا ہو پاؤں ناگہ و دن گرداں پر

مبارک بادشاہا تجھ کو یہ اورنگ و افسر ہو

دکن تیرے زماں میں خال رشکِ ہفت کشور ہو

رہے جب تک آسماں پہ برق خاطف میں درخشانی — ہے جب تک ابر کا زہرہ گرج سے رعد کے پانی

پہاڑوں میں رہے جب تک زلزلہ اور آتش فشانی — رہے جب تک بحر میں طوفان اور دریا میں طغیانی

ترا دشمن وطن آفات کے صدمہ سے جانبر ہو

بچے ان سے تو اس کا ستری تیغ دو پیکر ہو

گماں ہو نرگسِ شہلا پہ جب تک چشم فتاں کا — مشابہ سنبل رعنا ہو جب تک زلفِ پیچاں کا

حمائل ہو برخ دلدار جب تک ماہ تاباں کا — قدِ جاناں پہ ہو اطلاق جب تک سروِ بستاں کا

عروسِ طبعِ روشن تیری رشکِ مہر انور ہو

حسینانِ معانی میں نہ اس کا کوئی ہمسر ہو

رہے جب تک مرتب چرخِ پیر بزمِ مہ و پرویں — ہو جب تک غازہ چہرۂ گلشن بہارِ لالہ و گل و نسریں

رخِ دلدار پہ بل کھاتے جب تک گیسوئے مشکیں — ہو جب تک دخترِ رز کے لئے نقدِ خرد کابیں

تری نخل مراد آباد اور تیرا گلشن ثمرور ہو

ترا ساقی رہے قائم نہ خالی تیرا ساغر ہو

بہاراں دل میں جبتک جوش ہو جبتک جوانی میں — تعشق میں نیاز اور ناز ہو تا دلستانی میں
دل و دیدہ کی وہ حالت ہو تا سوز نہانی میں — ہوں جیسے مچھلیاں خشکی میں اور آہو ہوں پانی میں

تمنا ہے تصدق سب سراپا بادشہ پہ ہو
فدا اللہ پر کہیں دل ہو کہیں جان ہو کہیں سر ہو

گل افشاں باغباں ہو کا یہ جبتک نسبت گلشن — رہے تعبیہ انجم سے یہ گردوں کا دامن
زمیں میں نقرہ و زر کا رہے موجود تا معدن — در و مرجان کا جبتک بحر میں قائم رہے مخزن

ترے فیض و کرم کا شہرہ کان لعل و گوہر ہو
ترے جود و سخا کا قطرہ بحر قلزم سا سمندر ہو

نہ کیونکر ناز ہو شاہا ہمیں تیری حکومت پر — کہ آسکتا ہے حرف ایسے تدبر اور سیاست پہ
ہے تیری سلطنت مبنی اصول عدل و نصفت پہ — کہ بخوبی ہے رعیت کو ترے لطف و عنایت پہ

قصیدہ در مدح آصف جاہ سادس

کیوں نظر آ رہا ہے آج رنگ چمن کھلا ہوا
کس لئے ہے بلبلوں میں آج جوش ولولہ بھرا ہوا

کون ہے جس کے واسطے چشم براہ خلق ہے
کون ہے جس کا انتظار حوصلہ آزما ہوا

کون ہے جس کا شیدا بنا کیا ہے ہر ایک دل
کس کے لئے نگاہ کا دامن فرش پا ہوا

نقد مراد دست میں آج ہم آئے ہیں کس نے کس کو نذر
کس پہ نثار ہونے کو حوصلہ ہے تلا ہوا

آئے وہ کس کے تاجدار باغ میں آگئی بہار
شکر خدا کہ کردگار نخل امل ہرا ہوا

اور سر فرو ہوا وہ کن زندہ تیرے زمانہ میں
تو نے جلا دیا وہ چمن غنچہ پہ جو تھا چھپا ہوا

پہلے جہاں تھے خار زار لالہ و گل وہاں ہیں اب
پہلے جو دشت تھا ہے اب صحن چمن بنا ہوا

کہئے تجھے دور ہما نیک ہے تو خجستہ فال
جس نے نہیں بتا دیا راستہ گم کیا ہوا

آصف آسماں جناب سے نہیں ہمکو تنسلب
بلکہ قمر میں آفتاب ذرہ تا [illegible] ہوا

لاکھوں کروڑوں جان نثار ہیں تیرے گرد حلقہ زن
ہر طرف ستاروں سے ہو جیسے قمر گھرا ہوا

اس کو بھی کیا نصیب تھی تیری سی شان خسروی
نام تو جم کا قصوں میں اپنا بھی ہے سنا ہوا

تیرا وہ سینہ شہا جام جہاں نما کہیں
خلق کی حالتوں کا حال جس سے نہیں چھپا ہوا

تیری نظر وہ کیمیا ہے جسے ڈھونڈتے ہیں ہم
اٹھی ادھر نگہ تیری بخت ادھر رسا ہوا

کیوں نہ غرض کے نقطے بنے اپنی لغات [illegible]
فضل خدا سے ہے بہت ہم کو ترا دیا ہوا

اڑ گئے بھر کے دھوئیں ہو گیا ابر آب آب
جلوہ فردوس جب کرم بادشہا ترا ہوا

(سبحان اللہ)

ان کو دماغ نکہت نسترن و سمن کہاں
جن کے لئے حضور کا لطف شمیم سا ہوا

جب تک اٹھیں اور دعا میں ہو معاملہ ہے
چشم تیری پھری ہوئی رنگ تیرا جا ہوا

صفحۂ دہر پہ تیرے دشمن بد نہاد کا
حرف غلط کی طرح سے نام ہے مٹا ہوا

فروری سنہ ۱۹۰۳ء

آصف جاہ ہفتم اور جامعۂ اسلامیہ علیگڈھ

پس از سی روزہ عید آمد تعالی اللہ چہ عیدے ‖ کہ عشرت را کلید ہست و دولت را نویدے

ہمانا شاہدے باشد ملیح و چابک و رعنا ‖ کہ در بر عالمش در حالت مستی کشیدے

غلط بود اگر نامیدمش آں قطرۂ شبنم ‖ کہ در ایام گل وقت سحر از گل چکیدے

بمسند میر عثمان علی جلوہ آرا شد ‖ جہانتاب آفتابے در دکن دیگر دمیدے

نظام الملک آصف جاہ ہفتم سایۂ یزداں ‖ کہ لیلش لیلة القدر است و روزش روز عیدے

گہرپاش است و زرپاش است ابر بہمن ‖ بعہد جود او رنگ از رخ حاجت پریدے

نگاہش گر بہ یونیورسٹی افتد عجب نہ بود

کہ وقت چارہ گیری زر ز شاہنشہ رسیدے

بتقریب مراجعت اعلیحضرت آصفجاہ سادس از دہلی

اس قدر فکر کے دریا میں ہے کیوں طغیانی
کیوں ہے سیلاب مضامیں میں یہ بے پایانی

کس لئے شہپر اندیشہ ہے اس درجہ بلند
توسن وہم میں اس درجہ ہے کیوں جولانی

جوہر طبع کے آگے ہے ثریا کیوں ماند
پھیرتا آب سخن نور پہ ہے کیوں پانی

نثر انجم یہ ہے کس واسطے بیل حشمت کن
گوہر نظم میں اس درجہ ہے کیوں غلطانی

عقل سے مسئلہ جس وقت یہ پوچھا میں نے
بولی اے غوطہ زن لجۂ سرگردانی

آج دہلی سے پلٹتا ہے دکن کو وہ شاہ
جو کہ دولت میں ہے جمشید و فریدوں ثانی

ہے شجاعت میں جو یکتا ہے تہور میں جو فرد
شیر کا زہرہ مقابل میں ہے جس کے پانی

سچی عظمت کا دیا تحفہ خدا نے جس کو
جس پہ ہے سایۂ ظل موہبت یزدانی

طبع وقاد ہے جس کی ہے رزیں جس کی رائے
جس کی ہمت کی بلندی ہے فلک نے مانی

غیر ممدوح نہ گر مل کے کریں صبح و مسا
اس کی درگاہ پہ اسکندر و جم دربانی

آج اس خسرو ذیشاں کی ہے آمد آمد
جو کہ ہے مہبط فضل و کرم ربانی

موجزن ایک فقط تجھ ہی میں یہ جوش نہیں
مطلع دہر اسی واسطے ہے نورانی

ہز امپیریل مجسٹی اور ہز مجسٹی

اے شہنشاہ آفتاب رکاب | اے جہاندار آسماں درگاہ
آصف مدظلہ العالی | جس پہ نازاں ہے مسند اور کلاہ
جو کہ چشم و چراغ مشرق ہے | جس پہ دنیا کی پڑ رہی ہے نگاہ
وہ تجھے وجہ قوت بازو | تو اسے موجب فزونی جاہ
ایک سورج تو دوسرا ہے چاند | چرخ دولت کے تم ہو مہر اور ماہ
ہے یہ تیری دلیل رفعت شاں | کہ شہنشاہ تو ہو وہ ہو شاہ
چال وہ چل شہنشاہا کہ بڑھے | یورپ اور ایشیا میں رسم و راہ
چوم لے ایشیا قدم تیرے | دیں تجھے ہم دعائیں شام و پگاہ

تو ہز امپیریل مجسٹی ہے
ہز مجسٹی نہ کیوں ہو آصف جاہ

---

۲۲ ستمبر ۱۹۱۱ء

آموں کا شکریہ

بھیجے ہیں مجھ کو آم جلالت مآب نے
ذرّے کو سرفراز کیا آفتاب نے

ساقی ہے بادشاہ گدا سے ہے قدح بدست
کچھ آج ہی تو لطف دیا ہے شراب نے

غالب سے میں نے عالم اشراق میں کہا
تعریف کی ہے آم کی اچھی جناب نے

کثرت ہو اور مٹھاس ہی گر وصف آم کا
اس وصف میں تو نام اچھالا ہے راب نے

پھر کیوں نہ شیرہ پیجیے اور رس ہی کھائیے
جس کے منوں بہائے ہیں کولھو کی داب نے

کہنے لگے سمجھتے ہیں کیا آپ آم اسے
ترکیب جس کو دی ہو نبات اور گلاب نے

میں نے کہا ہے آم وہی جو لطیف ہوں
چھانٹا ہو ان کو پھر نظر انتخاب نے

اور انتخاب بھی ہو حضور نظام کا
شرما دیا ہے چاند کو جن کی رکاب نے

کھائی ہیں میں نے قاشیں ان آموں کی کاٹ کے
پالا تھا شہد ناب کو کوثر کے آب نے

یہ آم وہ ہیں جن کی لطافت مذاق میں
گھولی ہے حور عین کے دہن کے لعاب نے

حسرت سے میرزا نے یہ میرا بیاں سنا
خاموش کر دیا انہیں میرے جواب نے

۱۷ جون ۱۹۲۰ء

سفینۂ امت

خزاں رسیدہ چمن کو طیور زمزمہ سنج — نوید آمدِ فصلِ بہار دیتے ہیں
زمانہ قید کا برطانیہ کے زندانی — مصیبتوں میں خوشی سے گزار دیتے ہیں
وہاں بڑھی ہوئی جتنی ہے منزلت جس کی — یہاں ابھی قدر اس کو فشار دیتے ہیں
نبیؐ جہاز سے طوفاں میں اپنی امت کو — کنارہ پر بسلامت اتار دیتے ہیں

دکن ہے جو سلامت یہی غنیمت ہے
وہ کب نظام کو واپس بہار دیتے ہیں

خطاب بہ مسافر اروپا

ترا چوں خلق گوید صاحب تاج و نگین استی — ہمیں یک حرف بر خوانم امیر المسلمین استی

امان اللہ اسمے بود و تو او را مسمّائے — ہمانا دولت اِنّا عَرَضْنا را امین استی

سرت گردم بکام اندر ترا نوش است و نیشی ہم — سم استی دشمناں را دوستاں را انگبین استی

نہ تنہا کابل از و ارائیت بر خویش مے بالد — کہ فخر جمع اسلام از مراقش تا بہ چین استی

مراں از گوشۂ خاطر شتربانانِ بطحا را

اگر بر پشت قلزم بستہ زینِ آہنین استی

لاہور ۱۳ دسمبر ۱۹۲۷ء

اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں

امان اللہ خاں برائے دادن جاں خود در راہِ اسلام ہمیشہ حاضر است

خدا ہی دے سکے گا اجر امان اللہ خاں تجھ کو
بنایا جس نے ناموسِ نبیؐ کا پاسباں تجھ کو

رسولؐ اللہ خود آکر تری عزت بڑھاویں گے
کہ ذلت ملّتِ بیضا کی گزری ہے گراں تجھ کو

دکھا دے چیر کر اسلامیوں کا سینہ یورپ کو
یہ منصب سونپتا ہے کشورِ ہندوستاں تجھ کو

خلافت کی حمایت میں ہمارا نامہ سیہ ہو جا
بناتے ہیں مسلمانانِ ہند اپنی زباں تجھ کو

نثارِ اسلام پر ہونے کو تو ہر وقت حاضر ہے
مسلماں دیں اور دنیا میں دیکھیں کامراں تجھ کو

---

۲۵ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

نقشِ عید برنگِ امیّد

یہ عید ہو ہر ایک مسلماں کو مبارک
اور کشورِ اسلام کے سلطاں کو مبارک

نکلی ہوئیں اسلامیوں کے دل سے دعائیں
ناموسِ خلافت کے اُس نگہباں کو مبارک

قفقاز و اناطولیہ سے تا بہ سمرقند
یہ وقت ہو ہر صاحبِ ایماں کو مبارک

ہو خسروِ کابل کیلئے صبح یہ مسعود
اور حضرت عثمان علی خاں کو مبارک

یہ عید تو اک زندگیٔ نو کی ہے تمہید
وہ زندگیٔ نو ہو مسلماں کو مبارک

مستقبلِ اسلام ہے ماضی سے ہویدا
اس آئینہ کی سیر ہو دوراں کو مبارک

آنیکو ہے جو فصلِ بہار اپنے چمن میں
سرو و سمن و سنبل و ریحاں کو مبارک

دنیا کی فضا جس سے ہے اب بھی مترنم
وہ نغمہ ہو مجھ جیسے غزلخواں کو مبارک

میں راہ پہ سیرِ کعبہ ہوا ہوں مگر اے کاش
تلوے ہوں مرے خارِ مغیلاں کو مبارک

اے سیدِ عالی گہر اے فاتحِ مظلوم
ہوں پاؤں ترے حلقۂ جولاں کو مبارک

غافل ہے فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ سے فرعون
یارب یہ ندا موسیٔ عمراں کو مبارک

ہندی کیلئے شیوۂ ظفر کا بھی ہے محمود
طرزی کی اگر طرز ہے افغاں کو مبارک

غازی امان اللہ خاں کے شکوے میں معنی مولود مسعود کا تولد

ایسے مولود ہوا کرتے ہیں کم تر پیدا
جن کی تعظیم کو ہو فتنۂ محشر پیدا

گرچہ معمورۂ قندھار امر کوٹ نہیں
گھر ہمایوں کے ہوا ہے مگر اکبر پیدا

باپ ہے مہر منیر اور ثریا ماں ہے
کیوں نہ مولود بھی ہو ماہ منور پیدا

اس کے اقبال کا نقارہ بجے عالم میں
اسکی دولت سے ہوں دارا و سکندر پیدا

اس پہ اللہ کا اور اس کے نبیؐ کا سایہ
اس کی تائید کو ہوں غیب سے لشکر پیدا

---

۲۳ جنوری ۱۹۲۹ء

الوداع

از نہاد مشرق آہے جستہ مانند شرار
برق غیرت شد امان اللہ خاں نامیدش

تا بہ دہلی از بنارس تاخت بر دلہائے خلق
تاجدار کشور ہندوستاں نامیدش

آمد اندر دل بہ آئینے کہ محشر خواندش
رفت از پہلو بہ تمکینے کہ جاں نامیدش

از جبینش آشکارا شان تسلیم و رضا
کاروان سالار ابراہیمیاں نامیدش

باش تا بینی کہ تیغش بازگردد بے نیام
منکراں را حجت آخر زماں نامیدش

---

۲۸ مئی ۱۹۲۹ء

غازی امان اللہ خاں

غمِ امت میں ہے چشم پیمبر اشکبار اب بھی
گہر ریزی میں ہے مصروف ابر نوبہار اب بھی

ہوئے ہیں دامن گلچیں ہی کوتہ ورنہ گلشن میں
وہی ہیں لالہ و گل اور وہی اُن کی بہار اب بھی

دلِ وحشی سے اس پھندے میں الجھا ہی نہیں جاتا
ہے برہم ورنہ پہلے کی طرح زلف نگار اب بھی

اگر پہلو میں دل ہو اور تڑپ اسلام کی دل میں
برس سکتا ہے ابر رحمت پروردگار اب بھی

سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر سکتی ہے محفل میں
نگاہ لطف ساقی تہی دستی کا اعتبار اب بھی

گر اپنے خون سے کر سکتا ہو تو اسکی حنابندی
عروس ملک ہو سکتی ہے تجھ سے ہمکنار اب بھی

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اچھالی جس نے ہر طوفاں میں کشتی اہل ایماں کی
مسلمانوں کا بیڑا کر ہی سکتا ہے پار اب بھی

وہی ہے رشتہ جس نے ترک کا افغاں سے جوڑا
وہی ہے اُن کا اعدا کو جو کر سکتا ہے خوار اب بھی

وہی ہے جس کے لطف خاص کے ویرانے صدقے ہیں
اخوت ہے مسلمانان عالم کا شعار اب بھی

مسلمانوں کی پھر منظور تھی اس کو سرفرازی
خدا نے کر دیا پیدا امان اللہ خاں غازی

۱۹۲۳ء

افق پہ ہلال عید دیکھ کر

غازی امان اللہ خاں کی دعا

شکر تیرا لطف ہے وجہ نمود کائنات — اے کہ شامل ہے تیری بخشش خاص و عام کو

شکر ہے تیرا کہ تو نے نور زنگار تک روشن کیا — قصر گیتی کے در و دیوار و سقف و بام کو

اے کہ خلاق شہی نازاں ہے تیری ذات پہ — جس نے بخشا ہے دوبارہ پھر حیات اقوام کو

بخش پھر سے ناتوانوں کو توانائی وہی — جس نے دنیا میں کیا تھا سر بلند اقوام کو

رو چکا ہے نام عالم میں مسلماں کا بہت — اپنی یکتائی کا صدقہ پھر اچھال اس نام کو

جو چھپا آتا ہے شب میں ابھی تک سر نگوں — پھر اسی تجلّی سے بھر دے ہمارے جام کو

عید کا یہ چاند لایا ہے نوید فتح بھی — تا اسی کی روشنی میں گردش ایام کو

کشور ہندوستاں کے سر پہ رکھ عزت کا تاج — تاکہ آزادی ملے مصر و عراق و شام کو

ایشیا کو نغمۂ توحید سے معمور کر — تاکہ ہم پہنچائیں یورپ تک تیرے پیغام کو

"نیرنگ خیال" لاہور

عید نمبر ۱۹۲۹ء

۲۲ مارچ ۱۹۲۸ء

تاجدارِ افغانستان امان اللہ خان غازی سے خطاب

اعلیٰ حضرت کے عزمِ یورپ کی تقریب پر

اے سایۂ جلالِ خداوندِ کائنات
ہیں جمع تیری ذات میں اسلام کی صفات

مغرب کے حلقہ حلقہ میں رخشاں ترا فروغ
مشرق کے ذرہ ذرہ میں تیری تجلیات

ہیں زندہ تجھ سے غزنویوں کی روایتیں
اب تک ہے جن سے لرزہ براندام سومنات

کابل میں تیرے طنطنۂ خسروانہ سے
حل ہو رہی ہیں ملتِ بیضا کی مشکلات

ہندوستان کو بھی تری ہمتِ بلند
دیتی ہے درسِ نکتۂ آزادیِ حیات

یورپ کی سیر کے لئے جا اور خوشی سے جا
اور جاتے جاتے سن لے ہماری بھی ایک بات

وقتِ سحر قریب ہے پھٹنے لگی ہے پو
اور ختم ہونے کو ہے سیہ بختیوں کی رات

کر جا کے تُرْهِبُونَ بِہ کا علم بلند
دیں کا جو ہو حلیف ملا اُس کو اپنے سات

اُس چشمِ جادوانہ کی افسوں گری سے بچ
اب تک نہ جس سے بابلیوں کو ملی نجات

اسلام رکھ کے ہار دے باقی ہر ایک نرد
پھر تیری جیت ہے ز قبیلِ مسلمات

شاہا دو رخ بدہ و دل آرام را مدہ
فیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

اسلام کا مہر درخشاں غازی امان اللہ خاں

امان اللہ خاں فخر سلاطین زماں تو ہے
کہ ناموس رسولِ ہاشمی کا پاسباں تو ہے

تری دہلیز کو آکر فرشتے چوم لیتے ہیں
کہ خاکِ آستانِ سرورِ کون و مکاں تو ہے

مسلمانوں کی دنیا پہ آگیا ہے نوح کا طوفاں
تو طوفاں میں بہ رنگِ موج گوناگوں رواں تو ہے

ہمارے دردِ دل کی شرح تیری نطق نے کر دی
ہمیں کیا ڈر ہو جب ہم بے زبانوں کی زباں تو ہے

ترا نور ایشیا کو مطلعِ انوار کر دے گا
چراغِ ایزد افروز امان اللہ خاں تو ہے

حدی خواں چارہ گر ہے آپ محمل کی گرانی کا
نہیں کچھ کارواں کو غم کہ میر کارواں تو ہے

نہیں برطانیہ کو خوف کچھ بھی اس کا جب تک
رفیقِ تاجدارِ کشورِ ہندوستاں تو ہے

غازی امان اللہ خاں

بھری محفل میں پھر اپنی دل آزادستاں کہیے
پھر اپنے بخت کو اور اپنی دولت کو جواں کہیے

کہاں تک شکوۂ بے مہری دورِ فلک لکھیے
کہاں تک قصۂ بیدادِ ابنائے زماں کہیے

پیامِ شوق بھیجے ملتِ بیضا کی شوکت کو
اور اس کے زندہ پیکر کو امان اللہ خاں کہیے

جسے لکھیں کبھی اورنگ زیب اس دورِ فرخ کا
جسے اپنے زمانہ کا کبھی الپ ارسلاں کہیے

مسلمانانِ مشرق کی نگاہیں اس سے قائم ہیں
اسے ہندوستاں کے بے زبانوں کی زباں کہیے

لگائے چار چاند اسلام کو اس کی جہاں بینی
اسے شرعِ نبی کی آبرو کا پاسباں کہیے

سپہر علم و حکمت ہے اگر معمورۂ کابل
تو اس کو ماہ کہیے مہر کہیے قدرداں کہیے

مسلماں آج بھی ہیں زندہ جس کا نام لے لے کر
اسے اس سطوتِ کبریٰ کی رفعت کا نشاں کہیے

بنایا کفر کو جس نے خس و خاشاک کی صورت
اسے دینِ حجازی کی جوئے سیلِ رواں کہیے

کبھی غرناطہ و غزنی کو جس بجلی نے تڑپایا
وہ چشمک زن ہے خیبر کے سوا اور اب کہاں کہیے

لاہور ۲۵ فروری ۱۹۲۷ء

نوید غیب

اڑتی سی اک خبر ابھی آئی ہے غیب سے
دارالامان میں ایک نئے انقلاب کی

کابل کی خاک لا نہیں سکتی زیادہ تاب
موجودہ دور کے ستم بے حساب کی

یارب ہو قطع سلسلہ ظالم کے جبر کا
شام و سحر دعا ہے ہر اک شیخ و شاب کی

پیاسے جو تھے وہ تا بہ سر آب آ گئے
اور جاننے لگے ہیں حقیقت سراب کی

یاد آ رہی ہے ہر دل احساں شناس کو
آج اپنے تاجدار ثریا جناب کی

ہوتا ہے پھر بلند امان اللّٰہی علم
دیتی ہے جس کو بوسہ کرن آفتاب کی

---

۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء

ڈوبے ہوئے بیڑے کے اچھلنے کی تمنا

امان اللہ خاں بددل نہ ہو وہ دن بھی آتا ہے
کہ پھر چل کر تری دولت ترے گھر سے نکل آئے

تو اصبر آسماں سے کھینچ لائے حق کی رحمت کو
اور اس رحمت کا چشمہ تیرے قدموں میں ابل آئے

کہ پھر تیرا پھریرا لہرائے قندھار اور غزنی پر
تیرے قبضہ میں کابل آئے اور ساتھ اس کے بل آئے

چمکنے لگ جائے پھر تیرا اقبال مشرق میں
یہ ہو جیسے آفتاب پردۂ شب سے نکل آئے

ستمگر کو گوارا ہو نہیں سکتا ترا جانا
نظام ایشیا میں جس کے جاتے ہی خلل آئے

بھنور میں ناؤ میری گھر گئی ہے یکایک لیکن
تعجب کیا ہے گر یہ بیڑا غرق ہو کے پھر اچھل آئے

کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

---

۱۵ جون ۱۹۲۹ء

کابل کے گدھے

ہوا کرتے ہیں پیدا رات دن سقوں کے گھر بچے
مگر ہر روز امان اللہ خاں پیدا نہیں ہوتے

بہت سے تاجدار اب بھی نظر آتے ہیں دنیا میں
مگر اس شان کے صاحب قراں پیدا نہیں ہوتے

رقیب رو سیہ جس سے سر اپنا رات دن پھوڑے
بآسانی وہ سنگ آستاں پیدا نہیں ہوتے

وہ جب مانو جو دیتے تم ہیں تو کس منہ سے یہ کہتے ہو
کہ ناموس نبی کے پاسباں پیدا نہیں ہوتے

نشاں اپنا مٹایا آپ اور اس پر یہ شکوہ ہے
مسلمانوں کی عزت کے نشاں پیدا نہیں ہوتے

گدھوں کی آج کل کابل میں ہے ایسی فراوانی
گماں ہونے لگا انساں یہاں پیدا نہیں ہوتے

---

۱۸ جنوری ۱۹۲۹ء

اورنگ زیب کی زنّار سوزیوں کا افسانہ

کہتے ہیں کھانا نہ کھاتا تھا کبھی اورنگ زیب — بیٹھ کے جس وقت تک دو چار ڈھا لیتا نہ تھا

تکیہ مسند پر لگا کر وہ نہ بیٹھا تھا کبھی — مندروں کی مسجدیں جب تک بنا لیتا نہ تھا

بات تک کرنی اُسے دشوار تھی دربار میں — کلمہ جب تک بُت پرستوں کو پڑھا لیتا نہ تھا

لوٹتا رہتا تھا انگاروں پہ اگلی صبح تک — آگ میں زنار اگر من بھر جلا لیتا نہ تھا

تیغ کو رکھتا تھا عریاں اندریں جس وقت تک — ہندوؤں کے خوں سے پیاس اسکی بجھا لیتا نہ تھا

کوئی دن ایسا نہیں گذرا ہے اُسکے عہد میں — جب وہ گنتی کلمہ گوؤں کی بڑھا لیتا نہ تھا

گر یہ سچ ہے پھر یہ سب ہندو کہاں سے آ گئے
ہوں گے تارے ٹوٹ کر جو آسماں سے آ گئے

لا اله الا الله محمد رسول الله

بنظر انور ملازمان صدر صفهٔ شهریاری و مهر سپهر تاجداری خاقان ابن الخاقان سلطان بن سلطان شهنشاه بحر و بر خادم الحرمین الشریفین امیر المؤمنین خلیفة المسلمین اعلی حضرت سکندر شوکت سلیمان حشمت محمد خان خامس مد ظله العالی خلد الله ملکه و افاض علی العالمین بره و احسانه

بسلطان مع از غلامانش همین یک التجا باشد — که ما در پای او باشیم و او در چشم ما باشد

خلافت مدعا جوید که ما از آن سلطانیم — اخوت مدعا گوید که او از آن ما باشد

مسلمانان عالم را مثال اختران بینیم — محمد خامس اندر اختران بدر الدجی باشد

ز دستت رفت اگر رومیلیا دل بد مکن شاها — بدست آوری ملکے که با جنبش آسیا باشد

مسخر کشور دل را نمود اقبال سلطانی — همی نازیم جانها را که در رایت فدا باشد

بیک جنبش گر ابرویت اشارت می کند ما را — ز مشرق تا به مغرب صد قیامت رونما باشد

هلال از بدر شد کامید بخشش لازم بود ما را — خوش آن کاهش که صد افزونیش اندر قفا باشد

فدائے دشمنانِ ملتِ بیضا ازاں ساعت	کہ در دستِ امیر الوائے مصطفیٰ باشد

حدیثِ انتم الاعلون از یادم نخواہد رفت	محال است ایں کہ مغلوبِ امتِ خیر الوریٰ باشد

اگر خونش حیاتِ تازہ بخشد جسمِ مذہب را	بخون غلطیدنِ ملت کیشِ ما روا باشد

پیامِ الفت از دہلی بہ استنبول آوردم
مثالِ بوئے گل ہستم کہ بر دوشِ صبا باشد

قسطنطنیہ ۲۲ رجب ۱۳۳۱ھ

غازی محمد عبدالکریم قاید مجاہدین ریف

اے کہ کھینچے ہوئے اسلام کی صمصام ہو تو — آج کل سب سے بڑا غازیِ اسلام ہے تو

اپنے اوپر تجھے ہسپانیہ کرتا ہے قیاس — یعنی کہتا ہے کہ خورشیدِ لبِ بام ہے تو

تیری ہیبت سے ہوا لرزہ بر اندام فرانس — اس کی سطوت کے لیے موت کا پیغام ہے تو

مصطفیٰ مشرقِ ادنیٰ میں ہے جس پہ نازاں — کر رہا مغربِ اقصےٰ میں وہی کام ہے تو

خالد و طارق و محمود تھے جس سے سرشار — اسی صہبا کا چھلکتا ہوا اک جام ہے تو

پھر زمانہ کو دکھا شوکتِ اسلاف کا رنگ
اے کہ کھینچے ہوئے اسلام کی صمصام ہو تو

---

۶ مئی ۱۹۲۶ء

اسلامی روایات

کہہ دیں جو سر آغا سے کہ تو بیت کے فرزند — خود اپنے خلف سے طلب امداد کریں گے

ہرگز نہ گدائی کے لئے جائیں گے لندن — تا کل سے جو ہیں شیعہ وہ امداد کریں گے

تشریف کے قالب میں اور لندن جا کے تھی کرسی — مظلوم جب اللہ سے فریاد کریں گے

اسلام کے دربار سے جو فیصلہ ہوگا

انگریز اسی فیصلے پر صاد کریں گے

فرزندانِ سرحد

ملک امرت کو خاطر میں نہ لانے والے
گولیاں تانے ہوئے سینوں پہ کھانے والے

قبر تک جبر کو سہتے ہوئے جانے والے
صبر کا معجزہ دنیا کو دکھانے والے

رنگ اسلام کا محفل میں جمانے والے
اپنے ہی خون شہادت میں نہانے والے

اپنے اقبال کا نقارہ بجانے والے
ناچ طاغوت کو تگنی کا نچانے والے

دل کی بستی کو محبت سے بسانے والے
شیخ کا جوڑ برہمن سے ملانے والے

ہندوؤں کے لئے گھر بار لٹانے والے
شیوۂ ایثار زمانہ کو سکھانے والے

کشورِ ہند کو آزاد کرانے والے
نامِ مشرق سے غلامی کا مٹانے والے

جانتے بھی ہو کہ کس خاک سے اٹھی ہے یہ قوم
جس کے گن گاتے ہیں اور گائیں گے گانے والے

فخر ہے صوبۂ سرحد کو کہ اس کے ذرے
ہیں خمیر اس کی شجاعت کا اٹھانے والے

رنگ میں یکتا ہیں اس قوم کے یہ رنگ ڈھنگ
نام حق بولیں اور اس کے گرانے والے

محسن فرنگ، گجرات پنجاب

پیغامِ بقا

مے گسارو! مژدہ کہ یثرب کی شرابِ گلرنگ
ہو کے کشمیر کی بھٹی سے کشیدہ آتی ہے

منتظر حلقۂ توحید تھا جس ساعت کا
خوش ہو لاہور کہ ساعت وہ سعید آتی ہے

اسی خطے سے جو کل تک تھا غلامی کا نقیب
آج آزادیٔ کامل کی نوید آتی ہے

قاصدِ احرار کا چنیوٹ گیا خط لیکر
کاغذِ سرخ پہ اس خط کی رسید آتی ہے

کچھ بھی تو ملتِ بیضا کو غم کا نہ رہا
ہے کہ پیغامِ بقا نعشِ شہید آتی ہے

لاہور ۳ نومبر ۱۹۳۱ء

قرول باغی فتنہ

فرماتے ہیں امام شریعت ہمارے کے
تقلید شیوۂ حسن مجتبیٰ کرو

مانا انہوں نے کوفہ کا جس طرح اقتدار
تم بھی قرول باغیوں کی اقتدا کرو

شرعاً اگر روا تھی امامت یزید کی
پھر کیوں نہ آج بھی وہی سنت ادا کرو

امت کو افتراق سے جس نے بچا لیا
اس اسوۂ حسن کا وظیفہ پڑھا کرو

جب جاہلوں سے عہد برا تم نہ ہو سکے
پھر مصلحت یہ ہے کہ انہیں کا کہا کرو

ان سب کے رہنما کی قیادت کرو قبول
اس وقت کے امام کا جھنڈا کھڑا کرو

اس ملک کی نجات محمد علی سے ہے
جو راہ وہ دکھائے اسی پر چلا کرو

از بسکہ تم ہو فن سیاست سے نابلد
درس اس کے سب نکات کا اس سے لیا کرو

لندن کے آستانہ پہ لے جائے گر تمہیں
اس کا طواف شوق سے بے شک کیا کرو

گر عالمان دین کو سنائے وہ ٹیڑھیاں
ان پہ گمان خلق رسول خدا کرو

القصہ عافیت ہے اسی میں کہ آج کل
جو کچھ کہے یہ جاہل عالم نما کرو

حق میں نہیں ہے تاب کہ ہو خنجر آزما
باطل کا حکم ہے کہ مجھی سے دبا کرو

تلاش کی ہے حضرت سجاد سے یہ عرض — پھر یاد واقعۂ کربلا کرو

سہمے ہوئے ہو کیوں سفہا کی پکار سے — آزادیٔ ضمیر کا غوغا بپا کرو

ان کا علم گرا ہے اگر کانپور میں — دہلی میں سر بلند تم اپنا لوا کرو

سر سے کفن لپیٹ لو اور اپنی جان کو — ناموس شرع مصطفوی پہ فدا کرو

جب پڑ رہی ہے زد علما کے اقتدار پہ — لازم نہ تھا مظاہرہ اس عجز کا کرو

کچھ بھی نہیں ہے فائدہ اس بعد و بیش سے
نسبت تمہیں حسن سے ہے ہم کو حسین سے

---

۲۲ دسمبر ۱۹۲۹ء

سنتِ اسلاف

ملک میں ناچی ہیں کراچی کی بلائیں
مشہور ہے لندن کی پریوں کی ادائیں

غیر کو بلاویں گی بیبیاں ہے اک روز
پنجاب سے اٹھی ہیں جو شوخ گھٹائیں

اسلاف کی سنت کو کریں تازہ مسلماں
اور خونِ شہادت کے سمندر میں نہائیں

زنجیر کی جھنکار سے زنداں کو ہلا کر
ان کو بھی جو فرزانہ ہیں دیوانہ بنائیں

اسلام اور ایمان کی پہلی ہے یہی شرط
میدان میں کفن سر سے لپیٹے ہوئے آئیں

سر پہ ہے ہتھیلی پہ ہو پھر نوک سناں پہ
نظارہ پھر اک بار یہ دنیا کو دکھائیں

بیداد کی لعنت سے کریں پاک وطن کو
آفاق سے آثار غلامی کے مٹائیں

ہے جن کے سلاسل و اغلال سے تیرہ مہر
چھپ جائیں وہی آزادی کمال کا اڑائیں

انجمن اصلاح تمدن حیدرآباد کا سالانہ جلسہ ۱۹۰۳ء

عندلیب زار کو تسکین گلبن چاہیے
قوم کو تدبیر اصلاح تمدن چاہیے

نغمہ و شیون سے آرام دل وارستہ تھا
چھیڑ دی اب ہم کو شور افگن کوئی دھن چاہیے

اے خدا اس قوم غفلت پیشہ کی بیداری کیلئے
تجھ کو ہر روز اک نیا سنگ فلاخن چاہیے

چاہیے یہ سب کو شور بوق و کوس علم و فضل
ہم کو سامان گھڑی کی ٹوں ٹوں اور تن تن چاہیے

چاہیے غیروں کو ہمت اور ہمیں دوں ہمتی
استقامت ان کو اور ہم کو تلون چاہیے

گھر میں کھانے کو نہ ہو شادی بیاہوں میں مگر
قرض ہی لے لے کے بہانا ہمیں دھن چاہیے

کچھ نہ ہم سمجھے کہ کیا ہیں معنی لا تسرفوا
صرف تو اپنی حماقت کا تغابن چاہیے

ہم کو نکبت میں گھر رکھتا کہاں تک آسماں
آخر اس کی کوئی حد تعین چاہیے

عزم کر بیٹھے ہیں چند آواسجانِ وقت
قوم کو اک بزم اصلاح تمدن چاہیے

اس نے ٹھیرایا ہے مقصد اپنا اصلاح رسوم
عقدہ سمجھیں ہیں تو کھلنا اس کو ناخن چاہیے

سرپرست اس انجمن کے کرنل افسر جنگ ہیں
تجھ کو بھی اے سلطنت مشفق تعاون چاہیے

وقت آ پہنچا کہ ہو مسدود باب اختلاط
جن میں ملک بنا بُری رسموں کی اب گھن چاہیے

شکم میں جس نعمتِ عظمیٰ کے ہو لا چوما — نقل اسپ شہسوار عرش کن چاہیے

قوم میں پیدا ہو جس سے جوہرِ مردانگی — ہم کو تفریح ایسی اور ایسا تفنن چاہیے

قوم وہ اچھی ہے جس میں سب کی ہوں اچھی تمام

ہر صنف قوم میں ہونا ہی گُن چاہیے

ہرمزان

وہ تیغ جس کی چمک برق طور کے مانند — بنی تھی روشنیٔ دیدۂ جہاں کے لئے

چلائی سعد نے جب قادسیہ میں آ کر — تو قدسیوں نے قدم آ کے تیغ ران کے لئے

اس ایک فتح نے ایران کو کیا تسخیر — رہی نہ کوئی کمی دودۂ کیاں کے لئے

مقاومت کے دکھلائے عدو نے گو جوہر — یہ فخر وقف تھا بازوئے ہرمزان کے لئے

گئی عجم کی غنیمت مدینہ کو جس وقت — کہ تھا وہ منتظر اس گنج شائگاں کے لئے

تو ہرمزان کے بارہ میں سعد نے لکھا — بلا یہ ایک ہے اسلامیوں کی جان کے لئے

ہوا جناب عمرؓ کا یہ فیصلہ اس پر — سزائے موت ہے اس دشمنِ اماں کے لئے
پھر ہرمزاں نے کہا پہلے قتل سے پانی — پلاؤ مجھ کو خداوندِ انس و جاں کے لئے
دیا گیا جب اسے آب خوردہ پانی کا — تامل اس نے کیا شائد امتحاں کے لئے
تسلی اس کو جناب عمرؓ نے دی اس طرح — زباں ہے قول کو اور قول ہے زباں کے لئے
نہ تیرے حلق سے جب تک اترے یہ پانی — حرام قتل ہے تیرا مجھے یزداں کے لئے
پٹک کر اس نے پیالہ کہا کہ خوف سے اب — ملی نجات مجھے عمرِ جاوداں کے لئے
اماں مل گئی مجھ کو ہے قولِ عہد کا پاس — حریمِ احمدِ مرسل کے پاسباں کے لئے

فدا یہ جانِ گرامی ہو دینِ احمدؐ پر
بنا ہے آج سے اسلام ہرمزاں کے لئے

---

۱۰ دسمبر ۱۹۱۶ء

اسلام بہ کوریٔ بخت اوہام

الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا تنکسفان لموت احد

مصطفیٰ جب خاک میں بیٹے کو آئے سونپ کر
دل شکستہ تھا کلیجہ پارہ پارہ تھا جگر

گو کہ تھی شان رسالت یہ وہ وقت صبر شکن
گرچہ تھا دل کا تقاضا رو دے جی کھول کر

تھے صحابہ بھی شریک اس غم میں پیغمبر کے ساتھ
سب کے دل اس صدمۂ جانکاہ سے تھے پُر اثر

اتفاقاً آفتاب اس دن گہن میں آگیا
ظلمتستان بن گیا جس سے مدینہ سر بسر

اک صحابی نے کہا با عقیدت یہ کہ آج
سوگوار اس غم میں سورج بھی ہے یا خیر البشر

جو جواب اس بات کا اس کو پیمبر نے دیا
آب زر سے ہے منقش صفحۂ تاریخ پر

"کیا تعلق آدمی کے غم سے سورج کو بھلا
اک نشان قدرت حق ہے کسوف ماہ و مہر"

یکم جنوری ۱۹۱۴ء

فسطاط

مصر کا عمرو بن العاص نے جب عزم کیا — نصرت حق کا ملک لائے فلک سے پیغام
فوج کے قلب میں ہے جلوہ فگن تائید فوج — یا ہے جھرمٹ میں ستاروں کے گھرا ماہ تمام
جھومتی آتی ہے مستانہ عمرو کی تدبیر — چومتی جاتی ہے تقدیر رکاب اسلام
لانے والے تھے مقوقس کو وہ کب خاطر میں — بات میں جا کے بنا آئے جو کسریٰ کو غلام
ان کے اندازہ میں بھی مصر کی دولت کیا چیز — جن کی دولت سے ہوا فیصلہ قسمت شام
نیل پہ جا کے غرض ڈال دیا ان نے پڑاؤ — نصب کچھ دور ہوئے ریت میں لشکر کے خیام
پہلے ہی دن ہوئے اس راز سے قبطی آگاہ — مصر سے لوٹ کے جائیں گے نہ مسلم ناکام
مصر نے جان لڑائی میں لڑا دی لیکن — آ چکا تھا نظر آغاز میں اس کا انجام
جنگ اور اس کے تسلسل کی یہ کیفیت تھی — کہ میانوں کو جدا ہو گئے شمشیر و نیام
مصر کو جب یہ ہوا سر تو دیا عمرو نے حکم — کہ اب آگے نہیں بڑھنا بات سعادت فرجام
عرض کی آ کے یہ خادم نے کہ خیمہ میں — آشیاں بند کیے بیٹھا ہے ایک حمام
انڈے بچے بھی کبوتر کے ہیں اس خیمہ میں — لا کے چوگا وہ کھلاتا ہے انہیں صبح و شام

حکم اگر ہو تو لیا جائے یہ خیمہ بھی اکھاڑ — لد چکے ہیں سب کے اونٹوں پہ ہیں لشکر کے خیام
عمرؓ نے سن کے یہ بات اپنے ملازم سے کہا — کر دیا خیمہ ہبہ میں نے کبوتر ہی کے نام
میرے مہمان کو تکلیف نہ ہونے پائے — میرے آرام پہ ہے اس کا مقدم آرام

شہر اک اسلام نے آباد کیا پُر رونق — تھا کبوتر کا جہاں عمروؓ کے خیمے میں قیام
خیمے کے واسطے نام عربی ہے فسطاط — پڑ گیا اس لئے فسطاط ہی اس شہر کا نام
جاں فدا اُن چمن آرائے حجازی پہ مری — جن کے اخلاق کی نکہت سے معطر ہے مشام

ہو کبوتر سے جب اسلام کا ایسا برتاؤ
کیوں نہ یہ دین ہو دنیا کے لئے رحمتِ عام

---

۱۴ ستمبر ۱۹۱۶ء

سلفِ صالحین

وہ مسلمان کہاں اگلے زمانے والے
گردنیں قیصر و کسریٰ کی جھکانے والے

امتیازِ ابیض و اسود کا مٹانے والے
سبق انساں کو اخوت کا پڑھانے والے

بات کیا تھی کہ نہ روما سے نہ ایراں سے دبے
چند بے تربیت اونٹوں کے چرانے والے

بھید کیا تھا جو آپس میں بٹے تھے نہ کبھی
ہو گئے مشرق و مغرب کے ملانے والے

جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

پیشوائی کو نکل آئی خدائی ساری
گھر سے نکلے جو محمد کے گھرانے والے

خم و خمخانہ بھی ہے مہر و نشاں بھی ہے وہی
نہیں ملتے ہیں مگر خم کے لنڈھانے والے

وہی نیساں ہے گہر ریز ابھی تک لیکن
نظر آتے نہیں گوہر کے لٹانے والے

کیا سکھاتے ہیں تمدن کی حقیقت ہم کو
آج قرآں کی دولت کے چرانے والے

فیض کس کا ہے یہ اس پر بھی کبھی غور کریں
اپنی تہذیب کا افسانہ سنانے والے

بادشاہی میں فقیری کا چلن رکھتے ہیں
دوش پر بارِ امانت کا اٹھانے والے

نہ دبے ہیں کبھی باطل سے نہ دب سکتے ہیں
گردن اللہ کے رستے میں کٹانے والے

آشنا ذوق اسیری سے ہو میری مانند
شعر کہتے ہوں اگر وجد میں لانے والے

خلافت کی بنیاد

نئی اک قبا کو سلاتے ہو سنئے
خلافت کی بنیاد اکھیڑو گے تم

تو اچھی طرح سے سمجھ لو یہ بات
خود اپنے ہی بخئے ادھیڑو گے تم

عرب تو عجم سے الگ ہی رہو
کہاں تک یہ جھگڑے نبیڑو گے تم

نہ دیں گے تمہیں چین سینے کبھی
ستائے ہوؤں کو جو چھیڑو گے تم

بچا لوگے ہندوستاں کو اگر
ذرا پاؤں اپنے سکیڑو گے تم

۲ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

اخلاقِ مرتضویؓ

روایت ہے کہ اک سرکش یہودی / ہوا جنگ آزما شیرِ خدا سے

نہ تھا اس امر سے شاید وہ آگاہ / کہ یہ کشتی وہ لڑتا ہے قضا سے

جو اپنی جان کا ہو آپ دشمن / وہی الجھے علیؓ مرتضیٰ سے

ہوا واقف وہ پہلی ہی پکڑ میں / علیؓ کے زورِ مرحب آزما سے

زمیں پہ آ رہا گرتا ہے جس طرح / خزاں کا آخری پتہ ہوا سے

کھڑی تھی موت اس کے سر پہ اس وقت / نہ تھا اس کو مفر سیلِ فنا سے

بہ رنگِ ذوالفقار اس کے لہو کے / نظر آتے تھے عرش و فرش پیاسے

یہودی نے یہ جب دیکھا کہ ہرگز / نہیں ممکن ہے بچنا اس بلا سے

مقابل چاند تھا تھوکا اسی پہ / طبیعت کے پرانے اقتضا سے

کہ نکلے آخری نفرت کی حسرت / اسی جلے دل کفر آشنا سے

یہ گستاخانہ اور بیہودہ حرکت / جو ہی سرزد ہوئی اس ناسزا سے

معاند کا علیؓ نے ہاتھ اپنا / وہ جو دو ہاتھ آگے تھا قضا سے

دو سرتابی کروں گا آج سے کے بعد   خدا سے اور محمد مصطفیٰ سے

شیوۂ مسلم

۱۷۳

تجھے مسلم اس کی بھی ہے خبر کہ ہے شیوہ دل طلبی ترا
ہے زباں اگرچہ عجمی تری تو نسب تو ہے عربی ترا

تری بستگی کیوں جھکیں ملک تجھے سجدہ کیوں کرے فلک
کہ خدا سے ہے طرز ولی ترا تو نبی سے ہے مطلبی ترا

ہے شراب عشق کا مزہ وہی کہ اٹھے خلاف مذاق سے
کبھی کاوہ رہے بکنی ترا کبھی شیشہ سے طلبی ترا

پھر بلائیں جائیں گی آپ گل یہ تصرف شیوہ دو سرا
اگر ان کے کان میں پڑ گیا کبھی نالۂ نیم شبی ترا

شہید کربلا

حسین ابن علیؓ نے کی ہے قائم اک مثال ایسی
کہ تقلید اس کی تجدید حیات جاودانی ہے

قناعت بوند تک پی ہو نظر ہے آب آہن پر
درآں حالیکہ بہتا پاس ہی دریا میں پانی ہے

[illegible] نہیں میں یاس کے تیور پر
کہ یاد اس کو حنین و بدر کی اب تک کہانی ہے

چمکتی تاب حقیقت کی ۔ ن ہو کی آنکھوں میں
کہ زندہ ہو تو اسلام اور جو کچھ ہے وہ فانی ہے

ہوئیں گل ہو کے جو نذر بلا میں سر کٹے یقین کی
مگر لاکھوں دلوں پر اب تک اس ہی کی حکمرانی ہے

حسین ابن علیؓ کی زندگی قرآن کی صورت
رسول اللہ کی دنیا میں اک روشن نشانی ہے

مسلمان کی شان

تو نے اے مسلم کچھ اپنی قدر پہچانی بھی ہے
تو ہے انساں تجھ میں لیکن شانِ یزدانی بھی ہے

فرش پر ہیں پاؤں تیرے عرش پر ہے سر ترا
نصف تو خاکی ہے لیکن نصف نورانی بھی ہے

جس طرف سے ہو گئی ہے تیری چشمِ دور نگاہ
سرمہ آنکھ کا تیرے نقشِ پا کی حیرانی بھی ہے

نیل کی موجیں اگر کرتی ہیں تیری جستجو
ڈھونڈتی پھرتی ہے تجھے گنگا کی جولانی بھی ہے

مرحمت تجھ کو ہوا احساس بھی اور عقل بھی
تیری دانائی میں شامل تیری نادانی بھی ہے

تیرے دل میں درد ہے آنکھ میں آنسو بھی ہیں
آگ سوزاں ہے کہیں لب پاس ہی پانی بھی ہے

ساری دنیا کے فضائل تجھ کو ترکیں سے ملے
تیری حکمت یثربی ہے اور یونانی بھی ہے

مشرق و مغرب کے گنجینوں سے تو ہے بہرہ ور
تیری الماری میں ملٹن بھی ہے قاآنی بھی ہے

تو چمکتا ہے ہر اک کشور میں بن کر آفتاب
تو اگر ہندوستانی ہے تو برطانی بھی ہے

مرتبہ جس کی بدولت تجھ کو یہ حاصل ہوا
کوئی اس کا آج کے دن تک ہوا ثانی بھی ہے

ڈال رکھی ہے گلیمِ فقر اس نے دوش پر
اس کے سر پر ساتھ ہی تاجِ جہانبانی بھی ہے

وہ خدا سے دور بھی ہے اور خدا کے پاس بھی
وہ رسول اللہ بھی ہے اور ظلِ سبحانی بھی ہے

نظم میں آجائے حسانؓ ابن ثابت کا جو رنگ ۔۔۔ شعر کہنے کا مزہ اطلاف ثنا خوانی بھی ہے

مدح خواں ہوں میں رسول اللہؐ کا میرا صلہ ۔۔۔ عالم باقی بھی ہے اور عالم فانی بھی ہے

میری نذر گوہریں پہنچے گی اُن تک خود بخود

موتیوں میں گرد نشانی بھی ہے غلطانی بھی ہے

---

۲۲ ستمبر ۱۹۱۶ء

دین کی لم

پیمبر سے سفیان نے عرض کی ۔۔۔ کہ سمجھائیے دین کی مجھ کو لم

[illegible] میں جب بولے آپ نے ۔۔۔ قُل اٰمنتُ باللّٰہِ ثُمَّ استقِم

(حدیث)

اللہ والے

مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا

ہیں دسترس کے واسطے سیم و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولھا بجھا ہوا

کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

دستِ دعا انہیں کے لئے عرش تک بلند
ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا

بوتے رہے جو رستے میں کانٹے تمام عمر
پھولوں میں ایک ایک ہے آ کر تُلا ہوا

احسان کی نظر ہے سپید و سیاہ کو
سب کے لئے دریچۂ رحمت کھلا ہوا

جن کے یہ سارے کام ہیں اللہ کے لئے
پھر کیوں نہ رتبہ ہو اُن کا بڑھا ہوا

خورشید و ماہ و انجم و لیل و نہار پر
ان کی یدِ اللّٰہی کا عَلَم ہے گڑا ہوا

تیور بدل گئے تو زمیں کانپنے لگی
ابرو کے اک اشارہ سے محشر بپا ہوا

یثرب سے آج بھی یہ صدا گونجتی سنو
وہ جو خدا کے ہو گئے اُن کا خدا ہوا

۱۱ اپریل ۱۹۲۶ء

اسلام کی شناخت

اللہ کو پسند ہیں وہ خصلتیں بھی — جو تیری جانب اس کو لاتی ہیں التفات
مسلم ہے صبر بھی اور فیاضی بھی — اسلام کی شناخت ہے الصبر والسماحۃ

حدیث

رشتۂ اسلام

ہٹے بالشت بھر بھی تم اگر ملت کے دامن سے
تو کٹ کر گر پڑے گا رشتۂ اسلام گردن سے

حدیث

عالم و عامل

خدا سے واصل اور دنیا میں شامل
رسول اللہ ہیں انسانِ کامل

محمد مصطفیٰ کا نام لکھ کر
منور ہو گئے میرے انامل

خدا کا قرب ہے گر تجھ کو منظور
رسول اللہ کی ملت سے جا مل

نقطے ہیں چند حرفوں کا الٹ پھیر
وگرنہ جو ہے عالم ہے وہ عامل

---

۱۵ نومبر ۱۹۱۶ء

اطاعت و استطاعت

جب اک دن مرشدِ کون و مکاں کے دستِ قدرت میں
سمعنا اور اطعنا کہہ کے پھر لوگوں نے بیعت کی

تو شانِ رحمۃ للعالمینی کا تقاضا تھا
کہ اس بالسمع والطاعۃ میں قید استطاعت کی

۱ الحدیث

آیۃ الفیل

تباہی شان کی مسلمانوں کی — بڑھا ہر سمت سے کفار کا خیل

قدم گاہ رسول مجتبیٰ پر — مسلط ہو گئے یورپ کے بدخیل

شب کفر اپنی حد سے بڑھ کے اس طرح — گئی جب مطلع اسلام پہ پھیل

مجھے یاد آئی قرآں کی عبارت — پڑھا میں نے تحیۃً آیۃ الفیل

کسی دن سرحد دین متیں سے — یونہی پھر جائیں گے کفار بے نیل

خس و خاشاک کی مانند سب کو

بہا لے جائے اسلام کی سیل

ماں باپ کا ادب

اک دن نبیؐ نے حلقۂ احباب میں یہ لفظ
دہرائے تین بار کہ ناک اُس کی کٹ گئی
اصحاب نے کہا کہ یہ کم بخت کون ہے
تو تیر جس کی حضرت باری میں گھٹ گئی
ارشاد یوں ہُوا کہ وہ فرزند ناخلف
گھر جس کے جنت آئی اور آ کر پلٹ گئی

ماں باپ کا جسے نہ بڑھاپے میں ہو خیال
اُس ناسعید بیٹے کی قسمت اُلٹ گئی

(حدیث)

اعظم الجہاد

بے لاگ بات بال برابر لگی نہ رکھ
فرما گئے ہیں حضرت خیر البشرؐ یہی
اظہار امرِ حق میں نہ ہو خوف دار و گیر
ہے اعظم الجہاد بحکمِ خبر یہی

(حدیث)

حسین ابن علی

(شریف مکہ)

اک وہ بھی حسین ابن علی تھا کہ سر اُس نے　　مر کر بھی نہ فاسق کی حضوری میں جھکایا
خود چل کے گیا معرکۂ کرب و بلا میں　　دنیا کو قیامت کا سماں جس نے دکھایا
تھا سینہ سپر ایک ہزاروں کے مقابل　　باطل کے اس انبوہ نے اُس کو نہ ڈرایا
اسلام کی حرمت پہ امام الشہدا نے　　سر شمر کے خنجر سے بصد شوق کٹایا
دیکھا جو یہ سر نوک سناں پر تو فرشتے　　سمجھے کہ سوا نیزے پہ سورج اُتر آیا

مٹنے نہ دیا نقش روایات پیمبر
خود اپنے تئیں سبط پیمبر نے مٹایا

اک تو بھی حسین ابن علی ہے کہ ترا ہاتھ　　اُس ہاتھ میں ہے جس نے گھر اسلام کا ڈھایا
نسبت ہے ترے نام کو بھی آل عبا سے　　تو نے مگر اس نام کو خود بٹہ لگایا
برباد ہوئی خود تری کوشش سے وہ بستی　　جس کو ترے اسلاف کی ہمت نے بسایا
کل تک عرب آزاد تھے لیکن ہیں غلام آج　　راعی کو رعایا ترے ہاتھوں نے بنایا

ہیں کعبہ کی دہلیز پہ جس خون کے چھینٹے
خود صحنِ حرم میں ترے خنجر نے بہایا

شام اور عراق اور فلسطین کے اندر
جو فتنہ ہے برپا اُسے تو نے ہی جگایا

پیوندِ عرب تیری ہی مقراضِ جفا نے
دامانِ اناطولیہ سے قطع کرایا

تو مر گیا کس لئے اس وقت سے پہلے
تثلیث نے جب پرچمِ توحید گرایا

اس پہ ہے یہ خواہش بھی کہ مل جائے خلافت
فیصل ہوں ترے ہاتھ سے امت کے قضایا

خفاش سیہ روز ہو خورشید کا ہمچشم
اندھیر یہ کیسا ہے زمانے میں خدایا

ایمان کی شناخت

رکھ لی زباں نے اس دلِ ناآشنا کی شرم
علم اس کے وسوسوں کا اگرچہ خدا کو ہے

یہ واردات قلبِ صحابہ کہاں کی
سن کر کہا نبی نے کہ ایمان یہی تو ہے

(ایڈیٹر)

فلسفۂ شہادت امام عالی مقام

کیوں ماتم حسینؑ میں یہ شور و شین ہے   کیوں گریہ و بکا کیلئے ہے یہ بندوبست

خوں نابہ بار کس لئے ہے آنکھ آپ کی   کیوں ہمت آپ کرتے ہیں اسلامیوں کی پست

کیا یہ بھی کوئی گریہ و زاری کی بات ہے   قربان ہوگیا رہ دیں میں وہ حق پرست

تم کربلا کی خاک اڑاتے رہو مگر   ہم خوش ہیں دی حسینؑ نے طاغوت کو شکست

آوازۂ خلیل ز بنیاد کعبہ نیست

مشہور شد ازاں کہ بآتش نکو نشست

---

۲۸ ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۷ء

الجنّۃ تحت ظلال السیوف

کہتے ہیں یہ صوفی کہ ہے فردوس حق اُس کا — جس پہ ہو شکر گنج کی دیوار کا سایہ
لیکن ہے پیمبر کا یہ ارشاد کہ جنّت — ملتی ہے اُسے جس پہ ہو تلوار کا سایہ

صوفی ہے وہی جس کو ہو خدا سے سروکار — صوفی وہ نہیں جس پہ ہو سرکار کا سایہ
اے گولڑہ کے پیر نہ ڈر دار و رسن سے — جب خود سرِ منصور پہ ہے دار کا سایہ

اللہ کا سایہ ہے زمیندار کے سر پر
پنجاب کے سر پہ ہے زمیندار کا سایہ

---

٢٢ اکتوبر ١٩٢١ء

عیدی

یہ عیدی آبِ زر سے آج لکھی ہے ملائک نے
جسے سُن کر ہر اک افغان کا بچہ شادماں ہوگا

کہ گلشن میں بہار آنے کے ساماں ہوتے جاتے ہیں
وہ سامانِ گل بداماں جس سے مشرق کا جہاں ہوگا

صبا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی پھولوں میں گذرے گی
طیورِ صبح خواں کا قافلہ آتش بجاں ہوگا

شرابِ زندگی خمخانۂ یثرب سے اُبلے گی
ملے گی جن کو یہ صہبا نصیب اُن کا جواں ہوگا

نئے جلوے بکھیرے گا ہلالِ عید گردوں پہ
اور اُس کے نور میں ڈوبا ہوا دارالاماں ہوگا

ملے گا پھر محمد زائیوں کو تاجِ آبائی!!!
بہت جلد اپنے بندوں پہ خدا پھر مہرباں ہوگا

پھر آجائیں گے اقبال اور دولت اپنے مرکز پہ
سریر آرائے کابل پھر امان اللہ خاں ہوگا

وطن کو جس کی دانائی نے بخشی تھی توانائی
علمدار اُس کی سطوت کا وہی صاحبقراں ہوگا

جنہوں نے بیوفائی کی تھی شاہنشاہِ غازی سے
اب اُن سب کی وفا کا از سر نو امتحاں ہوگا

یہ سارے غیب کے اسرار جس دن منکشف ہوں گے
نہیں معلوم ہے اس روز نادر خاں کہاں ہوگا ؟

اکیلے جان

۷ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

سفینۂ اسلام

بجواب پرتاب مورخہ ۱۲- نومبر ۱۹۳۱ء

یک رنگ ہے سفینۂ اسلام کا سوار
ہوں گے وہ اور جن کے ہیں دو کشتیوں میں پاؤں

میں وہ نہیں کہ منہ ہو سفید اور دل سیاہ
ہو اور ہی کسی کو مبارک یہ دھوپ چھاؤں

میں شیر ہوں جو گونج رہا ہو کچھار میں
بلی نہیں جو گھر ہی میں کرتی ہے میاؤں میاؤں

کہتی ہے یہ پولیس کہ نکل جاؤ شہر سے
اب جا کے ہم بسائیں گے جنگل میں کوئی گاؤں

---

۱۳ نومبر ۱۹۳۱ء

عید صیام

مجھے دم آج مسلم کو یہ جاں پرور نوید آئی
کہ کل شب آسماں پر چاند چمکا اور عید آئی

ہلال عید کی رویت کو مانع تھے یہاں بادل
مگر اطراف کشور سے شہادت چشم دید آئی

دکن کے آسماں پر ماہ نو کی جلوہ ریزی سے
خمستان عرب کی میرے ہاتھوں میں کلید آئی

دعائے غلبۂ اسلام کی تھی میں نے رو رو کر
حریم مصطفےٰؐ سے استجابت کی رسید آئی

مبارک ہو نظام الملک آصف جاہ ہفتم کو
کہ اُن کے واسطے یہ ساعت آئی اور سعید آئی

پئیں گے بادۂ لَا تَقْنَطُوا کے جام بھر بھر کر
کہ شیریں شراب امیدؔ کی ہو کر شید آئی

عید الفطر

مژدہ اہلِ ایماں کو یہ جاں پرور وعید آئی
کہ کل شب آسماں پر چاند چمکا اور عید آئی

ہلالِ عید کی رویت نے آنکھوں کو کیا روشن
شہادت ان ضیا افشانیوں کی چشم دید آئی

مسلمانوں نے جس سے کفر کی رگ بارہا کاٹی
وہی تیغِ مہِ نو پھر پئے قطع و برید آئی

حیاتِ جاوداں کا مژدہ پہنچایا بادہ خواروں کو
کہ [illegible] شرابِ زندگی ہو کر کشید آئی

ضرورت ساغرِ جم کی رہی کیا اس جہاں میں کچھ
چمنستانِ طرب کی جس کے ہاتھوں میں کلید آئی

دعا جب ہم نے مانگی فتح نے آ کر قدم چومے
ہمارے کان میں آخر [illegible] کی نوید آئی

پرستارانِ خاکِ کعبہ تم سب کو مبارک ہو
تمہارے واسطے ساعت آئی وعید آئی

---

۳۰ رمضان [illegible]ھ

جنگِ طرابلس

کھیل بچوں کا جسے سمجھا تھا اٹلی نے وہ جنگ
کر رہی ہے قافیہ اس کے جوانمردوں کا تنگ

خاک بن کر اڑ گئی روما کے دل کی آرزو
خون ہو کر بہہ گئی پاپا کے پہلو کی امنگ

اینٹ ڈک کی گری پتھر محمد کا چلا
قول سعدی ہے کلوخ انداز را پاداش سنگ

ہیں ترے بیڑے بہانے آگ کے اٹلی حباب
ہم تو ایسے دلبنوں کو سمجھتے ہیں پتنگ

نعرۂ اللہ اکبر جب زباں پر آئے گا
تیرے ہاتھوں سے چھڑا دیں گے ہم اے روما تفنگ

جھونک دی اٹلی نے چشم ایماں میں خاک
چڑھ گیا آئینۂ انصاف پر یورپ میں زنگ

آسماں سے ابن مریم آج اتر آئیں اگر!
دیکھ کر اخلاق یہ ملت کے گماں رہ جائیں دنگ

دل میں قارونی ہوا اور حرص کا پوشیدہ چور
سر میں فرعونی نمود اکبر کی ظاہر میں ہیں ننگ

مدعا یہ ہے کہ مٹ جائے مسلمانوں کا نام
واسطے اس کے تراشے جا رہے ہیں عذر لنگ

نازاں [illegible] کب تک [illegible] گئے
چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کو کھائے جاتے ہیں نہنگ

کیا اسی شائستگی پر ہے مسیحیت کو فخر
کیا یہی تہذیب ہے سرمایۂ نازِ فرنگ

آج کل یورپ میں قوت اور تعصب کا ہے زور
شاہ و منسٹر بیٹھتے ہیں پادری چھیڑتے ہیں جنگ

کیوں پڑھاتا ہے سبق شاگرد کو ایماں کا — جبکہ خود ایماں سے عاری ہے استادِ فرنگ

بے گناہوں کے لہو کی بہہ رہی ہیں ندیاں — تاکہ ایراں خون سے ہو جائے پھر لالہ رنگ
آج ایراں ہے تو کل کابل کی باری آئے گی — کہ یہی ہے روسیوں کی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ
آہ! اے انصاف ہم ڈھونڈیں کہاں جا کر تجھے — سینٹ پیٹرسبرگ جب مضراب اور لندن چنگ ہو
اب بھی سر ایڈورڈ کاش اپنا طریقہ بدل دیں — ہو گر انگلشیہ کا کچھ بھی پاس نام و ننگ

یہ بھی مسلم اور ہندو اس دیس میں تو نہیں مل جائیں گے — مل گئیں پریاگ میں جس طرح جمنا اور گنگ
اتحاد اس ملک کا مشکل نہیں ہے جس میں ہو — ایک تہذیب ایک بولی ایک صورت ایک رنگ

ناخنوں سے گوشت ہو سکتا نہیں ہرگز جدا
چھوٹ سکتا ہی نہیں ہے چولی اور دامن کا سنگ

۱۹۲۲ء

رب کعبہ سے ایک عاجزانہ التجا

کوڑی کے تین تین بکیں گے یہ مولوی
اللہ اللہ کے بیچتے ہیں جو تثلیث کے قدم

کس کو یہ اس ابتلا کی خبر تھی کہ ایک دن
ہم پہ ہمارے ہی ہمسایہ ڈھائیں گے ستم

جس کو انہوں نے کافر اکفر دیا قرار
جاتے ہی اس کے کھل گیا اسلام کا بھرم

دار الامان کے سر پہ قیامت گزر گئی
قہر خدا کے پھٹنے لگے آسماں سے بم

وہ گردنیں جو غیر کے آگے جھکیں نہیں
آج اس کے آستاں پہ نظر آ رہی ہیں خم

اے رب کعبہ ہم سے کہاں تک یہ برہمی
کیوں ہو گئی تیری نگہ التفات کم

آخر تیرے رسول کے دامن گرفتہ ہیں
جس کے غلام ہوتے ہیں اسکندر اور جم

کب تک رہیں گے دست و گریباں فرنگ سے
کب تک لڑا کریں گے کشتی قضا سے ہم

قندھار کو دکھلا کہ عنقریب
کابل میں پھر بلند ہو توحید کا علم

---

۹ فروری ۱۹۲۹ء

حق اور باطل کی آویزش

بسکہ ہے دینِ مبیں کو سست پیمانوں سے ضد — عالمِ اسلام کم ظرفوں سے بدظن ہو گیا

اس کی گیرائی سے تھا مضراب کل تک نغمہ بار — خطۂ مشرق اس کی دارائی سے گلشن ہو گیا

کوہ داماں سے بھڑک اٹھی ہے غزنی تک وہ آگ — جس سے جل کر خاک بدعہدی کا خرمن ہو گیا

وہ شکار افگن فرنگ آویز تھی جس کی کمند — کشتۂ نازِ مسلماں سامری فن ہو گیا

بجھ گئے کوسے پھر دارالامان میں وہ چراغ — جن سے دنیا غیرت آشنا سے ایمن ہو گیا

رو رہے ہیں جھک کے پھر وہ قصر سینۂ جہیز — ان کی ویرانی کا رنگ امیدوں کا مدفن ہو گیا

اب کہاں وہ عندلیبوں کی نوا آرائیاں — شاخِ گل کا سایہ افعی نشیمن ہو گیا

دل جلانے کا نہ سیکھا جان بلب سینے کا ڈھنگ — اٹھ گیا سینے میں جو بے شک کامل الیقین ہو گیا

قیمت اس اک قطرۂ خوں کی ہے ساری کائنات — جس سے مظلومی کا پیراہن مزین ہو گیا

اک بنارس کے برہمن نے لیے موتی وہ رول — جس سے خالی شیخ نجدی کا دامن ہو گیا

پیر وہ در پردۂ ملت کے رہبر شفیع — اور امان اللہ خاں ایماں کا رہزن ہو گیا

کیا چھپے نظروں سے سورج جب اٹھا دے گیا — ہند کی ہستی وطنیوں کا نام روشن ہو گیا

۵۰ وفا کی پتلیاں جن کی شجاعت دیکھ کر　　دنگ ہے چرچل، گیا حیران ارون ہوگیا

آج باطل سرنگوں ہے اور حق ہے سربلند

فتح ستیا کی ہوئی مغلوب راون ہوگیا

بمقام سپیشل جیل

۲۵ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء

انجمن حمایت اسلام

اے ساکنان بلدۂ لاہور آج شام　　میں آپ کو سناؤں گا باتیں کھری کھری

میری یہ داستاں ہے مرے درد کا نچوڑ　　دل سے نکل رہی ہے کہانی یہ دکھ بھری

پینتیس سال گزرے کہ کچھ اہل دل بزرگ　　اٹھے کہ اپنی قوم کی فرمائیں رہبری

ڈالی اک انجمن کی بنا اپنے ہاتھ سے　　اسلام کے لئے ہوئی جو وجہ برتری

اس انجمن کے واسطے اپنی تمام عمر　　کرتے رہے یہ دین کے خادم گداگری

تا آنکہ آگئی چمن علم میں بہار　　اللہ شاخ دین مصطفوی ہوگئی ہری

لاہور نور علم سے رخشندہ ہوگیا　　شرمندہ جس سے ہوگیا خورشید خاوری

پھر یک بیک ہوا گئی پنجاب کی پلٹ ‏ گردش میں آخر آہی گیا چرخِ چنبری
رجعت پسند ہوگئے ملت کے سنگِ راہ ‏ اسلام کی اجڑ گئی کھیتی ہری بھری
باطل کا غلغلہ ہوا افلاک تک بلند ‏ قرآں میں بند ہوگئی حق کی نوا گری
چاندی سمجھ رہے تھے جسے ہوگئی خزف ‏ ہیرا جو تھا وہ بن گیا پل بھر میں کنکری
سر جھک گیا حمایتِ اسلام کا وہاں ‏ کھٹکتا جہاں تھا کفر کو کلنیل سروری
اس وقت ہم کو کوئی سلیماں چاہیئے ‏ باطل اگرچہ دیو تو ہے انجمن پری

اے قوم مژدہ ہو کہ سلیماں بھی آگیا ‏ باطل ہوا اجنہ کا دعویٰ خود سری
جیبر دتیوں نے دین کا ڈنکہ بجا دیا ‏ ڈاغوشیوں کی اب نہ چلے گی فسوں گری
وقت آگیا کہ ہو علمِ اسلام کا بلند ‏ اقبال اس انجمن کے سفینے میں سکرٹری
نواب ذوالفقار علی خاں ہیں اس کے صدر ‏ کیوں جلوہ ریز اس میں نہ ہو شانِ حیدری

چشمہ ابل رہا ہے محمد کے نور کا
اب ہم ہیں اور اس میں ہماری شناوری

نظربندانِ ہند

ابوالکلام آزاد

آپ پر رکھتے ہیں کچھ حق حضرتِ آزاد بھی ۔ کشتۂ الفت جو شیریں ہے تو ہے فرہاد بھی

فضل الحسن حسرت

آپ کے اخلاصِ یگانہ سی کو استحقاق ہے ۔ تھا اسی زمرہ میں شامل حسرتِ ناشاد بھی

محی الدین احمد قصوری

ہے قصور ایسا ہی محی الدین احمد کا اگر ۔ آپ تو احسان کر سکتے ہیں دے کر داد بھی

فرزندانِ سردار ایوب خاں جنت آشیاں

آپ ہی اس بیکس بندوں کی کا سرپر ہیں ۔ جب نہیں ایوب خاں کو طاقتِ فریاد بھی
کیوں قفس میں بند ہیں یہ قمریاں جن کا گناہ ۔ طوق سے آزاد کر سکتا نہیں صیاد بھی

دوسرے نظربند

بامدادِ بارگاہ اوروں کو بھی ہے انتظار ۔ بندہ پرور دیجئے گا ان کی چپ کی داد بھی

۱۵ ستمبر ۱۹۱۶ء

ہنگامۂ نو

عید الفطر ۱۳۴۷ھ

اگر جاگا جہاں ایشیا خواب گراں سے ہے
چلا اک تیر اگر اس شوخ کی بانکی کماں سے ہے

اگر پھوٹی ہیں خورشید درخشاں سے نئی کرنیں
اگر چھوٹی یہ نور افشاں ہوائی آسماں سے ہے

اگر ٹپکا ہے جوش فصل گل رگ ہائے بستاں سے
اگر آلودہ دامن لالہ کا خون خزاں سے ہے

اگر چھیڑا ہے مظلومی کی فریاد دل نے گردوں کو
اگر اک آہ نکلی سینۂ ہندوستاں سے ہے

اگر آئی ہے عید اور لائی ہے پیغام آزادی
اگر یہ غلغلہ مشرق میں گلبانگ اذاں سے ہے

اگر قندھار میں بجتا ہے آج احرار کا ڈنکا
اور اس کی گونج ٹکرانے لگی دارالاماں سے ہے

تو یہ ہنگامہ ہے مخلوق فیض خواجۂ یثرب
اور اس ہنگامہ کی رونق امان اللہ خاں سے ہے

پیغامِ سحر

اسلام کی شوکت کا افسانہ سناتا ہوں — کیا اصل و حقیقت ہے دارا و سکندر کی
مسلم کی وہ طینت ہے کہ جو ساقیِ یثرب نے — وحدت سے معنبر کی ایمان سے مخمّر کی

پیغامِ سحر لایا پھر صبح کا سیّارہ
خورشید کے چہرے سے پھر چادرِ شب سرکی

امامِ تسبیح

وہ صبح صبح نہیں ہے وہ شام شام نہیں — بلائے تازہ کا جو لا رہی پیام نہیں
کھنچی ہوئی ہے ملیبار میں بھنوں سے — وہ تیغ اب بھی جو شرمندۂ نیام نہیں
کسی کو دار پہ کھینچا کسی کو ذبح کیا — یہ اور کیا ہے ہمارا جو قتلِ عام نہیں

بوقت ذبح وہ بسمل سے کہتے جاتے ہیں — یہ انتظامِ حکومت ہے انتقام نہیں

گریز ابھی سے کہاں ہو ابھی تو ہے تشبیب — قصیدہ اُن کی جفا کا ہوا تمام نہیں

وہ کون ہے جو نہیں آج کل اسیرِ فرنگ — سی۔ آر۔ داس نہیں یا ابوالکلام نہیں

تمام ملک ہے جکڑا ہوا شکنجے میں — پھر اس پہ کہتے ہیں ہندوستاں غلام نہیں

بحسرت اس پہ کہا ایک دوست نے مجھ سے — کہ اس گروہ میں شامل حسن امام نہیں

کسی سے جبکہ وہ رندی میں کم نہیں ہیں تو کیوں — شکستِ توبہ میں سرگرمِ اہتمام نہیں

وکیل بھی ہیں تو ننکانہ کے ہمنت کے ہیں — یہ اُن کے واسطے کیا شرم کا مقام نہیں

اگر حرام موالات مجھ غریب پہ ہے — تو ایسے چوٹی کے لیڈر پہ کیوں حرام نہیں

کہا یہ دوست سے میں نے وہ مرغِ دانا ہیں — حریص دانہ ہیں لیکن حریصِ دام نہیں

نہیں یہ قاید قوم اپنی قید کا قائل
شمارِ دانۂ تسبیح میں امام نہیں

ڈھکے اور گاؤ دی

آکر ملا ہوں مولوی احمد سعید سے
یہ دن مرے لئے نہیں کم روز عید سے

سرگرمی اُن کی دیکھ کے عقدہ یہ حل ہُوا
کھلتا ہے باب علم عمل کی کلید سے

مستشفعانہ رنگ کی تصویر کھینچ دی
مستسعدانہ رنگ کی گفت و شنید سے

لیکن اس اجتہاد میں مجھ کو کلام ہے
عنبر کا رشتہ آپ نے گانٹھا ہے لید سے

مانا کہ لیگ کرتی ہے ڈھکوں کی پرورش
پنجابیوں کی لابہ گری کی خوید سے

پیدا ہوئے ہیں دلی میں بھی تو یہ گاؤ دی
پروردگار شملہ کے لطف مزید سے

جن کا عقیدہ ہے کہ لیا جان بل نے چھین
وہ قرب جو خدا کو ہے حبل الورید سے

جو قفل اُن سے کھل نہ سکا خود بخود کھلا
پنجاب کے خلافتیوں کی کلید سے

دکھلا دیا مغالطہ کا نقشہ کھینچ کر
سرکار نامدار کے خونِ امید سے

اس طرح سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا
جائز ہے کس اصول قدیم و جدید سے

کس وقت سے ہوا نظری لَا تَنَابَزُوا
دہلی کی محفلوں کے کلام جدید سے

کارزار طرابلس

چمک اے تیغ روما کا نشاں ہو تو مٹانے کو — گرج اے توپ اٹلی کی دھوئیں ہو تو اڑانے کو

چڑھا اے ایماں اس چوٹی پہ جس پر کفر قابض ہے — بڑھا اے اسلام اور شوکت دکھا اپنی زمانے کو

ابھی تک گونجتی ہے کان میں آواز خالدؓ کی — سنیں گے ہم نشیں سے ہم اسی اگلے فسانے کو

مسلماں لاکھ بوڑھے ہوں مگر نام محمدؐ پر — خوشی سے اب بھی حاضر ہیں وہ اپنے سر کٹانے کو

خبر لیں حرمِ اٹلی کی اٹھ کر حضرتِ پاپا — کہ لشکر ترک کا ہے برقِ مضطر تلملانے کو

یہ پوچھے آسماں پر جا کے عیسیٰ سے کوئی کہدو — کہ نکلی آپ کی امت ہی قصرِ امن ڈھانے کو

تری تعلیم نے اُن کو بنایا گرگ مردم در — تجھے اے پوپ دیں پطرس نے جو بھیڑیں چرانے کو

یہ ڈاکو وہ بھی اُن سے چھیننے پر ہیں تلے بیٹھے — مسلمانوں کو روکھی سوکھی جو ملتی ہے کھانے کو

نہ مارا چھاپہ کیوں الجیریا پر اہلِ اٹلی نے — یہیں کیا مشعلِ تہذیب باقی تھی جلانے کو

بنایا ہے خدا نے محتسب تجھ کو زمانے کا — اٹھ اے برطانیہ امن و اماں قائم کرانے کو

ہماری طرح عالم کے مسلماں جان اور دل سے — تجھے حاضر ہیں سر پر اور آنکھوں پر بٹھانے کو

مسلمانوں کے دل کی آرزو اس وقت پوری ہو — کہ انگریزی میں سن لیں جارج پنجم اس ترانے کو

نالۂ صبح گاہی

حد بھی ہے کوئی اس ستم بے حساب کی
کب تک بُروں کی جان کو رویا کریں گے ہم

کیا یوں ہی جاگتی رہے گی قسمتِ فرنگ
اور یوں ہی اس کے سایہ میں سویا کریں گے ہم

بٹہ لگائے جائیں گے مذہب کے نام پر
ملت کی آبرو کو ڈبویا کریں گے ہم

آنکھیں بچھائے جائیں گے غیروں کی راہ میں
کانٹے خود اپنی راہ میں بویا کریں گے ہم

بنیاد ڈھائے جائیں گے ارکانِ شرع کی
جو پا چکے ہیں اُس کو بھی کھویا کریں گے ہم

دل کو پگھلنے کے لئے ایک عمر چاہیے
جب سے جبیں کے داغ کو دھویا کریں گے ہم

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی

جس کے ایثار سے ملت کی دوبالا ہوئی شان　　اس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمن

ان کے ماحول کو لاحول سے دیجے تشبیہ　　کہ ہوا پاس پھٹکتے ہی ففرقوا شیطان

جمع ٹوڈی ہوں جہاں گر یہ پہنچ جائیں وہاں　　نہیں ممکن کہ کسی طرح وہ ماریں میدان

تختہ دیتے ہیں الٹ سارے وفاداروں کا　　آتے ہی ان کے خطا ہوتے ہیں سب کے اوسان

کاسہ لیسان جہاں کی رگ جاں کو حق میں

دم شمشیر ہے اس شیر خدا کا ایمان

اصرار

جس کے ایثار سے ملت کی ہوئی کمتر شان　　اس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمن

کانگریس میں آنے کا اصرار

اسلام

نعرۂ اسلام

یہ نظم مسلم رضاکارانِ خلافت پشاور کے لئے لکھی گئی۔ اور انہیں یاد کرائی گئی تاکہ وہ علی الصباح اسے گلی کوچوں میں گاتے پھریں۔ اور مسلمانوں کو نماز کی دعوت دیں۔

علی الصباح خدا کو پکارے مسلم — نکل کے گھر سے وضو کر کے پیارے مسلم
پڑے جو کان میں حیّ علی الصّلوٰۃ کا شور — خدا کے گھر میں جا کر قرار لے مسلم
اتار پردۂ غفلت کو اپنی آنکھوں سے — اور اس کے عاقبت اپنی سنوار لے مسلم
ہے چند روز کی یہ زندگی غنیمت جان — خدا کی یاد میں اس کو گزار دے مسلم
نماز فرض ہے اس فرض سے نہ ہو غافل — بڑا یہ قرض ہے اس کو اتار دے مسلم

ہے ملت کی تمنا تو ایک سجدہ میں
عراق و نجد و عرب تار و تار ہے مسلم

---

۲۴ فروری ۱۹۲۵ء

کہ کَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلاً کے معنی ہیں یہی
کہ ملک اُن کی ہو جو بندے ہوں اسلام کے

صراط مستقیم

لاکھ قرآن کے مقابلہ میں — مدعی لائے ژند اور پاژند
حق وہی ہے جو ہے رسول کا قول — حق وہی ہے جو ہے خدا کو پسند
یہی وہ راہ راست ہے جس سے — کبھی بھٹکے نہیں سعادت مند
گرچہ باطل پرست چاہتے ہیں — ان کو پہنچائیں ہر طرح سے گزند
پست لیکن وہ ہو نہیں سکتے — مرتبے جن کے ہیں ازل سے بلند
نہیں بھولا ہیں قول سعدی کا — شور بختاں بہ آرزو خواہند

[illegible]

---

۱۸ [illegible] ۱۳۲۹ھ

اسلام کی ہمہ گیری کا راز

کل ملاک پادری صاحب مجھے بازار میں — خلقِ شیریں میں تھا جن کا مثالِ انگبیں
جمع ان کے گرد تھے کچھ آریہ کچھ مولوی — بن رہے تھے پادری صاحب مدارِ کفر و دیں
معترض سب ہندی الاصل اور وہ انگلش نژاد — ایک ہم رنگِ فلک اور ایک ہم رنگِ زمیں
آریہ صاحب کبھی کرتے تھے ان پر اعتراض — مولوی صاحب کبھی ہوتے تھے ان پر نکتہ چیں
اعتراض اس کا درشت اور نکتہ چینی اس کی سخت — یہ مجسم خشم و قہر اور وہ سراپا بغض و کیں
ایک کہتا تھا کہ عبارت کو کیا تو نے بھرشٹ — ایک کہتا تھا خرِ دجال ہے تو اے لعیں
خندہ پیشانی سے سنتے تھے وہ سب کے اعتراض — گالیاں کھا کے بھی ابرو پہ نہ لاتے تھے وہ چیں
دیکھ کر یہ شیوہ ان کا جس نے میری آنکھ میں — کھینچ دی تصویرِ حسنِ خلقِ رحمۃ للعالمیں
میں تو اپنوں کی حالت پہ نہایت ہی ملول — اور کہی غیروں کو میں نے بے تامل آفریں
پادری صاحب کی خدمت میں یہ میں نے عرض کی — اے جنابِ عیسیٰ مریم کی ملت کے امیں
آپ کے اخلاق کی وسعت سے دامن گیر دل — آپ کا طرزِ عمل ہے دل پسند و دل نشیں
صفتِ قاضی الحاجات کی بھی ہے عنایت آپ پر — آپ کی باچھیں ہمیشہ کھلکھلاتی ہی رہیں

بجے گا سطوتِ کبریٰ کا ڈنکا ساری دنیا میں
زمیں ملکِ یمیں ہوگی فلک زیرِ نگیں ہوگا

خلافت اقتدار اپنا زمانے پر بٹھائے گی
مطاعِ دہر قسطنطنیہ کا مسند نشیں ہوگا

اڑائے جائیں گے ابلیس کے قانون کے پرزے
کتابِ عدل کا شیرازہ بند آئیں ہی ہوگا

اسیرانِ جفا کی کاٹ دی جائیں گی زنجیریں
گلوئے ظلم کی گردن میں طوقِ آہنیں ہوگا

غلام آزاد ہوں گے تاکہ بخشا جائے تاج ان کو
جہاں میں عدل ہوگا لیکن احساں کا قریں ہوگا

ہر اک چھوٹا بڑا آزاد ہوگا فکرِ دنیا سے
نہ زید افسردہ دل ہوگا نہ عمرو اندوہگیں ہوگا

یہ سارے تجربے اسلام جب ناشکست ہوں گے
بلند آفاق میں اس دن سرِ مستضعفیں ہوگا

سیناستان

پیر کی اقتدا میں گر قصر ہو عصر کی نماز
کیا عجب اس سے منکشف مجھ پہ بھی خضر کا ہو راز

بادۂ آمنوا پیوں موت کے بعد میں حسیوں
مطلع فجر کی طرح ہو مری زندگی دراز

جھوم کے پی رہا ہوں میں جام مُتِمُّ نُورِہٖ
گھوم رہا ہے جام میں نشۂ بادۂ حجاز

دعوتِ داع ہو گئی درگروِ اِذَا دَعَان
یا کہ ہے خوابِ ناز میں چشمِ سیاہ نیم باز

دینِ قویم مصطفےٰ رحمتِ عام ہو گیا
تم سے ہی پاس کے اٹھ گیا شاہ و گدا میں امتیاز

لعل نگار کی طرح میری حدیث ہے لذیذ
گیسوئے یار کی طرح میرا فسانہ ہے دراز

میرے لیے ھُوَالَّذِیْ آپ کے واسطے اَنَا
آپ کو مجھ پہ اعتراض آپ سے مجھ کو احتراز

چاہیئے اہل ذوق کو سوز کے ساتھ ساز بھی
نغمہ جو ہو تو جاں نواز نالہ جو ہو تو دل گداز

تاجوروں کے رشک کو غالب وہ بنی ہوئی   سرمۂ دیدۂ بلالؓ غازۂ چہرۂ معاذؓ[1]
جس کو انہیں خبر نہیں شان رسولؐ ہی تو ہے   جس نے زمین خشک پر تھے کے چلا دیئے جہاز

عالم اعتبار ہے سلسلۂ امید و بیم   شرط ہبوط ہے صعود وجہ نشیب ہے فراز
مسلم سادہ کی بھی صاد اس پہ ہو گیا ضرور ہے   شوق سے لیجئے نکال کفر کی صورت جواز

علت اولیں ہے وہ علت آخریں ہے یہ
غور جو کیجئے تو ہے ایک بروز اور براز

---

۵ نومبر ۱۹۱۶ء

[1] تبدیل الذال با الراء بقاعدہ سخنوران عجم

اعتماد علی النفس

اے مسلماں غیر کیوں ہوں تیرے حق کے پاسباں
جب یہ طاقت خود ترے بازوئے فولادی میں ہو

کیا شہنشاہوں کا ہمیں ڈر جن کو ہو خوفِ خدا
اور پھر اس پر اکثریت جن کی آبادی میں ہو

توڑ ڈالو ایک جھٹکے میں غلامی کی قیود
شیر مردو! تم پلے آغوشِ آزادی میں ہو

ہو مبارک کاسہ لیسوں کو وطن کی دوستی
شامل ان کے بتاؤ کیوں تم اسکی بربادی میں ہو

برہمن لایا ہے مہر اور شیخ نے باندھا ہے عقد
کیوں پھر مسلماں عروسِ ہند کی شادی میں ہو

بھیج دو پنجاب اُسے اپنی تسلی کے لئے
شک جسے اسلامیوں کی نکتہ ایجادی میں ہو

---

۱۵ ستمبر ۱۹۲۸ء

NB

نازِ طبیب سے بے نیازی

اتنی ہی آرزو ہے مرے دل میں اے خدا | اسلام کو زمانہ میں دنیا جہاں میں سر بلند
دنیا میں سرنگوں نہ علم مصطفےٰ نہ ہو!!! | ہم خواہ خود ذلیل ہوں اور خواہ ارجمند
میداں میں نقیب سے یا رب جدا نہ ہو | پھر قطب کائنات کو توحید کا سمند
مسلم خود اپنے درد کی تجویز کرے دوا! | نازِ طبیب کا نہ کبھی ہو نیاز مند
ضامن ترا ہے نسخۂ تعویذ مصطفےٰ | پھر چاہیے زمانہ سے تجھ کو کس طرح گزند
خواہی کہ خاک پاک رسول خدا شوی | دل را بیاد خواجہ، طاعت دوبند

آئی فلک سے کان میں آہستہ یہ صدا
یہ نظم دل کشا ہے فرشتوں کو بھی پسند

لا تایئسوا من روح اللہ

اقبال کے زوال کا پیغام آ گیا
یہ آفتاب ڈھل کے لب بام آ گیا

برطانیہ کو مل گئی دولت عراق کی
اور حصۂ فرانس میں بھی شام آ گیا

فرطِ ادب سے جھک گئیں یاروں کی گردنیں
سر جان سائمن کا جہاں نام آ گیا

رجعت پسند کو نہ ملی جب کوئی دلیل
جھٹ لے کے اک خریطۂ دشنام آ گیا

خوش خوش تھے یہ حریف کہ اتنے میں دفعتہً
لا تقنطوا پکار کے اسلام آ گیا

---

۱۶ فروری ۱۹۲۸ء

اسلام کی بجلی اور شدھی کا خرمن

چریں گے کن علف زاروں میں اب اسلام کے گلّے
کہ بھر دیں کفر کے ڈھوروں نے بھارت کی چراگاہیں

اجازت مل گئی ہے آریوں کو مالوی جی سے
کہ حلقہ ڈال دیں شدھی کا جس کے کان میں چاہیں

کسی جوہت کو بہکایا کسی سیّچے کو پھسلایا
دھرم ارتھ اُن کو دیتا ہے اسی مطلب کی تنخواہیں

کہیں فقر اور ناداری کہیں جہل اور ہوسناکی
حرم کے رہزنوں نے بتکدے کی کھولدیں راہیں

ہر اک مسجد پہ جھنڈا اوم کا لہرانے والا ہے
ہر اک مندر میں ہیں گم ان دنوں ایسی ہی افواہیں

گریں گی بجلیاں ان سارے منصوبوں کے خرمن پر
اگر ابھریں یکایک سینہ سے اسلام کی آہیں

لاہور ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۲۷ء

جلال آباد

جو کڑک کر گر چکی ہے بارہا بغداد پر
آج ٹوٹی ہے وہی بجلی جلال آباد پر

پابگل کابل میں حق ہے اور ہے باطل سربلند
استوار ارکان دیں ہیں جہل کی بنیاد پر

میرے بچوں کو نہ یوں اے ظالمو کافر بناؤ
دیکھئے اٹھتا ہے کون اسلام کی فریاد پر

برملا بے دیں کہا جس نے امان اللہ کو
آفریں تہذیب اسلامی کے اُس استاد پر

اُن کی آنکھوں میں کبھی کھٹکا نصاریٰ کا بھی کفر
ہے نظر جن کی امان اللہ کے الحاد پر

میں ہوں آزاد اسلئے کافر بھی ہوں ملحد بھی ہوں
حکمتیں صدہا نثار اُس کے اک اس ارشاد پر

غیرت تابع ہے اُس کی مسلمانوں کی طرح
قتل ہے ہیں سارے مرتد بھی اگر ارتداد پر

لاکھ مومن ہو مگر تسبیح پاسکتا نہیں
شور بازاری غلام اک عاشق آزاد پر

عاملان شورش اعظم کی ہاں شفقت سے نثار
میری طبع نکتہ رس کی شیریں افتاد پر

---

۱ مارچ ۱۹۲۹ء

جواہر پارے

(۱)

جائزہ ہند میں اسلام کا ہم نے جو لیا — تو مساجد کے عوض چند شوالے نکلے

نہ غزالی ہے نہ رازی ہے کتب خانوں میں — میز پہ ہال ہیں تو بستر سے مکالے نکلے

شرک سے جا کے یہ کہہ دو کہ ہے توحید وہ چیز — جو نہ روکے سے رکے اور نہ نکالے نکلے

وادیٔ عشق میں کانٹوں نے نکالا جب سر — پیشوائی کے لیے پاؤں کے چھالے نکلے

اس شرافت کے عوض جس سے تجمل ہو دولت — چند بوسیدہ و فرسودہ قبالے نکلے

نہ فضیلت ہی باقی نہ شجاعت قائم

متیں ہوگئیں یاروں کے دوالے نکلے

(۲)

جب پہیلیاں سنائیں اس نے مجھے تو میں نے — سیدھی سی بات کہہ کر سب پول کھول ڈالے

ہے مدعی قلندر اور طعنہ اُس کا بندر　　آیا ہے۔ قلندر گردن میں ڈھول ڈالے

تارِ نظر سے بٹ کر جادو کی ڈور ہیں نے　　چاہِ ذقن کے اندر الفت کے ڈول ڈالے

لذتِ رسولِ اکرم اک گنج شائگاں ہے　　تھے اس میں جتنے موتی سب ہیں نے رول ڈالے

عقلِ گرہ کشا نے ایمان کی بدولت
سب عقدہ ہائے مشکل ناخن سے کھول ڈالے

(۳)

"مولوی ظفر علی خاں کی"　　سُرخی "الفضل" کی ہے یہ بانگی

حضرت میرزا بشیر الدین　　جو ہیں تصویر شانِ یزداں کی

جن سے ہونا گناہ کا ہے محال　　کہ ہے تخصیص یہ تو انساں کی

ہم "قلم" "الصباح" کے ہو کر　　بن گئے شکل رعد و طوفاں کی

طعنہ دیتے ہیں سہو کا ہم کو　　ہے جو لکھ کر ہمارے نسیاں کی

کہ کہا ہم نے "بعض" کو کیوں "بعد"　　مسخ کیوں ہم نے شکل قرآں کی

بات یہ ہے کہ آپ کے گھر سے　　ہم کو نسبت ہے دست و داماں کی

ہم کو مشاطگی ازل سے ملی　　آپ کے کاکلِ پریشاں کی

گالیاں ہم کو اور دے لیں آپ — جس سے رونق ہو تازہ دکّاں کی

قادیاں کی بجائے ہم کو پناہ — ملی یثرب کے میر ساماں کی

فخر اپنے گناہ پر ہے ہمیں — کہ ہے رحمت حجاب عصیاں کی

کل رفو ہوگا آپ کا دامن

آج جو شکل ہے گریباں کی

---

۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۱۷ء

صلیب و ہلال

جو کشمکش ہے آج صلیب و ہلال میں
گزری نہ تھی کبھی مرے وہم و خیال میں

حق پا بگل ہے باسفورس کے کنارہ پر
باطل ہے سر بلند دردانیال میں

لہرا رہا ہے بام حرم پر لوائے کفر
لپٹا ہوا ہے کعبہ کا پرچم ضلال[?] میں

اقصائے شرق و غرب میں اک حشر ہے بپا
پھیلا ہوا ہے فتنہ جنوب و شمال میں

وہ زخم دل کشا نئے سر سے ہرے ہوئے
آئے نہ پائے تھے جو ابھی اندمال[?] میں

مسلم کے خوں سے مشرق و مغرب ہیں لالہ زار
گزرے ہیں سات سال جدال و قتال میں

شرع نبیؐ ہے دستخوشِ جولاتِ[?] فرنگ
سب فرق مٹ گیا ہے حرام و حلال میں

بینوائیوں[?] کے صبر و رضا کا ہے امتحان
طاغوتیوں کے درس گہِ[?] اشتعال میں

یہ حال اپنے دوست کی امت کا دیکھ کر
بل پڑ گیا خدا کی جبین جلال میں

پہلے تھی ہم سے کفر کی اب ہے خدا سے جنگ
کچھ شک نہیں رہا ہے اب اس کے زوال میں

شراب تیز کا ایک جرعہ

اٹھے بار دو کے مانند خود اور لے اٹھے مجھ کو
مرا پیمانہ ساقی اس شراب تیز سے بھر دے

نہ اس سے ڈر کہ ہو کار دگر اس ساغر مستانہ آور
اسے اک اور صہبائے جنوں انگیز سے بھر دے

ابھی چھپا کا نہیں ہے اور بھی دو چار گھونٹ آئیں
خمستان میں مری دولت کا خم انگیز سے بھر دے

اگر خم خانہ خالی ہو چکا ہے مئے سے غالب کا
تو اٹھ اور ایک کنٹر مئی سن کی بیئر سے بھر دے

اٹھانا ہے رخ دلدار سے پردہ اگر تجھ کو
ملونی لا کے کچھ شیراز اور تبریز سے بھر دے

پلا کر بادۂ رنگیں ہرے سوئے شبستاں کو
پری رویان شوخ و شنگ بے پرہیز سے بھر دے

دلوں پر چشم نرگسیں سے کے ڈال کر ڈورے
مشام جان کسی کی زلف عنبر بیز سے بھر دے

اگر کرنی ہو گلچینی گلستان معانی کی
تو دامان خیال اس خامۂ گلریز سے بھر دے

---

۱۴ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء

اسلامی نظمیں

صادق پریس لاہور۔ بیرون موری دروازہ میں باہتمام حکیم محمد عبدالرحیم پرنٹر و پبلشر چھپ کر
گجرات پنجاب [illegible] شائع ہوا

نماز

پڑھتے نہیں ہیں قوم کے لیڈر نماز کیوں
کم ہو گیا ہے قوم سے یہ امتیاز کیوں

ہوتی نہیں ہے سجدہ فشاں صبح اور شام
درگاہِ کبریا میں جبینِ نیاز کیوں

ارشادِ ایزدی سے ہوا اعتراض کس لئے
فرمودۂ رسول سے ہے یاں احتراز کیوں

آقا سے کیوں غلام نے کی ہے یہ سرکشی
محمود سے ہوا ہے عنان تاب ایاز کیوں

ہم کو خبر سلف کی روایات کی نہیں
ناآشنا ہے شانہ سے زلفِ دراز کیوں

قرآن میں جب ہے عمل ہی مسلمان کا شاہد
ہوتا قبول تم سے حقیقت مجاز کیوں

مرشد ہیں آج زندہ ہو تم تو پوچھئے
شہرہ کر رہے ہو مجھے بے نماز کیوں

تم بے نماز ہو تو بلا سے، ہوا کرو
لیکن مجھے بتاتے ہو وجہِ جواز کیوں

بہتر یہی ہے چپ رہو پردہ تمہارا ڈھکا ہے
دیتے ہو مجھ کو زحمتِ افشائے راز کیوں

آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں
اس رخ سے منہ پھیر کے سیرِ مجاز کیوں

دنیا گذشتنی ہے تو دولت گذاشتنی   اس ڈھلتی پھرتی چھاؤں پہ اس درجہ ناز کیوں

ساقی شراب غرب سرور آفریں نہیں
دیتا نہیں ہے مجھ کو شئے خانہ ساز کیوں

---

۲۰ جون ۱۹۱۲ء

سعادت ازلی

اللہ کے جوار رضا سے کبھی جیتا   سی ہیں شقی ازلی سیرت سے بیگو
شیطان ساتھ ساتھ شکل یزید کا   سب کہہ رہے ہیں کہ منہ کا بانی پیدا

مدینہ منوّرہ

چشمہ اُبل رہا ہے مدینہ میں نور کا — ہر اِس کی موج رقص سے میرے شعور کا
چھنتا ہے جلوہ اس کی فضا سے تجلیات — صبح ازل سے نور سعادت ظہور کا
ایک ایک سنگ کوۂ احد کا مرے لیے — ہم سنگ ہے خدا کی قسم کوہ طور کا
بہتا پگھل پگھل کے ہے آنکھوں کی راہ سے — انجام تھا یہ میرے دلِ ناصبور کا
دہلیزِ مصطفےٰ سے مرا سر لگا رہے — [illegible] نہیں ہیں جنت و حور و قصور کا
سر خاک پہ ہے اور تصور ہے عرش پر — کچھ کہہ جو نصیب ہوا جب حضور کا
اے ربِ کعبہ میری خطا کو معاف کر — [illegible]
آداب جانتا نہیں سرشتۂ حال سے — کچھ بھی نہیں ہے علم مجھے ان امور کا
اس سے کم نہیں ہے مرا مدعا کہیں — رکھتا ہوں دل میں شوق طوافِ قبور کا
ختم رسل پہ بھیج رہا ہوں سلام میں — میرا یہ زمزمہ ہے ترانہ زبور کا

دل میں جو ہے وہ آ نہیں سکتا زبان پر
خود اعتراف ہے مجھے اپنے قصور کا

مدینہ منورہ

ہندوستان کے مسلمان کا گناہ

ان کی جبیں پہ چیں ہے اور ابرو میں ہے شکن
چہرہ ہے خشمناک تو آنکھیں ہیں قہر پاش

دیتے خطاب ہیں کبھی مجھ کو شریر کا
مجھ کو پکارتے ہیں کبھی کہہ کے بدمعاش

میں خود ہی اپنے جرم کا ہوتا ہوں معترف
ناحق وہ کر رہے ہیں مرے جرم کی تلاش

بے شک میں بدمعاش بھی ہوں اور شریر بھی
آنکھوں پہ اور سر پہ یہ القاب جاں خراش

میری خطا یہ ہے کہ کیوں میں نے کر دیا
سنگ جفا سے شیشۂ ایماں کو پاش پاش

میرا قصور یہ ہے کہ اُن کی گلی میں کیوں
گاڑی نہیں ہے میں نے دلِ بے نوا کی لاش

میرا گناہ یہ ہے کہ کیوں میں نے کر دیا
رازِ غلامیٔ صد و پنجاہ سالہ فاش

پھر وہی تو اور وہی تیرا شبستانِ غم تنہا

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ

مَّعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ

وہ کون ہے جو مضطر لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے۔ اور بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔ اور تم کو سلطنتوں کی خلافت عطا کرتا ہے۔ کیا وہ خدا کے علاوہ کوئی اور خدا ہے تم سوچو! تو اس سوال کا جواب دے سکتے ہو۔ مگر تم سوچتے ہی کم ہو۔

بجا ہے میں نے کل شکوہ کیا تھا   کہ بگڑی ہوئی ہے میری تقدیر
سحر خیزی مری جاتی ہے بیکار   دعائیں ہیں مری خالی تاثیر
ابھی یہ شکوہ میں کر ہی رہا تھا   ندا آئی کہ کیوں ہوتا ہے دلگیر

بھروسہ رکھ ہماری مکرمت پر
سکھایا تھا سکھائیں گے ابھی تدبیر

---

۲۸ اکتوبر ۱۹۴۱ء

تکمیلِ ایمان

زکوٰۃ اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا اور نماز اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

دل اُن کا خوفِ غیر اللہ سے خالی نہ ہو جب تک
مسلمانوں کی آزادی کا ساماں ہو نہیں سکتا

وہ ہوگا اور ہی کوئی جو بکتا ہو ٹکوں پہ
میں اپنی صاف گوئی پہ پشیماں ہو نہیں سکتا

عتابِ انگریزکا ان سب مری باتوں کی قیمت ہو
قیامت تک مرا رخ اس سے گرداں ہو نہیں سکتا

لگائیں مجھ پہ فتوے کفر کے یہ سب کے سب مل کر
میں ان کی گرمیٔ چشم سے ہراساں ہو نہیں سکتا

---

۲۵ مئی ۱۹۲۹ء

لیکن جو کام آسکے نہ ابن سعود کے
چاہیں لگا کے شہد ہم ایسی مٹانہ کو

---

۱۱ جنوری ۱۹۲۹ء

تاجِ سلیمان

شکستِ اہلِ یونان اگر کھا رہے ہیں
تو اپنے کیے کی سزا پا رہے ہیں

سنبھل جائیں جنگ آزمایانِ یورپ
کہ ترکانِ احرار گرما رہے ہیں

وہ کُرد و گرجان جب سے البرز کے
سرِ کفش پر ترک پرسا رہے ہیں

خود اپنے حریفوں کو ہاتھوں سے کرکن
خلیفوں کا تخت الٹوا رہے ہیں

ہوا مصطفیٰ کا جلال آشکارا
حنین اور بدر آج یاد آ رہے ہیں

فرشتوں کے جھنڈے آسماں سے اتر کر
خلافت کو امداد پہنچا رہے ہیں

یہ غارت گری ہو کہ افسوں گری ہے
مراکش بھی جس سے وہ لٹوا رہے ہیں

ہرہرے وہرکارے

شتربانوں کو بخشی جا رہی ہے پھر جہانبانی
عرب کی ریت کے ذرے بنے گردوں کے سیارے

حجاز اور اس کی تطہیر آئی حصے نجد والوں کے
کہا سچ کہنے والے نے کہ ہرہرے وہرکارے

خدا کی رحمتیں ابن سعود اور اس کی دولت پر
جسے ڈھب یاد ہیں اقبال کی تسخیر کے سارے

الٹ جاتی ہے جب تقدیر کام آتی نہیں طاقت
نہ چل سکتی ہیں بندوقیں نہ اڑ سکتے ہیں طیارے

علی اور اس کے اخوان ایک بھی میداں نہیں جیتے
سعود اور اس کے اخواں ایک بھی بازی نہیں ہارے

بداوت کو حضارت سے پڑا پالا تو دیکھو گے
دھرے رہ جائیں گے قانون انگریزی کے پشتارے

سکھا سکتے ہیں تہذیب آج بھی صحرا نشیں ان کو
جو ہیں اس دور کی شائستگی کے عرش کے تارے

حرم کی طرح جدہ پر بھی اہل نجد قابض ہیں
مخاطب کس سے جا کر ہوں اب اہل جدہ بیچارے

سلامت گنبد خضرا کو جا کر جب وہ دیکھیں گے
عجب کیا ہے جھکا لیں اپنی گردن شرم کے مارے

ابلنے لگ گیا پھر چشمۂ نور ان اماکن سے
جو تھے ایام سابق میں سیہ بختی کے گہوارے

حجاز اب ملت بیضا کی رعنائی کا گھر ہوگا
بجیں گے اب یہاں اسلام کی شوکت کے نقارے

۲۶ دسمبر ۱۹۲۵ء

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ

کچھ اس کی بھی خبر ہے تجھ کو اے مسلم کہ آ پہنچی — وہ ساعت جو نہ ہو لے سے کبھی لیکن ہے ہم ٹلنے کا

بھڑک اٹھی وہ آگ اسلام نے جو دبکی بجھی ہوئی تھی — کیا ہے کفر نے ساماں ترے خرمن کو جلنے کا

گھٹائیں پھٹ پڑیں تیرے غبار آلودہ ہونٹوں پہ — تماشا دیکھ لے حسرت سے مرہم کو اُبلنے کا

تجھے تہذیب مغرب سبز باغ اپنا دکھاتی ہے — یہ ساماں ہو رہا ہے تیری نیت کے پھسلنے کا

ترا اخراج قسطنطنیہ سے شاید نشاں ہوگا — امام مہدی برحق کے میداں میں نکلنے کا

اگر قرآں کا وعدہ سچ ہے اٹھ کچھ مشکل نہیں یہ بیچ میں — تو وقت آ ہی گیا ہے کفر کے سورج کے ڈھلنے کا

رسول اللہ خود گرتے ہوؤں کو تھام لیتے ہیں — تجھے اے بے خبر ہر وقت موقع ہے سنبھلنے کا

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

---

۲۲ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

زہر اور اُس کا تریاق

کسو گے تم نہ جب تک پیچ پُرزے شرع کی کل کے
شکنجہ مغربی تہذیب کا ڈھیلا نہیں ہوگا

خروشِ لہر تھم سکتا نہیں گردوں کے حلقوں میں
مرورِ رشتۂ حبل القرآن تو ڈھیلا نہیں ہوگا

مسلماں تھام لیں گے جب رسول اللہ کا دامن
موثر کافروں کا کوئی بھی حیلہ نہیں ہوگا

ڈسیں گے پھر بھی یہ افعی کہ ڈسنا ان کی فطرت ہے
مگر اس وقت ان کا ڈنک زہریلا نہیں ہوگا

شجرِ اسلام کا پھولا پھلا ہوگا خزاں میں بھی
کوئی برگ اس درختِ سبز کا پیلا نہیں ہوگا

مضیٰ ما مضیٰ

کچھ آج اپنی مصیبت کا ماجرا کہیے
مگر جو کہیے وہ سچ کہیے اور سچا کہیے

ہر اک جفا کی حقیقت الگ الگ کہیے
ہر ایک ظلم کا قصہ جدا جدا کہیے

کبھی خود اپنے چلن کی برائیاں گنیے
اور اس کو اپنی حسن رائی کی ابتدا کہیے

درازیِ شبِ فرقت کی داستاں ہے اگر
کمی رہی ہو تو کوتاہیِ قضا کہیے

عرب کی خاک اڑی ہوگیا عجم پامال
ستم ہوئے ہیں وہ اسلام پر کہ کیا کہیے

یہ کیا غضب ہے کہ گھر کو لگا کے آپ ہی آگ
پھر اس کو شوخیِ تقدیرِ نارسا کہیے

کیا ہے حملہ خود اپنی ہی فوج پہ ہم نے
ستم ہے اس کو بھی دشمن کی کج ادا کہیے

ہماری تیغ ہمارے ہی خون میں پھر گئی
اسے بھی شوق سے قاتل کی اک ادا کہیے

جھکا ہوا علم اب سربلند ہے تو اسے
حضورِ خواجۂ کونین کی دعا کہیے

رگِ حرم سے بہا ہے جو خونِ ناب اس کو
عروسِ تخت کی رنگینیِ حنا کہیے

عجم کی خاک ہے گلرنگ خونِ مسلم سے
اسے قبا تو اسے تکمۂ قبا کہیے

دلِ عرب کبھی ترکوں سے مل نہ سکتا تھا
ملا تو اس کو خلافت کا خوں بہا کہیے

بزعمِ عیسیٰ مریم لما سبقتانی ۔۔۔ نہ کہئے بلکہ جو کہئے تو ما قلیٰ کہئے

بزعمِ مومن قانت شب بلا سر سے ۔۔۔ جو ٹل گئی تو مضیٰ کہہ کے ما مضیٰ کہئے

نہیں رہا ہے ذرا اندازیٔ رقیب کا خوف ۔۔۔ اب اٹھ کے بزم میں جو کہئے برملا کہئے

بقول غالب اگر پار اُتر گئی کشتی

"خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہئے"

صفیرِ سروش

فلا تعجل علیہم سن کے بھی تجھ کو نہ صبر آیا ۔۔۔ مگر یہ ناصبوری مقتضا ہے تیری فطرت کا

نظر آتے تجھے معلول و علت کے تہ عالم ۔۔۔ اٹھا سکتا اگر تو پردہ ایزد کی مشیت کا

تری آنکھوں سے اوجھل وہ حیاتِ نو ہے دنیا کی ۔۔۔ تصرف جس میں پنہاں ہے خدا کے دستِ قدرت کا

وہ امت کی حیاتِ جاوداں کا ساز و ساماں ہے ۔۔۔ تجھے نقشہ نظر آیا ہے جن پر جو قیامت کا

جسے تعبیر سیلابِ حوادث سے کیا تو نے ۔۔۔ حقیقت میں وہ اک انداز ہے دریائے رحمت کا

سمجھتا ہے تباہی تو جسے اسلام والوں کی ۔۔۔ وہ در اصل اک نیا انداز ہے احیاءِ ملت کا

حرم کیا ہے فقط اک جذبہ ہے جس کی جہانگیری
خراج اقلیم جاں سے لے کے لیتی ہے اخوت کا

فقط سامانیاں اسمیں نہیں ہیں اینٹ پتھر کی
بگڑنا کس طرح ممکن ہے ہے بن کر اس عمارت کا

یہ جو کچھ ہو رہا ہے ہو رہا ہے ایک مقصد سے
تحفظ اس سے ہے مقصود ناموس شریعت کا

ڈبوئے جا رہے ہیں ہر طرف کفار کے بیڑے
مٹایا جا رہا ہے ہر طرف نقش انکی عظمت کا

کہاں ہیں رومتان اور ہو گئی کیا سلطنت انکی
ابھی کل تک جہاں میں غلغلہ تھا جنکی صولت کا

کدھر ہیں پیپرگ اور کیا ہوئی انکی شہنشاہی
کہ تھی عثمانیوں کے حق میں اک پرکالہ آفت کا

خدائی کے ہوائی مٹ گئے اور مٹتے جاتے ہیں
وہی رہ جائیں گے کچھ پاس ہے جن کو امانت کا

خدا ہرگز نہیں کرتا فراموش اپنے بندوں کو
اگر بندے ادا کرتے ہیں فرض اس کی طاعت کا

بڑھا ہے چاند گھٹ گھٹ کے بڑھی ہے موج ہٹ ہٹ کے
اسی انداز سے ہوگا عروج اک دن خلافت کا

انہیں آتش بجانوں کا حیات دہر میں حق ہے
جو رکھتے ہوں ہمیشہ شوریدہ سر سودا شہادت کا

مسلماں جی نہیں سکتا ہے مر لیتا نہیں جب تک
یہ دریا چڑھ نہیں سکتا اتر لیتا نہیں جب تک

فریادِ جرس

کل کہہ رہے تھے ایک محبِّ وطن بزرگ
ہندوستان رہنے کے قابل نہیں رہا

انساں سے چھین لی گئی آزادیِ ضمیر
لیلیٰ کے ناقہ کے لیے محمل نہیں رہا

تھا نشترِ حق کا تیز بھی خونریز بھی، مگر
کچھ دن سے درخورِ رگِ باطل نہیں رہا

لندن کی عافیت کبھی جس سے ہوئی تھی تنگ
زنداں میں اب وہ شورِ سلاسل نہیں رہا

سچ اور جھوٹ میں نہیں باقی رہی تمیز
اور امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

ہم آپ اپنی راہ کے سنگِ گراں بنے
رہبر ہی کو فکرِ دوریِ منزل نہیں رہا

آزادیِ حیات کی جس دل میں تھی تڑپ
اب پہلوئے وطن میں وہی دل نہیں رہا

جو کوشش آشتی کی ہوئی رائیگاں گئی
اور کوئی اتحاد کا قائل نہیں رہا

پھر کس سے یہ شکوہ کہ لطفِ خدائے پاک
ہندوستاں کے حال کو شامل نہیں رہا

ہندو کی آنکھ کاش زمانہ ہی کھول دے
مسلم تو اپنے فرض سے غافل نہیں رہا

حنفیّت

وہ اگلے زمانے کے مسلماں کہاں ہیں — اسلام کی عزّت کے نگہبان کہاں ہیں
جو چھوٹ نہ سکتا تھا وہ سر رشتہ کیا ہوا — جو ٹوٹ نہ سکتے تھے وہ پیمان کہاں ہیں
وہ آنکھ کدھر ہے جسے کہتے تھے جہاں بیں — حق بات جو سُن لیتے تھے وہ کان کہاں ہیں
جھکتی تھیں جہاں قیصر و کسریٰ کی جبینیں — اُس قصر فلک بوس کے دربان کہاں ہیں
جو چھین لیا کرتے تھے اعدا کے دلوں کو — یاروں کے وہ اخلاق وہ احسان کہاں ہیں
پڑ جائے ابھی زلزلہ آفاق میں لیکن — ابرو پہ شکن پڑنے کے سامان کہاں ہیں
ظالم کی بدی کی بھی ہوئی تھی جو روادار — رحمت بھری اُس فقہ کے عنوان کہاں ہیں

منہ پر حنفیت ہے مگر دل میں خرافات
تقلید کریں جن کی وہ نعمان کہاں ہیں

---

۱۶ دسمبر ۱۹۲۶ء

مارا نص کے باید نہ فص

خیز تا خرقۂ صوفی بہ خرابات بریم

دکھا کے حال والوں جیسے ہی ہو تم ۔۔۔ لگا کے دار پر حیات امم کو

جو قوت ہو باز دیں اور دل میں ایمان ۔۔۔ تو ہستی ہٹا دے گی نقش عدم کو

سمجھ کر مگر موت کو زندگی تم ۔۔۔ تصوف کی پٹی پڑھاتے ہو ہم کو

بہایا ہے اسلام کا خون تم نے ۔۔۔ پھر اس خوں سے کرتے ہو رنگیں حرم کو

گرایا زمیں پہ ہمیں آسماں سے ۔۔۔ بنایا گدا تم نے دارا و جم کو

خدا تم کو ٹھہرائے تم نے بتایا ۔۔۔ مرادف الف لام میم اور الم کو

ولایت کو سمجھا رسالت سے افضل ۔۔۔ خدا کی جگہ پر سمجھتے ہو صنم کو

طریقت تمہاری شریعت ہماری ۔۔۔ مبارک تمہیں عیش اور لاش ہم کو

یہاں آؤ قرآن تم کو پڑھائیں
لئے پھرتے ہو کیا فصوص الحکم کو

عبرت

وہ امت جو دنیا میں خیر الامم تھی — ارادہ تھا جس کا خدا کی مشیت

ہوئی ہند میں اپنے مرکز سے ایسی — کہ آج اس کا مذہب ہوا لا مرکزیت

نہ خوفِ خدا ہے نہ شرمِ پیمبر — شریعت ہے بازیچۂ نفسیت

بنایا تھا حیواں کو جس نے انساں — اُس امت سے خود گم ہوئی آدمیت

نہ دنیا کی رفتار کا علم ہے کچھ — نہ اسرارِ دیں سے ہمیں واقفیت

سبق یاد کر کے چکے حرص بدنداں — سبب اب ہم پہ بھاری ہوئی اکثریت

پرایوں سے پہنچا نہیں رنج اتنا — ملی ہم کو اپنوں سے جتنی اذیت

بدل جائیں جب خود طریقے ہمارے
تو پھر کیوں نہ بدلے حریفوں کی نیت

---

۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء

ہمارا ماضی و حال

کبھی بامِ ثریا سے بھی اونچی جو عمارت تھی
وہ قصرِ سطوتِ کبریٰ کی رفعت سے عبارت تھی

ہوئی حجت خدا کی ختم آخر نوعِ انساں پہ
مکرّر دی گئی جس کی زمانہ کو بشارت تھی

نہ ملتا تاج اسے کیوں رحمۃ للعالمین کا
کہ اس کو دی گئی بزمِ نبوت کی صدارت تھی

اک امی ایک ٹہوکے سے کرے سو فلسفی پیدا
نہ پوچھا فلسفہ اس کا یہ اک ایسی بجھارت تھی

نمازیں آبِ خنجر سے وضو کر کے پڑھتے تھے
اسی پانی سے مومن کی ہوا کرتی طہارت تھی

اَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ اپنی فراغت کا وسیلہ تھا
جہانداری تو مسلم کے لئے بڑھ کر تجارت تھی

قبا ہوتی تھی اوپر اور نیچے خرقہ ہوتا تھا
وہ دنیا دیں نہ ہو جس میں یہاں اس سے حقارت تھی

ہمارا ظاہر و باطن ڈھلا تھا ایک سانچے میں
بصیرت تھی دلوں میں اور آنکھوں میں بصارت تھی

نہیں ابجد شناس اغیار اب تک ہو سکے اس سے
ہمیں جس علم پہ قدرت تھی جس فن میں مہارت تھی

ہمارا سر نہ جھکتا تھا کسی فرعون کے آگے
رگوں میں شیر خوں تھا اور اس خوں میں حرارت تھی

تجاوز کر نہ سکتے تھے حدِ اُن میں احسن جو
کہ حسنِ خلق کی اوراقِ قرآں میں اشارت تھی

الٰہی آج کے دن وہ نہیں ہیں جو کسی دن تھے
تو یہ قسمت کی شوخی تھی مقدر کی شرارت تھی

طاقتِ ایمان

وطن کو میں چمنستاں بنا کے چھوڑوں گا
اور اس کی صبح کو خنداں بنا کے چھوڑوں گا

ہر ایک وقت کے دارا کو اور سکندر کو
میں اپنے قصر کا درباں بنا کے چھوڑوں گا

میں نام لے کے محمدؐ کا ان زیر دستوں کو
حریف رستم و دستاں بنا کے چھوڑوں گا

ادب نماز کے اوقات کا وہ سیکھے گی
میں کانگرس کو مسلماں بنا کے چھوڑوں گا

لہو شہید کا لوں گا اور اس کی سرخی کو
میں غازۂ رخ ایماں بنا کے چھوڑوں گا

ہزار جبر میں پنہاں ہے جس کی دشواری
میں اس کو صبر سے آساں بنا کے چھوڑوں گا

سنٹرل جیل لاہور
۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء

فخر و ننگ

میں اپنی قوتوں کو اگر منتظم کروں
گردونِ تیرہ چشم کی گردن کو خم کروں

اعلائے حق سے لشکرِ باطل کو دوں شکست
اعدائے حق کو عرصۂ تیغِ دودم کروں

ٹوٹے طلسمِ شرک ھُوَ اللہ کا نشاں
آئینۂ افق پہ اگر مرتسم کروں

اک بات میں شریف گرے سات ذات سے
میں سر کے بل جو عزمِ طوافِ حرم کروں

لکھوں اگر خلافتِ عظمیٰ کی داستاں
ہر ہر ورق کو روکشِ صحنِ ارم کروں

گاندھی خود آئے چل کے محمد علی کے گھر
پڑھ کر اگر میں سورۂ اخلاص دم کروں

ہے امرِ خواجۂ دو سرا اَخْرِجُوا الْیَہُوْد
سارا جہاں ہو پاک جو میں خیر کو علم کروں

ہو غلغلہ لَقَدْ صَدَقَ اللہ کا بلند
فتحِ قریب کی جو بشارت رقم کروں

پہلا سبق ملا ہے الف لام میم کا
پھر کیا ضرور ہے کہ میں شرحِ الم کروں

یارب ترے کرم سے شکایت ہو کیا مجھے
میں جانِ ناتواں پہ جو خود ہی ستم کروں

بٹہ لگا دوں آپ اب و جد کے نام کو
اپنی غرض کو کفر کے مقصد میں ضم کروں

اپنوں سے تاج چھین کے ڈالوں پرائے کو
برطانیہ کی نذر عرب اور عجم کروں

اپنا گلا بھی کاٹ لوں اپنے ہی ہاتھ سے
پھر مرثیہ بھی آپ ہی اپنا رقم کروں

ہے میری ذلتوں کا مضمون بہت وسیع
وسعت کہاں کہ اس کو سپردِ قلم کروں

مئے باقی

نو بہار است ساقیا برخیز
مئے باقی بجام مسلم ریز

ماسوی سے سوا ہو کم جس کا
کیف جس کا ہو روح برق سے تیز

جس میں ہو نشۂ شراب حجاز
جس کے پینے میں ہو نہ کچھ پرہیز

جس کی مستی میں سامنے آجائیں
مرو و شیراز و مشہد و تبریز

ہو گل نودمیدہ روح اس کی
یا مگر ایک شاہد نوخیز

مطرب اک نغمہ نشاط افزا
ساقی اک جرعہ سرور انگیز

نائے دلکش بہ نوحۂ فرعون
جام بینش بکوریٔ چنگیز

آ گئی باغِ مصطفےٰ میں بہار — کیوں نہ میرا قلم بھی ہو گلریز

عطر میں بس رہی ہے آج نسیم — اور شمال و صبا ہیں عنبر بیز

کوکبِ صبح جلوہ ریز ہوا — شب نے کی اختیار راہِ گریز

عرش پر ایک پل میں پہنچوں گا — آج جولاں ہے فکر کا شبدیز

نامِ مصطفےٰ ہے اب تک نقش — مٹ گیا نامِ خسرو پرویز

دین دولہا ہے اور دلہن دنیا — عرش کابین ہے اور فرش جہیز

قطعِ جنت کی راہ ہوتی ہے — علم توسن ہے اور عمل مہمیز

عارضِ والضحیٰ قبلہ مرا — زلفِ واللیل میری دستاویز

صلح اسلام سے ہوئی جس کی
اس سے کیا کر سکے گا چرخِ ستیز

توکّل

ہے ازبر کُلُوا بھی تجھے وَاشْرَبُوا بھی
کبھی یاد آیا ہے لَا تُسْرِفُوا بھی

جہاں غل مچاتا ہے فَلْيَعْبُدُوا کا
لگا ایک تو نعرہ جَاهِدُوا بھی

اطاعت اُولِی الْاَمْر کی ہے مسلّم
اگر اس میں مِنْكُمْ کی ہو جستجو بھی

یہ مانا کہ سب ہے پہ عدل اُس کا
مگر شان رحمت ہو لَا تَقْنَطُوا بھی

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبْ ہے
ہے ایمان تو کر لے توکّل کی خو بھی

ہے نازاں اپنی تہذیب پہ جن کو اتنا
نہیں آدمیت گئی ان کو چھو بھی

مباح اُن کے مذہب میں سکھوں کی پونجی
حلال اُن کے مشرب میں اُسکا لہو بھی

خدا اپنے بندوں سے غافل نہیں ہے
نہ بھولا جو تجھ کو نہ بھول اس کو تو بھی

دوائے بے پرہیز

ہے جستجو دوا کی دلِ دردمند کو
اور پھر دوا بھی وہ جو ہو پرہیز کے بغیر

بے لطف ہے فسانۂ گل و عندلیب کا
شیراز و مرو و مشہد و تبریز کے بغیر

سوزِ حیات سے ہے پیرایۂ نشاط
مینا عبث ہے طبعِ طرب خیز کے بغیر

نثری شمار نثر میں شعری شمار شعر
لاؤں کہاں سے کلکِ گہر ریز کے بغیر

یوں نامِ مصطفیٰ ہی کہ آتا نہیں مزا
اس قصۂ لذیذ و دل آویز کے بغیر

ظلمت ہے زیب نو کہ بزمِ یہود کی
رونق نہیں ہے خسرو پرویز کے بغیر

خم خانۂ حجاز کے مستوں کی زندگی
بیکار ہے ایاغ مئے تیز کے بغیر

دیوانگی نہ ہو تو یہ فرزانگی نہ ہو
مسلم ہے ہیچ عقلِ جنوں خیز کے بغیر

سارے جہاں کی پیاس بجھانی محال ہے
اسلام کے پیالۂ لبریز کے بغیر

آزادی کا راز

مسلمانو! سبھی آزادی کا یہ اک ہی ہے ٹانکا
محمد کی غلامی کا کمر سے باندھ لو پٹکا!

نشاں مٹنے نہ پائے دیکھنا امت کے ماتھے سے
وہ سجدہ بخواب یثرب کے دروازے کی چوکھٹ کا

مدارا دشمنوں سے ہو ملامت دوستوں کی ہو
نہ جو اس راز کو سمجھا وہ سیدھی راہ سے بھٹکا

نئی تعلیم سے برگشتگی بھی جس نے پل بھر میں
زمیں پر آسماں سے ملت بیضا کو دے پٹکا

سہارے دین کے دنیا میں خلل کیا اس کا پڑتا ہو
بچا یا سنگھ گر ہندو سے یا انگریز سے کیا کھٹکا

گلا کاٹو نہ تم اپنا اگر خود اپنے ہاتھوں سے
تو ہو سکتا نہیں کچھ بھی تمہیں تقدیر کا کھٹکا

یکم جنوری ۱۹۳۱ء

چودھری افضل حق

میں نے مانا دشمنِ ملت جواہر لال ہے
جس کی چالوں سے مفادِ اسلام کا پامال ہے

گرچہ عزت اسکی کونسل میں نہیں اب تک ہوئی
خود ہمارا ہی یہ پھیلایا ہوا اک جال ہے

کیوں جنابِ افضل نے کھولی نہیں اپنی زبان
آج تک خاموش کیوں اس بارہ میں اقبال ہے

یوں ہی سنا ہے پھر افضل حق ہی پہ کیوں انقلاب
کیوں اسی بیچارے کے حق میں یہ قیل و قال ہے

وہ تو پھر بھی قوم کے کام آ ہی جاتا ہے کبھی
بکا انگریزوں کے حق میں جو وہ دلال ہے

شہیدی جتھا

کٹے ہیں جس قدر سر لنگ سر کے گردوارے میں
ہے درج ان سب کی قربانی جڑانے گوشوارے میں

نکل نہ سکی تھی جن کو ننکانہ میں آنکھ اُن کی
انہیں بھی اُس نے تڑپا کر ہی چھوڑا اک اشارے میں

بچے ہیں جن کی تفنگوں سے نہ ننھے ننھے بچے بھی
ہے کیا تہذیب مغرب کا اب ارشاد ان کے بارے میں

ابھی دیکھا ہی کیا ہے تم نے اس خونی تماشے کو
بہت سے کھیل باقی ہیں مداری کے پٹارے میں

جفا کی گنتی بازار مظلومی کی رونق ہے
رہا کرتی ہے ظالم کی تجارت ہی خسارے میں

پلٹ کر زیر دست آزار کو اک دن الٹ دے گی
یہی گردش جو ہے اس وقت کتنوں کے ستارے میں

بہائے ہیں جنہوں نے بے کسوں کے خون کے دریا
وہ خود بہ جائیں گے تقدیر کی ندی کے دھارے میں
تمہیں بخشا گیا ہے دیدۂ بینا تو دیکھو گے
ہزاروں راکھ کے ڈھیر ایک نابھ کے شرارے میں

ملکہ وکٹوریا

ملکہ وکٹوریا کی سالگرہ کے جشن کی تقریب میں سنٹرل یونین کلب میں ایک جلسہ ہوا جس کے لئے ایک فارسی قصیدہ میں نے لکھا تھا۔ یہ بھی گم ہو گیا۔ چند اشعار یاد رہ گئے جو لکھے جاتے ہیں۔

زمانہ گشت دگر غازہ چون رنگ بہار — عروس دہر بیاراست چہرہ چوں گلنار
دگر شفق بہ فلک چہرہ ارغوانی کرد — دگر نقاب ہمی افگند ماہ از رخسار
دگر شد است عذار زمین بہ رنگ زبر — بسان لندن و پیرس بسان چین و تتار
دگر شدہ متبسم بہ بوستان غنچہ — دگر شود متکلم بہ گلستان ہزار

مولود مسعود سرکار عالی سر کشن پرشاد

جواں بخت ہے صدر اعظم ہمارا — سخاوت میں حاتم تحمل میں دارا
جلال اور اقبال کے آسماں پر — چمکتا ہے اس کے مقدر کا تارا
خدا نے کیا اپنے فضل و کرم سے — عطا اس کو فرزند ماہ پارا
بہار ابد کا ہے جو نونہال یہ — ہوا ہے یہ جیسے ازل کا اشارا
نکلتا ہے دریا سے جس طرح گوہر — گلستاں میں کھلتا ہے جیسے ہزارا
یہ مولود مسعود اسی طرح آیا — نشان سعادت ہوا آشکارا
تمہاری جوانی کو جو اس سے رونق — تمہارے بڑھاپے کو ہے یہ سہارا
ملی ہے وہ دولت تمہیں جس کے آگے — سمرقند کیا چیز اور کیا بخارا
یہ بچہ ہو دل کے سکوں کی ٹھنڈک — یہ بچہ ہو دادی کی آنکھوں کا تارا
خدا لائے وہ دن کہ گھر میں تمہارے — مبارک سلامت کا غل ہو دوبارہ
ہوئی فکر تاریخ جس وقت مجھ کو — تو قرآں سے میں نے کیا استخارا
مجھے داد دی دل نے دانش نے جب — میں سر جلوہ دست ضیا پکارا

داستانِ شیخ

کتابِ ہمن کی تو سُن لی ہے تو نے | ذرا سُن لے اب شیخ کی داستاں بھی
ہم اُن کے ہیں جس نے سکھائی ہے ہم کو | جہاں بانیاں بھی جہاں بخشیاں بھی
نہیں اک فقط کعبہ ہی کے نگہباں | مسلماں ہیں بُت خانہ کے پاسباں بھی
محمدؐ کے ناموس پہ کٹ مرے ہم | فدا ان کی عزت پہ دل بھی ہے جاں بھی
مسلمانوں کی میراث روزِ ازل سے | اگر بادشت ہے تو ہے قرآں بھی
عرب بھی ہمارا عجم بھی ہمارا | ہماری ہی دولت ہے ہندوستاں بھی
خریدیں گے ہندوستاں کو مسلماں | بکے خواہ ہستی کی ساری دکاں بھی
مسلماں کا خُوں بہا کون دے گا | کم اس خوں کی قیمت ہے دو نوجہاں بھی
سنا لارڈ ارون سے لے گاندھی کا دوہا | سنیں اب ہماری غزل خوانیاں بھی
زمیں شورِ تکبیر سے کانپ اٹھی | لرزتا ہے اس نعرہ سے آسماں بھی

مسلماں کے آغوشِ رحمت میں آ جا
اس آغوش میں امن بھی ہے اماں بھی

بچہ سقا کی پشت پر استعمارِ مغرب کا مشکیزہ

عید الفطر ۱۳۴۷ھ

گجر دم آج مسلم کو یہ جاں پرور نوید آئی
کہ کل شب آسماں پہ چاند چمکا اور عید آئی

پیوں گا بادۂ لَاتَقْنَطُوْا کے جام بھر بھر کر
خمستانِ عرب کی میرے ہاتھوں میں کلید آئی

دیا پیغام نصرت قدسیوں نے عرش اعظم سے
اور اس پیغام کی قندہار سے ہوتی رسید آئی

سنا ہے سیستاں میں اک نیا رستم ہوا پیدا
بسالت جس کی مرگ آسا سرد و سپید آئی

ہے پشت سقہ پر مشکیزہ استعمار مغرب کا
یہ ہے وہ ماجرا جس کی شہادت چشم دید آئی

کسی کے حصہ میں انعام اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ آیا
کسی کے حق میں مثواہ جہنم کی وعید آئی

شراب آئی وہ بابائے خلافت بھی نہیں جس کو
مگر ہو کر فرنگستان کی بھٹی سے کشید آئی

پشاور سے امان اللہ خاں کی پیشوائی کو
علی گل خاں کی پیہم سعی سے نصر مزید آئی

جب آئی عید کی تقریب اک دنیا پکار اٹھی
کہ ان کے واسطے ساعت یہ آئی اور سعید آئی

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

گھر بیٹھے انگریز کا لندن میں دیکھ آیا ہے تو
چل کے دلی میں ہماری خانہ ویرانی بھی دیکھ

"تیج" کے صفحوں پہ کر گیتا کی پھلواڑی کی سیر
"الاماں" میں مظہر الدین کی گل افشانی بھی دیکھ

اُس ہی دن سے طعنہ ہائے دل فگار و جاں خراش
اور پھر اس کی گالیوں کی شانِ عریانی بھی دیکھ

ہندو و مسلم کے جوہر کھل گئے پیتے ہی چائے
اُن کی دانائی تو دیکھی اس کی نادانی بھی دیکھ

تو نے دیکھا ہے کہ تھا بیحد گراں ایمان کا بھاؤ
ہم نشیں آج اس کی بے اندازہ ارزانی بھی دیکھ

بھائی پرمانند جی کی اس بھری پوتھی کے ساتھ
قادیاں کے میرزا جی کی مسلمانی بھی دیکھ

ہندوؤں میں "ملاپ" اسلامیوں میں "انقلاب"
اُن کی جمعیت بھی دیکھ ان کی پریشانی بھی دیکھ

سُن لیا تو نے کنول کا خندۂ بستاں فروز
لالہ زارِ ہند میں نرگس کی حیرانی بھی دیکھ

لے کہ تو نے دیکھ لی ہے بچۂ سقّہ کی مشک
آنکھ کھول اور اس میں استعمار کا پانی بھی دیکھ

اینٹ سے اینٹ آج بجتی دیکھ لے قندھار کی
قتل اور غارت کی کابل میں فراوانی بھی دیکھ

شورِ بازاری شریعت کے صنم خانے میں جا
شانِ یزدانی تو دیکھی آنِ شیطانی بھی دیکھ

دیکھ لیں اپنے تمدن کی نگار آرائیاں
آدمیت سوزیٔ تہذیبِ نصرانی بھی دیکھ

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

گئے وہ دن کہ اکرم کیلئے تھی شرط اتقی کی
شرف سب سے بڑا یہ تھا کہ دل میں حب دیں ہو

ادا امر اور نواہی کا ہو سوتے جاگتے کھٹکا
بغل میں ہو اگر سنت تو مصحف زیر بالیں ہو

سب اک تسبیح کے دانے ہوں جن کا رشتہ ایماں
مساوات اور اخوت سب مسلمانوں کا آئیں ہو

بڑے ہیں اور چھوٹے ہیں فقط ہو امتیاز اتنا
وہ قلزم ہو یہ جیحوں ہو وہ ہو ماہ اور یہ پروین ہو

گھرانا ایک ہو ان کا وطن ان کا ہو سارا جہاں
مراقش ہو عرب ہو ہند ہو ایران ہو چین ہو

بہ تقلید ہنود اب تو مگر اپنی یہ حالت ہے
کہ اعلیٰ ذات بالا ہو اور ادنیٰ ذات پائیں ہو

یہ پوچھا جا رہا ہے آج کل خدام ملت سے
کہ تم ہو ذات کے رانگھڑ نسب کے یا آرائیں ہو

شعوبیت کے سانچے میں ڈھلا جب بت تشتت کا
کہ ہر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی اس لعنت سے تزئیں ہو

تو شتت شملہم کی پھر مساجد میں دعا کیسی
کہیں کافر کے منہ سے بھی بلند اس پر نہ آمیں ہو

ستم زدگان مالابار اور آصف جاہ ہفتم

گر اس کشور میں ہے اسلام کے چہرہ پہ کچھ رونق
تو مالابار تیری سرزمین لالہ گوں سے ہے

عرب کا خون تھا دیوانگی میں جوش کھا اٹھا
حمیت کا یہ جذبہ قرن اول کے جنوں سے ہے

ہوا کیا کٹ گئے گر چند سر ہندوستاں میں بھی
زمیں مشرق کی جب گلرنگ ترکوں کے خوں سے ہے

یہ ان تقتّل کے پھندے میں پھنسا دی اُس نے خود گردن
الجھنا کس لیے پھر قاتل اس صید زبوں سے ہے

حکومت سے شکایت ہے نہ شکوہ اس کی سطوت سے
ہمیں گر شکوہ ہے خود اپنے بخت واژگوں سے ہے

اگر آصف جاہ ہفتم بیکسوں کے چارہ فرما ہیں
تو ہمدردی یہ اُن کی دل کے سوز اندروں سے ہے

عتاب انگریز کا جس پہ ہو پھر اُس کی مدد کیسی
مگر اس سحر کا رشتہ اخوت کے فسوں سے ہے

مسٹر لائڈ جارج کے استعفیٰ کی تاریخ

گلیڈسٹون اور سالسبری کی سب عنایت ہے — وگرنہ اس طرح برطانیہ بدنام کیوں ہوتا

جو کہلاتے ہیں لبرل گر حقیقت میں یہی ہوتے — تو گھر گھر ایشیا میں یوں مچا کہرام کیوں ہوتا

اگر تہذیب انسانی انہیں چھو بھی گئی ہوتی — سمرنا میں مسلمانوں کا قتل عام کیوں ہوتا

مسیحیت اڑاتی خاکِ گلستانِ بطحا کیوں — مسیحی کا گریباں گیرِ خونِ شام کیوں ہوتا

ادھر دہلی کے سر پر اک قیامت کیوں گذر جاتی — اُدھر کابل میں آتش زیر پا اسلام کیوں ہوتا

سکھاتی گر نہ لائڈ جارج کی تلوار خونریزی — تو خنجر مصطفےٰ کا آج خون آشام کیوں ہوتا

ملوکیت کی زد میں گر نہ استنبول آجاتا — تو پھر انگورہ اُس کی موت کا پیغام کیوں ہوتا

نکلتا گھر سے قسطنطین کیوں بے آبرو ہو کر — وینیزیلاس خائب خاسر اور ناکام کیوں ہوتا

صلیب آلودۂ خاکِ مذلت کیوں نظر آتی — ہلال آسودۂ گردونِ نیلی فام کیوں ہوتا

سلیقہ گر قدح خواری کا ہوتا کچھ بھی رندوں کو — تو خود ساقی کے ہاتھوں واژگوں یہ جام کیوں ہوتا

نہ ہوتا ابتدا ہی سے اگر اسلام کا دشمن — تو لائڈ جارج کا ایسا بُرا انجام کیوں ہوتا

نہ ضد اس بانیٔ بیداد کو ہوتی خلافت سے — تو مستعفی بصد حیرت یہ نافرجام کیوں ہوتا

صفت بیداد کی ہوتی نہ گر اس نام میں شامل
تو قول ہاتف اترا شحنۂ مردک نام کیوں ہوتا

۱۳۴۴ھ

سہسرام

گنبد سے آ رہی ہے صدا شیر شاہ کی ٹکرا رہی ہے عرش معلیٰ کے بام سے
وہ دن نہیں ہے دور کہ اسلام کا علم ہوگا بلند ہند میں پھر اس مقام سے
کافور کفر ہوگا یہاں سے بھی جس طرح اکھڑے قدم شریف کے بیت الحرام سے
دے گی خراج ملت بیضا کو کائنات نکلے گی ذوالفقار علی پھر نیام سے

کوندیں گی جس میں سطوت کبریٰ کی بجلیاں
اٹھے گی ایک دن وہ گھٹا سہسرام سے

سہسرام
۳۰ ستمبر ۱۹۲۵ء

جشنِ آزادیٔ کشمیر

گھر سے نکلے ہو پیمبر کے گھرانے والو
تو سر اللہ کے رستے میں کٹاتے جاؤ

نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑانے والو
پرچمِ آزادیٔ کامل کا اڑاتے جاؤ

دوش پہ بارِ امانت کے اٹھانے والو
درجۂ آدم سے فرشتوں کا گھٹاتے جاؤ

دونوں دنیاؤں کی رحمت کی خزانے والو
دونوں ہاتھوں سے یہ گنجینہ لٹاتے جاؤ

گردنِ قیصر و کسریٰ کی جھکانے والو
یہی زور آج بھی دنیا کو دکھاتے جاؤ

خانۂ ظلم کی بنیاد کے ڈھانے والو
اینٹ سے اینٹ پھر اس گھر کی بجاتے جاؤ

نغمۂ توحید کا ہر بزم میں گانے والو
ناچ نگنی کا حریفوں کو نچاتے جاؤ

شورِ اِن الحکم کا دنیا میں مچانے والو
اپنی ہر شرط کی تعمیل کراتے جاؤ

باندھ کر سر سے کفن جنگ میں جانے والو
ندیاں خونِ شہادت کی بہاتے جاؤ

خیلِ احرار میں نام اپنا لکھانے والو
اپنی گنتی کو ستاروں سے بڑھاتے جاؤ

رسن و دار کو خاطر میں نہ لانے والو
جشنِ آزادیٔ کشمیر کا مناتے جاؤ

شریعتِ اسلامی اور یورپ

قطعِ یدِ سارق پہ ہے یورپ کا یہ فتویٰ وحشی ہے وہ قانون جو دیتا یہ سزا ہے
تہذیب کے استاد کے اس قول کو سن کر میں نے یہ کہا آپ کا ارشاد بجا ہے
دو تولہ ربڑ کے لئے افریقہ میں لیکن اک ہاتھ اور اک پاؤں جو کٹ جائیں یہ کیا ہو
مقطوع ہوں اعضا فقط اتنی سی خطا پہ مزدور نے پیمانے سے کم کام کیا ہے
ہو مشغلہ تفریح کا مُثلہ حبشی کا کس مذہب و ملت میں یہ تعزیر روا ہے
ہے معترض اسلام پہ چوروں کا یہ ہمدرد خود اس نے کبھی جائزہ اپنا بھی لیا ہے

شمشیر سے منہ موڑ کے تکلے سے الجھنا
اے اُمتِ عیسیٰ تری دیرینہ ادا ہے

انگورہ

مصطفٰے قائم نہ کرتا گر نظام انگورہ کا — کام کرزن نے کیا ہی تھا تمام انگورہ کا

جا کے یورپ میں اُڑا آیا ملوکیت کی خاک — اپنی ٹاپوں سے سمندِ تیز گام انگورہ کا

اپنے جمہوری اصولوں پر جو نازاں ہیں انہیں — محوِ حیرت کر رہا ہے انتظام انگورہ کا

اُٹھ کھڑے ہوں اپنے اپنے پاؤں پر سب حق پرست — ساری دنیا کو یہ پہنچا ہے پیام انگورہ کا

ایشیا کا افتخار اس کو کیا اللہ نے — اس سے بھی اونچا ابھی ہوگا مقام انگورہ کا

حشر کے دن تک نہیں ہے جسکو خوف انفصام — ہے اسی حبل المتین سے اعتصام انگورہ کا

لرزہ ہو جاتا ہے طاری کفر کے اندام پر — اس کے حلقوں میں جب آجاتا ہے نام انگورہ کا

اس پہ بس چلتا نہیں پھر کیوں نہ کابل ہی سے لیں — دشمنانِ دین پہ حق انتقام انگورہ کا

ہے امان اللہ خاں بھی لیکن اس صہبا سے مست — جس کی فیاضی سے چھلکایا ہے جام انگورہ کا

آنیوالی ہے وہ ساعت جب کرینگے اتباع — کابل و ہند و عراق و مصر و شام انگورہ کا

دیکھ لیں گے اپنی ان آنکھوں سے ہم خود ایک دن
دشمنانِ نوعِ انساں کو غلام انگورہ کا

اسلامی یونیورسٹی

مسلمانوں پہ جو سر سید احمد خاں کے احساں ہیں — کہ نقش فی الحجر سرمایۂ لوحِ دل و جاں ہیں

اسی کی عمر بھر کی کوششوں کا ماحصل سمجھو — اثر جس عام بیداری کے ملت میں نمایاں ہیں

اسی کی پُر ہنر شیرازہ بندی کے تصدق ہیں — مجزّا نسخۂ ملت کے اوراق پریشاں ہیں

حضور سرور کون و مکاں سے اس کو تمغے ہیں — ملا وہ دردِ مضطر قوم کے سب جس میں درماں ہیں

جگایا اس نے ہم سوتے ہوؤں کو خواب غفلت سے — وہ غفلت بستیاں جس سے قوموں کی ویراں ہیں

ہر اک دل میں لگا دی اک نئی ایسی لگن اس نے — کہ آتش زیر پا اس وقت تک اس سے مسلماں ہیں

ریاضِ قوم کو از بسکہ سینچا اس کے اشکوں نے — بہاریں اس کی رشکِ رونق گلزار رضواں ہیں

وہ خود تو خلد میں ہے کارنامے اس کے سب لیکن — مہ و خورشید کے مانند تاباں اور درخشاں ہیں

علی گڑھ میں کیا قائم جو دار العلم سید نے — ثنا خواں ہیں پرائے جس کے اپنے جس پہ نازاں ہیں

یہ دار العلم اب بھی گرچہ ہے اسلام کا مرکز — فضائل جس سے ہیں پیدا اور معارف جس میں پنہاں ہیں

وہ جاں پرور چمن اس وقت بھی گویا دبستاں ہے — عرب کی اور عجم کی بلبلیں جس باغ غزل خواں ہیں

مگر پروازِ شہبازِ تمنا ہے بلند اس سے — ہماری ہمتیں پا بوسِ سقفِ چرخِ گرداں ہیں

بنانا ہے ہمیں ملت کی یونیورسٹی اس کو
بٹھانا ہے ہمیں اوجِ ثریا پر ابھی اس کو

یہ دارالعلم سدِ راہِ آسیبِ زماں ہوگا — اسی چشمے سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا
حدیثِ شاعری جزویست از پیغمبری سچ ہے — یہ مطلع اس حقیقت کا مصدق بے گماں ہوگا
کہی جو بات برسوں اس سے پہلے خواجہ حالی نے — زمانہ کوئی دن جاتا ہے اس کا ترجماں ہوگا
قدومِ میمنت آثار سے اپنے شہنشہ کے — شرف اندوز جس دن کشورِ ہندوستاں ہوگا
علی گڑھ کو لگیں گے چار چاند اور اُنکی کرنوں سے — منور ایشیا کے علم و فن کا آسماں ہوگا
عطا فرمائیں گے قیصر وہ شاہی چارٹر اس کو — مسلمانوں کی یونیورسٹی کا جو نشاں ہوگا
مسلمانوں پہ ہوگی نازل اس دن رحمتِ باری — مسلمانانِ عالم کا نصیب اس دن جواں ہوگا
مسیحیت چکا دے گی تمام اسلام کا قرضہ — وہ قرضہ جانتا جس کو یقیناً اک جہاں ہوگا
سمجھ کر اپنے قیصر کو مثیلِ سایۂ احساں — دلِ احساں پذیر اس دن رہینِ امتناں ہوگا
ملے گا ہم کو اس دن خلعتِ حریتِ عقلی — علی گڑھ علم کا اس دن حقیقی پاسباں ہوگا
سمیٹیں گے متاعِ دین و دنیا اپنے دامن میں — یہ ماویٰ مناسب اتحادِ جسم و جاں ہوگا
ہم آغوش آ کے ہونگے علم اور مذہب علیگڑھ میں — فقیہ و فلسفی ہر اک بیاں کا نکتہ داں ہوگا
علومِ مغربی کا فیض ہوگا اک طرف جاری — علومِ مشرقی کا اک طرف دریا رواں ہوگا

بجھے گی پیاس ہر کشور کے پیاسوں کی یہاں آکر — علی گڑھ منبع رود حیات جاوداں ہوگا
مٹائے گا علی گڑھ اندلس کی یاد کو دل سے — اگر بغداد ہوگا زندہ تو آکر یہاں ہوگا

یہ مژدہ ہیں وقار الملک آغا خاں سنانے کو
کہ ہے فصل بہار اسلام کے گلشن میں آنے کو

مسلمانو! بس اٹھ بیٹھو کہ وقت امتحاں آیا — ہماری راہ پر اک عمر کے بعد آسماں آیا
کروگے اس سے بڑھ کر فخر تم کس بات پر یارو — کہ خود چل کر تمہارے گھر شہ ہندوستاں آیا
الٹ جائے گی قسمت ہی نہ اب بھی گوہر مقصود — تمہارے ہاتھ اگر اے معشر اسلامیاں آیا
سمجھ لو لَن تَنَالُوا البِرَّ حَتّٰی تُنفِقُوا کو تم! — کہ یہ ارشاد ہے قرآں کا اندر بے گماں آیا
خدا کا شکر ہے ملت کو جو مخدوم ہیں ان کو — خیال دست گیری گروہ بیکساں آیا
بنے قومی گدا اور لے کے کاسہ ہاتھ میں نکلے — وہ کاسہ ہاتھ جس سے حاصل صد بحر و کاں آیا
نہ روکا اس سے ہرگز ان کو آسائش نے دولت کی — نہ ان کو مطلقاً مانع خیال عز و شاں آیا
لئے کشکول آغا خاں کو جب دیکھا گدائی کا — نظر الفقر فخری کا ہمیں دلکش سماں آیا
پھری تصویر ایثار اور فیاضی کی آنکھوں میں — زباں پر جب ہمارے نام سلطان جہاں آیا
جب اعیان و اکابر کی یہ بیداری کی حالت ہے — رہے گی قوم محو لذت خواب گراں آیا؟
پیادے اٹھ کے دوڑیں ساتھ اشتر سواروں کے — کہ منزل کے قریب الحمد للہ کارواں آیا

فقط دس لاکھ ہیں مقصد کی اب تکمیل ہوتی ہے
سمجھ سکتے نہیں ہم کس لئے پھر ڈھیل ہوتی ہے

یقیں ہے پل میں حل یہ عقدۂ دشوار ہو جائے
ذرا ساقی کی چشم مست اگر ہشیار ہو جائے

کرے گر قوم مل کر عرض آصف جاہ سادس سے
ادھر بھی اک نظر اسے قوم کی سرکار ہو جائے

بنایا خاک کو ہے کیمیا تیری نگاہوں نے
خزف جس کے اثر سے گوہر شہوار ہو جائے

سرور انگیز تیرا بادہ ایثار و احساں ہے
پلا اتنا کہ محفل مست اور سرشار ہو جائے

ترا وابستۂ دامان دولت جب علی گڑھ ہے
نہ استمداد کو طیار کیوں ہر بار ہو جائے

اگر جنبش میں آجائے کلک گوہر فشاں تیری
مسلمانوں کی یونی ورسٹی تیار ہو جائے

اگر یہ عرض پہنچے میر محبوب علی خاں تک
بڑا وقت مسلمانوں کا بیڑا پار ہو جائے

خدا چاہے تو ہوں گی مشکلیں سب قوم کی آساں
علی گڑھ علم کا بن جائیگا خورشید نور افشاں

کھری کھری باتیں

محو ہوئے معاش میں بھول گئے معاد کو
پیش نظر نہ رکھ سکے حشر ثمود و عاد کو

رازِ حیات قوم تھا مستتر اجتماع میں
قوم ذریعۂ نجات سمجھی ہے انفراد کو

محو دلوں سے ہوگئی آیۂ لا تفرقوا
چھوڑ دیا ہے ہاتھ سے رشتۂ اعتضاد کو

حکمت نصِ وَلْتَکُنْ پہ نہ کیا جنہوں نے غور
بیٹھ کے رو رہے ہیں آج فتنۂ ارتداد کو

کفر ہے دیں کی تاک میں اب تو مٹاؤ تفرقے
ضعف ہے اب بھی راہ دو دل میں اگر عناد کو

حکم ہے راجپوت کو سامریانِ ہند کا
گائے کے آگے سر جھکا چھوڑ خدا کی یاد کو

مشعلِ دیں کی سمت میں چل نہ سکی ہزار سال
آج ہے کیوں یہ حوصلہ کفر کی تند باد کو

ہاتھ میں لیکے سنگ و خشت بت شکن اور بت پرست
توڑ رہے ہیں ہند کے شیشۂ اتحاد کو

قوم جو ہو چلی تھی ایک کائی کی طرح پھٹ گئی
آج پہنچ گئے مفسد اپنی دلی مراد کو

حامد اگر خدا اُن سے نہ کی فتنہ گرون ہو بازپرس
کھو کے رہیگی کانگرس ملک کے اعتماد کو

روزنامہ مساوات

بدل جاؤ سنو میری اگر بات
کہ ہیں بدلے ہوئے دنیا کے حالات

فلک پر جلوہ افشاں ہے نیا دن
زمیں پر ظلمت آرا ہے نئی رات

ہوئے ہیں بطن گیتی سے ہویدا
اچھوتے اور نرالے انقلابات

علمداران ناموس شریعت
سکھاتے ہیں نصاریٰ سے موالات

نگہداران آئین طریقت
پڑھاتے ہیں ہمیں درس خرافات

شریفوں پہ ہوا ہندوستاں تنگ
زمانے کے ہیں یہ بھی اتفاقات

صحافت آج ان کے ہاتھ میں ہے
بسر ہے گالیوں پر جن کی اوقات

نکل آئے ہیں اپنے بل سے ٹوڈی
کہ آپہنچا ہے وقت انتخابات

کرو پھر تازہ آئین کہن کو
نہیں بھولے اگر اپنی روایات

بھروسا ہی جو کرنا ہو کسی پر
تو کیا کافی نہیں اللہ کی ذات

غلامی کے سلاسل کاٹ ڈالو
مٹا کر ہندوؤں سے اختلافات

وطن کے واسطے یثرب سے لاؤ
اخوت اور آزادی کی سوغات

یہی پیغام عالم دے رہا ہے
یہی انعام لایا ہے "مساوات"

آہ! فاطمہؓ کا انجام

مسلمانوں کے دل میں جذبۂ اسلام باقی ہے
قدح خواروں کے خم میں بادۂ گلفام باقی ہے

رسولؐ اللہ نہ ہوں قرآن تو بیدار ہے اب بھی
نہیں گر خم ہیں کیا غم کہ جم کا جام باقی ہے

یزیدی اور زیادی یاد بھی آتے نہیں ہم کو
مگر اب تک حسینؓ ابن علیؓ کا نام باقی ہے

وہ من نقتل کی سرخی ہے حدیث نامۂ جاں پہ
خدا کی طرح اُس کا آخری پیغام باقی ہے

سبق اُس نے دیا ہم کو حیاتِ جاودانی کا
جنابِ فاطمہؓ کی آہ کا انجام باقی ہے

سناں پر گرچہ اُس کا سر نشانِ حجتِ حق تھا
مگر اس حجتِ حق کا ابھی اتمام باقی ہے

زمانہ آئے گا کب یوفیوں کی صبح انور کا
ابھی تک کربلا میں کوفیوں کی شام باقی ہے

ہماری آنکھ کے آنسو بنیں گے تاج کے موتی
ابھی تک پختہ مغزوں کی یہ حرصِ خام باقی ہے

حسینؓ ابن علیؓ کے قتل کا مطلب نہ ہم سمجھے
یہ ہم پہ آج تک اسلام کا الزام باقی ہے

نہ ہو کچھ نام سے مطلب فقط ہو کام سے مطلب
بقولِ اقبال کے اسلامیوں کا کام باقی ہے

۲۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء

مدارجِ ارتقا

مصائب میں گرفتار اہلِ ایماں ہوتے جاتے ہیں
مسلمانوں کی بیداری کے ساماں ہوتے جاتے ہیں

سکھایا جا رہا ہے نکتہ اُوذُوا فِی سَبِیلِی کا
حق آگاہانِ اُمّت پا بجولاں ہوتے جاتے ہیں

علم تیغ دو دم اُن کی سرِ تسلیم خم اپنا
وہ حیواں بنتے جاتے ہیں ہم انساں ہوتے جاتے ہیں

ستم کش کو خدا نے استقامت کا شرف بخشا،
ستمگار اپنی سختی پر پشیماں ہوتے جاتے ہیں

خدا نے غیب سے سامان پیدا کر دیئے ایسے
کہ وہ عقدے جو لاینحل تھے آساں ہوتے جاتے ہیں

نئی شمعیں فروزاں ہو رہی ہیں بزمِ گیتی میں
نئے انجم فلک پر جلوہ افشاں ہوتے جاتے ہیں

نئے محمود پیدا ہو رہے ہیں خاک غزنی سے
نئے طغرل سریر آرائے ایراں ہوتے جاتے ہیں

نہیں تخصیص عہد اس میں محمد کے غلام اب بھی
سکندر بنتے جاتے ہیں سلیماں ہوتے جاتے ہیں

خلافت کے علم داروں کی چتون میں یہ ہیبت ہے
کہ دنیا بھر کے سرکش خس بدنداں ہوتے جاتے ہیں

خانۂ خدا کی حضوری

مسجد کو بسایا بھی اُسی شخص نے جس کو
توحید میں اور روزِ جزا میں نہ رہا شک
حاصل ہے حضوری جسے اللہ کے گھر کی
اُس مردِ مسلماں کے ایماں میں کیا شک

(حدیث)

اسلامی نغمے

صادق سٹیم پریس بیرون موری گیٹ لاہور

اے کہ ہے بندوق پر اور توپ پر ایماں ترا
نعرۂ اللہ اکبر کا اثر بھی دیکھ لے

جاں بحق مسلم ہوا سنتے ہی اس آواز کے
مصطفےٰ کو دیکھ اور ان کا نامہ بھی دیکھ لے

وادیٔ تثلیث کی دیکھی ہے تو نے دوڑ دھوپ
کعبۂ وحدت میں مسلماں کا گزر بھی دیکھ لے

شوق ہے تہذیب یورپ کے تماشے کا تجھے
مڑ کر او گبرِ کلیسائی ادھر بھی دیکھ لے

ذوقِ معرفت

اگر دل سے خیالِ طاعتِ معبود ہو جائے
تو انساں قدسیوں کا بے گماں مسجود ہو جائے

شہنشاہوں کے سر جھکنے لگیں اُس کی حضوری میں
جبیں گر فقر سے مسلم کی گرد آلود ہو جائے

غلامِ احمدِ مرسل کو سلطاں کا ملے رتبہ
ایاز اس امتحاں میں بالیقیں محمود ہو جائے

بہار آئی گلستانِ رسالت میں تعجب کیا
ہر اک پتہ اگر اک جنّتِ محمود ہو جائے

چلے پھر دورِ صہبائے معارف ہند میں یارب
قبائے زہدِ مسلم بھی شراب آلود ہو جائے

مہاجن بن کے پہلے قرض تو یورپ کو ہم دے لیں
اجازت شرع دے دیگی کہ دگنا سود ہو جائے

---

۱۲ نومبر ۱۹۱۶ء

اسلام کا کوکبۂ خسروی

آنکھوں کے سامنے ہیں غلامی کی لعنتیں
ہیں آج لومڑی وہ جو کل تک تھے شیرِ مرد

لیکن خزاں کے بعد عمل ہے بہار کا
پھر سبز ہو رہے ہیں درختوں کے برگِ زرد

اٹھا ہے پھر حرارتِ اسلام کا اُبال
اُس دیگ میں پڑی تھی بہت دیر سے جو سرد

بندھنے کو روزگار میں ہے اسلامیوں کی دھاک
اڑنے کو ہر دوار میں ہے آریوں کی گرد

گر ہے سفر وسیلۂ ظفر کا تو ہمنشیں
گرمِ سفر ہیں جادۂ یثرب کے رہ نورد

اسلمتُ پکاروں گا باندازِ براہیم
مسلم ہوں مرا شیوۂ دیرینہ ہے تسلیم

کی ہے مرے ہادی نے مجھے صبر کی تلقین
دی ہے مرے آقا نے رضا کی مجھے تعلیم

جاہل ہو مخاطب تو میں کہتا ہوں سلاماً
بھولا نہیں میں اپنے پیمبر کی یہ تفہیم

دلجوئی اغیار مجھے مدِ نظر ہے
کرتا ہوں میں دنیا کے سب ادیان کی تکریم

لیکن میں پرستار نہیں خاکِ وطن کا
دیتا نہیں اس بت کو کسی شکل میں تعظیم

قائل نہیں ہیں ہند کے اُن فلسفیوں کا
جو ہم کو دلاتے ہیں یقین از رہِ تعلیم

جب تک کہ نہ ہو تابعِ خاکِ وطن ایمان
اس ملک میں ممکن نہیں اک قوم کی تنظیم

ایمان تو اک نور ہے دل جس سے ہے روشن
اس نور پہ کب خاک کو ہو سکتی ہے تقدیم

میں پہلے مسلماں ہوں اور اسکے ہوں کچھ اور
وہ تھی میری تخصیص تو یہ ہے میری تعمیم

ادنیٰ سا رعیت ہوں میں شاہِ دوسرا کی
بستی ہے مری مشرق و مغرب کی ہر اقلیم

بخشی گئی دنیا بھی ملا دین بھی مجھ کو
جس وقت کہ اسلام کی دولت ہوئی تقسیم

اے دینِ حسین ہند میں درپیش ہے تجھ کو
آج ایک نیا خوف نیا خطرہ نیا بیم

توحید کے فرزند ہیں کفار کی زد میں
اور سب سے بڑا حربۂ کافر ہے زر و سیم

ہم کفر کی شب میں کسی قسمت سے نہ ڈریں گے
سب جتنے ہیں جو کفار تو ہم پیش قدم ہیں سب سے

مرتا ہوں جو پیاسا بھی تو گنگا و جمن سے
لب تر نہ کرے جرعہ کش کوثر و تسنیم

بدلی ہے نہ بدلے گی مسلمان کی فطرت
اللہ کے قانون میں ہوتی نہیں ترمیم

دعوتِ عمل

اگر تم کو حق سے ہے کچھ بھی لگاؤ
تو باطل کے آگے نہ گردن جھکاؤ

حکومت کو تم نے لیا آزما
اب اپنے مقدر کو بھی آزماؤ

ہو تم جس کے ذرّے وہ ہے خاکِ ہند
چھپے ہیں جو اس میں وہ جوہر دکھاؤ

فلک پر مہ و مہر پڑ جائیں ماند
زمیں پر اس انداز سے جگمگاؤ

ہمالہ بھی آ جائے گر راہ میں
تو ٹھکرا کے آگے سے اس کو ہٹاؤ

کرے تم سے گنگا بھی گر بے رخی کچھ — پلٹ کر الٹ دو تم اس کا بہاؤ

زمانہ میں روشن کرو نام ہند — ہر اقلیم میں اس کا سکہ چلاؤ

ہر اک ملک کا ہاتھ میں لے کے دل — ہر اک قوم سے اپنی عزت کراؤ

پسینہ گرے ہندوؤں کا جہاں — وہاں تم مسلمان کا خوں بہاؤ

زمیں ہو جب اس خون سے لالہ زار — تو اس پر بساطِ اخوت بچھاؤ

بھریں گے یہ برسوں میں جا کر کہیں — مسلماں کے پہلو کے گہرے ہیں گھاؤ

پرانا ہوا دفتری اقتدار — سمجھ لو اب اس کا بھی ہے چل چلاؤ

کسی روز خود غرق ہو جائے گی
بہت بہہ چکی ہے یہ کاغذ کی ناؤ

ترانۂ جنگ

اے ملّتِ بیضا تیری شوخی سے ہے نمودار
ہر راہ میں اب تک ترے نقشِ کفِ پا سے

اے سطوتِ کبریٰ تری تلوار کی جھنکار
سنتے ہیں یہ کان اب بھی دو عالم کی فضا سے

آفاق میں اب تک تری تقدیر کا طغرا
آراستہ ہے سرخیٔ خونِ شہدا سے

یہ سچ ہے کہ دنیائے صلیبی کی عداوت
لپٹی ہوئی ہے بن کے بلا تیرے لوا سے

گردش تری قسمت کی ہے بطرس کے پٹے سے
بجلی ترے خرمن کی ہے پاپا کے نوا سے

ہر گوشۂ عالم میں کلیسا کے پرستار
اب تک ہیں بدستور ترے خوں کے پیاسے

لیکن علمِ حق نہ جھکا ہے نہ جھکے گا
باطل کی فضاؤں میں پیمبر کی دعا سے

پھر سر سے لپیٹ اس کفنِ نور کو اک بار
لائے تھے جسے بدر کے میداں میں حیا سے

اعدا کی صفوں کو الٹ اس طرح کہ پیدا
ہو غلغلۂ احسنت کا ارض اور سما سے

مرنا ہے تو مر جادۂ شاہ دوسرا میں
ورنا ہے تو ڈر ایک محمدؐ کے خدا سے

انسانیت کبریٰ کا مقام

اپنے آبائی شرف کا گر تجھے احساس ہو
شانِ ابراہیمؑ پیدا کر امام الناس ہو

تو مسلماں زادہ ہے پہچان اپنا مرتبہ
خضر کو رستہ دکھا تا چ سر الیاس ہو

دیکھ لے دنیا تجھے باندھے ہوئے تیغ و کفن
کچھ بھی گر تجھ کو روایات کہن کا پاس ہو

تیرے خنجر کے لئے خونِ دو عالم ہے مباح
گر یہ تیرا قصد ہو اور اس کو اتنی پیاس ہو

بن نہیں سکتا صلاح الدین ایوبی اگر
ہند کی حرمت پہ مرشد اور چندر داس ہو

---

۲۱ ستمبر ۱۹۲۹ء

فریاد جرس

آزادیٔ وطن کے طلب گار ہیں کہاں — مشتاقِ جادۂ رسن و دار ہیں کہاں

دنیا خرابِ بادۂ پندار ہو گئی — خم خانۂ الست کے سرشار ہیں کہاں

شیطاں کا آستانہ ہے آدم کی سجدہ گاہ — اے ربِ کعبہ تیرے پرستار ہیں کہاں

کب سے بھٹک رہا ہے اندھیرے میں قافلہ — اسلامیوں کے قافلہ سالار ہیں کہاں

حرف آ رہا ہے عزتِ دینِ حنیف پر — ملت کی آبرو کے نگہدار ہیں کہاں

ایماں بھی سر بکف ہو جو خنجر بکف ہے کفر — لیکن ہم اس کے واسطے طیار ہیں کہاں

موت اک حیاتِ تازہ کی جس کو نوید تھی
اس زندگی کے قوم میں آثار ہیں کہاں

---

۱۵ جولائی ۱۹۳۱ء

مسلمان کا مرتبہ

اے مسلماں جواب آپ ہی اپنا ہے تو — اپنے اللہ کی رحمت کا سراپا ہے تو
جس نے دنیا کو دیا عدل و مساوات کا درس — اُس کے احسان کا بہتا ہُوا دریا ہے تو
فرش پر پاؤں ہیں اور عرش پہ ہے سر تیرا — علمِ تاجورِ یثرب و بطحا ہے تو
تری تلوار کی جھنکار کا دنیا میں ہے شور — حشر اس شور سے کرتا گیا برپا ہے تو
بے پناہوں کیلئے ہے ترے بازو میں پناہ — ناتوانوں کو ہو غم کیا کہ توانا ہے تو
دونوں عالم ترے اک قطرۂ خوں کی قیمت — ہے خدا تیرے لئے کیونکہ خدا کا ہے تو
چومتے ہیں تری دہلیز کو ماہ و خورشید — محفلِ مشرق و مغرب کا اجالا ہے تو
کشورِ ہند کے ناموس کو خطرہ سے بچا — اے کہ ہنگامۂ توحید کا غوغا ہے تو

زندگی موت سے اسلام نے کی ہے پیدا
اے مسلماں اسی اسلام کا بیٹا ہے تو

شانِ اسد اللّٰہی

ہو دیکھنی جس کو اسد اللہ کی تصویر !
شیرانِ ہم آغوش کو بپھرتا ہوا دیکھے

بگڑی ہوئی تقدیر کے بننے کا تماشا
افریقہ کے صحرا سے گذرتا ہوا دیکھے

جس جذبہ سے دب جاتی تھیں باطل کی امنگیں
پہلو میں پھر آج اُس کو اُبھرتا ہوا دیکھے

چڑھتی ہوئی توحید کی ندی کے مقابل
تثلیث کے دریا کو اترتا ہوا دیکھے

جو منفعل منتِ عیسیٰ نہیں ہوتا
اس رستے ہوئے زخم کو بھرتا ہوا دیکھے

مشاطۂ مغرب کے لپٹنے کے اثر سے
اسلام کی رنگت کو نکھرتا ہوا دیکھے

جاتا ہوا دیکھے چمنستاں سے خزاں کو
گلشن کو بہاراں میں سنورتا ہوا دیکھے

سرو و سمن و لالہ کے جنگل میں صبا کو
ہر شاخ پہ اٹکھیلیاں کرتا ہوا دیکھے

---

۸ اگست [illegible]

جہان باطن

جس کو اس زلف سیاہ تاب کا سودا ہوگا
گر بلالِ حبشی ہے تو وہ دارا ہوگا

فرش اس کے لئے بن جائیگا ہم پایۂ عرش
اور ٹھیکری میں ہے تو ہمسر ثریا ہوگا

اس کے ہم چشم اُسے سمجھیں گے ہمیشہ ذلیل
اپنے اقران و اماثل میں وہ یکتا ہوگا

اپنے اندر نظر آئیگا اسے ایک جہاں
اس جہاں پر اُسے ہر قسم کا دعویٰ ہوگا

دل میں جلوے اُسے ظلال کو آئیں گے نظر
اور داغ اُس کے لئے سینۂ سینا ہوگا

شیوۂ مصطفوی سیکھ لو گر نہ اسلام
تجھ کو مسلم سبب نازش بیجا ہوگا

خاک چھپ کر تمہیں اکسیر بنا آتی ہے
کس کو اس پر نہ زمانے میں اچنبا ہوگا

کشت میں گنگا کے بہانے والو
کہیں اک چشمۂ زمزم بھی اُبلتا ہوگا

سر پہ اگر ہو تاج تو ہو دوش پہ گلیم ؟ دنیا کو شان پیمبروں کی دکھائے جا
رکھ مسند رسول کی عزت کو برقرار
عثمان کے جلال کا پرچم اٹھائے جا

نشأۃ الثانیہ

گر چشم جہاں بیں ہے تو نیرنگ جہاں دیکھ ‏ آفاق میں اللہ کی قدرت کے نشاں دیکھ
کس قطعے سے دامان شب تار ہوا چاک ‏ کس وضع سے خورشید ہوا جلوہ فشاں دیکھ
کس طرح ہری ہو گئیں سوکھی ہوئی شاخیں ‏ پژمردہ ہوئی کیونکہ گلستاں سے خزاں دیکھ
پھوٹی ہے کس انداز سے اتری ہوئی ندی ‏ کس شان سے ہر جانب میں آب ہے رواں دیکھ
پھر پاش میں پھیلا دی ہے جو کبھی تھا ‏ توحید کے دریا کو کراں تا بکراں دیکھ
پھر پرچم اسلام ہے عالم میں سرافراز ‏ پھر دین ہدیٰ کی وہی شوکت وہی شان دیکھ
پھر زمزمۂ نغمۂ ایماں ہے مستان ‏ پھر قافلۂ یثرب و بطحا کو رواں دیکھ

اللہ کی رحمت کے کرشموں پہ نظر کر — ڈوبے ہوئے بیڑے کی اُچھلنے کا سماں دیکھ
تفسیر سمجھنی ہو اگر کُن فیکون کی — تاثیرِ دعا ہائے شہِ کون و مکاں دیکھ
جو تخت پہ تھے تختہ ہے اُلٹا ہوا اُن کا — جو تھے سپر انداز چڑھی اُن کی کماں دیکھ
اک حملے میں ترکوں نے لیا جا کے سمرنا — اک جست میں پہنچے ہیں کہاں سے وہ کہاں دیکھ
اے نالۂ مظلوم کی تاثیر کے منکر — آتش زدہ یونان سے اٹھتا ہوا دھواں دیکھ
وہ شہر جو اسلام کے قدموں پہ بنا تھا — اب چاشت ہی سے ہے اُسی شعلوں کی لپک یاں دیکھ
پھر گرم ہے بازار رسولِ عربی کا — اور جل کے ہوئی راکھ صلیبوں کی دکاں دیکھ

جادو ہے کشادِ حرمِ مصطفوی کا
اللہ نے کس طرح کیا پھر گراں دیکھ

نفیر اسلام

بحکم اعدوا لہم ما استطعتم — بڑھے جس قدر اپنی طاقت بڑھاؤ

فراہم کرو جنگ کا ساز و ساماں — نصاریٰ پہ ہیبت کا سکہ بٹھاؤ

بتائید حق اپنی ملت کے بل پر — حریفوں کی کثرت کے چھکے چھڑاؤ

کہانت کی بنیاد جس نے ہلا دی — اسی اللہ اکبر کے نعرے لگاؤ

اٹھاؤ نہ دریا کی لہروں کے احساں — جہازوں کو پھر خشکیوں پر چلاؤ

مٹا دو عجم اور عرب کی رقابت — جہاں میں بساطِ اخوت بچھاؤ

کرو ہوشیاری پہ مستی کو قرباں — خمستانِ حیرت کے ساغر لنڈھاؤ

حریفوں سے کہہ دو کہ ہم ہیں مسلماں — نہ باطل کی قوت سے ہم کو ڈراؤ

ہمیں آزمایا ہے سو بار تم نے — کسی اور کو جا کے اب آزماؤ

علم ہاتھ میں لے کے دینِ ہدیٰ کا — سر اسپین کا پھر اندلس سے ملاؤ

بجھا دو خرافات کی مشعلوں کو — حرم کا چراغ از سر نو جلاؤ

محمد کے جھنڈے کے سایہ کے نیچے — فلک کے نیچے دکھاؤ سر چھپاؤ

جستجو

خم خانۂ الست کے مے خوار ہیں کہاں
عہدِ سلف کے رند قدح خوار ہیں کہاں

اس بادۂ شبینہ کے سرمست ہیں کدھر
پیمانۂ ہنیئہ کے سرشار ہیں کہاں

جھکنے لگی ہے غیر کی دہلیز پہ جبیں
اے ربِ کعبہ تیرے پرستار ہیں کہاں

دنیا کی لذتوں سے تو ہیں بہرہ ور سبھی
عقبیٰ کی عزتوں کے خریدار ہیں کہاں

اسلامیوں کا شوقِ شہادت کدھر گیا
جو سر تھے زینتِ رسن و دار ہیں کہاں

وہ کشتگانِ خنجرِ تسلیم کیا ہوئے
وہ عاشقانِ احمدِ مختار ہیں کہاں

طوفاں زدوں کو جن کی ضیا تھی دلیلِ راہ
یثرب کی روشنی کے وہ مینار ہیں کہاں

برطانیہ کا کوکبہ ہے ویسے ہی بلند
ہندوستاں کے قافلہ سالار ہیں کہاں

دیکھو جسے اسیرِ طلسمِ فرنگ ہے
توڑیں جو یہ طلسم وہ احرار ہیں کہاں

آپس کی پھوٹ ختم ابھی تک نہیں ہوئی
آزادیِ وطن کے طلب گار ہیں کہاں

مفقود ہے دلوں سے مدارات و آشتی
جن سے لڑیں گے اب وہ ہتھیار ہیں کہاں

حقائق

دل ہے پہلو میں تو پیدا شیوۂ تر کا نہ کر
جورِ ہفت افلاک کے شکوے تو نے ہیں پیدا نہ کر

غم کو خود آکر بہا لے جائے گی موجِ سرور
دیکھتا کیا ہے اٹھ اور فکرِ مے و پیمانہ کر

دعویٔ الفت جتا کر صحبت میں رسوا نہ ہو
دار پر چڑھنے سے پہلے رازِ عشق افشا نہ کر

فطرتِ انساں چاہتی ہے قلزم آشامی تیری
برگِ گل کی طرح شبنم کے لئے ترسا نہ کر

کام ابراہیموں کا ہے کھیلیں آگ سے
کود پڑ شعلوں میں خوفِ انجامِ کار اصلا نہ کر

لے کے نام اللہ کا طوفاں میں کشتی ڈال دے
خوفِ بے پایانیٔ دریا سے موج افزا نہ کر

خود عمل تیرا ہے صورت گر تیری تقدیر کا
شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر

سایۂ شمشیر میں پوشیدہ جنت ہے مگر
ناکسوں کے سامنے اس بھید کا چرچا نہ کر

خزاں میں بہار

میں طوفانِ عرض کشتی پہ یہ آج اعلان کر دوں گا
حرم کے ذرّہ ذرّہ پہ نچھاور جان کر دوں گا

ہوا اسلام کا اک بال بھی بیکا تو دیکھو گے
ہزار ابنِ سعود اسلام پر قربان کر دوں گا

کتاب اللہ متنِ دیں ہے اور سنت ہے شرح اس کی
میں ان دونوں سے ملت کی دو بالا شان کر دوں گا

چراغِ کعبہ سے عالم میں اُجالا ہونے والا ہے
ہمالہ کو میں اس کے نور سے فاراں کر دوں گا

بچا دوں گا غرض ملت کی مانند بلبل کو
جہانِ کفر کی سب بستیاں ویران کر دوں گا

ترے دستِ ستم گر سے کبھی بن سکا اب تک اے ناصح
میں جب روؤں گا پیدا نوح کا طوفان کر دوں گا

دمِ خامہ کی گل ریزی کو موسم کی نہیں حاجت
میں پت جھڑ میں بھی گلشن کو بہارستان کر دوں گا

مسلمانوں کو کیا ڈر ان کو آقا جب یہ کہتے ہیں
کہ میں امت کی ساری مشکلیں آسان کر دوں گا

---

۲۱ مارچ ۱۹۲۵ء

اَیُّہَا المُسلِمُ

رسول اللہ پر قربان ہو جا — خود اپنے درد کا درمان ہو جا

حریفِ دولتِ افرنگ بن کر — حلیفِ دولتِ عثمان ہو جا

ضرورت کیا ہے کابل کے سفر کی — یہیں بیٹھا ہوا افغان ہو جا

امان اللہ خاں بن جائے گا تو — پر اول عاملِ قرآن ہو جا

ڈبو کر کشتیٔ کفر آنسوؤں میں — بغل میں نوح کا طوفان ہو جا

غلامی کر محمد مصطفےٰ کی — گدائی چھوڑ دے سلطان ہو جا

مرے سانپ اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے — نظام الملک کا فرمان ہو جا

تزلزل میں ہے ایوانِ خلافت
تو اس ایواں کا پشتیبان ہو جا

---

۲۱ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

حیاتِ جاوید

رحمتِ باری کم اپنا جوش کر سکتی نہیں
یہ چڑھی ندی قیامت تک اُتر سکتی نہیں

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ!
آتشِ مرحوم سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

سرورِ کونین خود ہوں ملتجی جس کے وہ نادم
لطمۂ طوفانِ موج افزا سے ڈر سکتی نہیں

یشیا کی وہ بساطِ کہنہ الٹی جا چکی
بانیٔ اسلام اب دنیا میں مر سکتی نہیں

میں نے یہ مانا کہ جس پر ہو عتاب انگریز کا
اس کی دنیا ہند میں رہ کر سنور سکتی نہیں

دشت سے جب تک نہ سر پٹک نا کرو ستم
ایک بھی رات اس ستم کش کی گزر سکتی نہیں

والیٔ اعداؤں پہ لیکن شیوۂ خیر کا صبر و شکر
عاقبت بھی کیا اُس انساں کی سدھر سکتی نہیں

میری حرص لذتِ آزاد کا عالم نہ پوچھ
سر تہِ جیب تک جلتے نیت میری بھر سکتی نہیں

منزلِ خوفِ خدا ہے مومنِ قانت کا دل
ہیبتِ قیدِ فرنگ اُس میں اُتر سکتی نہیں

نام اتنا ہے کہ کیوں حد ادب سے بڑھ کے آہ!
لب تک آ جاتی ہے اور دل میں ٹھہر سکتی نہیں

بہت ہی ایسی تھی جس کا بھول جانا ہی محال
بات ہی ایسی ہے جو دل سے بسر سکتی نہیں

منہ سے مجھ کو ہے لاگ اور دین سے ہی مجھ کو لگاؤ
کوئی اور الزام دنیا مجھ پہ دھر سکتی نہیں

پانچ سیپاروں کی دولت ہی میرے سینے میں جمع　　جس کو انگریزی حکومت ضبط کر سکتی نہیں

میں حرم سے اڑ کر جا بیٹھوں گا شاخ سدرہ پہ
میرے پر تثلیث کی قینچی کتر سکتی نہیں

شانِ اسلام

ہم مسلمان کون ہیں؟
ہم خیرِ کثیر کوثر ہیں!

کچھ جانتے بھی ہو ہم نفسو! کس ملک کے ہم سب افسر ہیں
کس برج کے ہم سب گوہر ہیں کس برج کے ہم سب اختر ہیں

ہم شانۂ زلفِ امانت ہیں ہم سلطۂ روئے کہانت ہیں
آبادیٔ بیلچے آمنہ ہیں ویرانیٔ خانۂ آذر ہیں

فرزند ہم ابراہیمؑ کے ہیں اور مستحق اُس تعظیم کے ہیں
پیراستہ جس سے فانوس ہیں ایک آب ہم وہ اسکندر ہیں
ایمان سے کہ ہم ایسا ہوتے ہیں اور سجدہ و بسیا ہوتے ہیں
ہم خاکِ درِ پیغمبرؐ ہیں یا سرمۂ دیدۂ حساد ہیں
صدیقؓ ہوئے تصدیق میں ہم فاروقؓ بنے تفریق میں ہم
ایماں طلبی میں بوذر ہیں خیبر شکنی میں حیدرؓ ہیں
ہیں جانِ حیا عثمانؓ کی طرح ہیں آنِ وفا سلمانؓ کی طرح
اسلام ہے کفِ ہم خنجر ہیں طاقت سے رگِ ہم نشتر ہیں
ہم صلِّ علیٰ پڑھتے ہیں ہم وان اسی سے چڑھتے ہیں
کیونکہ نہ دو سب ابتر ہوں ہم خیرِ کثیر کوثر ہیں

مجلسِ خلافت پنجاب کا اعلان

رسول اللہؐ کے ناموس پر قربان ہو جاؤ
مسلمانو! بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ ہو جاؤ

حنین و بدر کا ہندوستاں میں کھینچ دو نقشہ
کہ سر ہو کفر کا گیند اور تم چوگان ہو جاؤ

جھکا دو حق کے آگے گردنیں اپنی یا باطل کی
نبیؐ کی آن بن جاؤ خدا کی شان ہو جاؤ

یہی راز آج کل ہے ملتِ بیضا کی وحدت کا
کہ ہفتاد و دو قالب ہو کے بھی یک جان ہو جاؤ

عجم کے دل کو چھینا جس کے اک آہنگ شیریں نے
اسی چنگِ حجازی کی رسیلی تان ہو جاؤ

تمہاری ہڈیاں اینٹیں ہوں جس کی اور لہو گارا
نہ جس کو ڈھا سکے دنیا وہی بنیان ہو جاؤ

بنو غازی کی غیرت جس نے رکھ لی لاج امت کی
عطاء اللہ کا ہیبت بپا ایمان ہو جاؤ

نصاریٰ کا طعام اسلام کے بیٹوں کو جائز ہے
پرے سے گھر جاؤ اور سرکار کے مہمان ہو جاؤ

یہ سب کچھ ہو چکا جب تم تو کہہ دو جا کے منجی سے
کہ اب ہندو سبھا کے شوق سے پردھان ہو جاؤ

رجز مرقص

شجاعت کے جوہر دکھاتے چلو — حریفوں کے چھکے چھڑاتے چلو

پیے ہو جو کابل کو قندھار سے — تو تیغِ دو دم کو چلاتے چلو

جیا ہے اور اپنے سے آزما — مقدر کو بھی آزماتے چلو

رہِ حق میں رکھ کر ہتھیلی پہ سر — شہادت کے خوں میں نہاتے چلو

کرو قطع دامانِ صحرا و کوہ — سمندروں کو یکشت اڑاتے چلو

مجاہد ہیں اس وقت خنجر بکف — دل اُن غازیوں کا بڑھاتے چلو

زر و سیم کی ہو ضرورت نہیں — تو انبار ان کے لگاتے چلو

جو دیکھو نشانِ کفِ پائے شاہ — تو رستے میں آنکھیں بچھاتے چلو

فرشتے بھی آ جائیں گے وجد میں — اذانِ الٰہی نغمہ گاتے چلو

جمایا زمانے نے ہے جو زنگ

مرے آئنہ کا اڑاتے چلو

بزم و رزم

سیل کی طرح جو نکلے تھے بیابانوں سے
آبجو بن گئے گذرے جو خیابانوں سے

تھا جو اپنوں سے وہی لطف بیگانوں سے
گردنیں دب گئیں اسلام کے احسانوں سے

وہ خود امی تھے مگر کون و مکاں کے اسرار
حکما سیکھ گئے ان کے دبستانوں سے

اب جو آئی ہوئی ہے گلشن گیتی میں بہار
رنگ اڑا لائی ہے اُنکے ہی گلستانوں سے

اس کے پینے کے لئے چاہئے ظرف عالی
یہ شراب آئی ہے توحید کے خمخانوں سے

ہم رہ سست عنان منزل لیلیٰ کی خبر
پوچھتا کیوں نہیں یثرب کے حدی خوانوں سے

پھر وہی غلغلہ آفاق میں ہوتا ہے بلند
شیر کی گونج پھر اٹھی ہے نیستانوں سے

ہم نے دیکھا ہے ان آنکھوں سے ادھر طارق کو
نعرہ خالد کا سنا ہے ادھر ان کانوں سے

بوئے تیغ آتی ہے پہلوئے قلعہ طبس سے ہنوز
جوئے خون بہنے کو ہے قدس کے میدانوں سے

سوئے یورپ ہے پرچم تثلیث کو بغداد و دمشق
نہیں امید یہ کعبہ کے نگہبانوں سے

گھورتی ہوئی آتی ہے حریفوں کی نظر
اک طرف ترکوں سے اور اک طرف افغانوں سے

مصر بے تاب ہوا ہند ہوا آتش بجگر
ہے یہ سب گرمی ہنگامہ مسلمانوں سے

ناموسِ نبیؐ

عزت کا تاج کفر کے سر سے اتار کر — ناموسِ خواجۂ دوسرا پہ نثار کر

کب تک فضائے غیب کی صرصر کا انتظار — اس کفر کے دیے کو بجھا پھونک مار کر

جب تک نہیں ہے قوتِ بازو پر اعتماد — بھولے سے بھی نہ مالوی پہ اعتبار کر

کسی کو تاکتا ہے بھنور سردار کا — خود دین کے ناخدا اسے گنگا کے پار کر

عشقِ رسولؐ خوفِ جہاں سے ہے بے نیاز — خاطر میں لا کسی کو نہ پروائے دار کر

قرآں جو سینہ میں تھا سفینہ میں رہ گیا — خود تو نے اپنا کام بگاڑا سنوار کر

کسریٰ کا تخت جس نے پلوں میں الٹ دیا — اٹھ اپنے دل میں پھر وہی جذبہ ابھار کر

اجڑے ہوئے چمن سے خزاں کو نکال دے — سامانِ خیر مقدمِ فصلِ بہار کر

باطل سے تجھ کو لاگ ہو اور حق سے ہو لگاؤ — وضعِ قطعِ عربی اختیار کر

آسان ہونے والی ہیں سب تیری مشکلیں — تھوڑا سا اور صبر دلِ بے قرار کر

تو نے زمیں والوں کے احکام سن لئے — اب آسماں کے فیصلہ کا انتظار کر

بخشا گیا کسی کو شرف اور کسی کو سیف — دیتے ہیں ڈال دستِ کسی کو پکار کر

اسلام کفر سے نہ دبا ہے نہ دب سکے　　کہہ دو یہ سنگٹھن کی سبھا میں پکار کر

---

۱۰ اگست ۱۹۲۷ء

قسمت کی شوخی

کبھی بامِ ثریّا سے بھی اونچی جو عمارت تھی　　وہ قصرِ سطوتِ کسریٰ کی رفعت سے عبارت تھی
ہوئی حجت خدا کی ختم آخر نوعِ انساں پر　　مگر دی گئی جس کی زمانہ کو بشارت تھی
نہ ملتا کیوں تاج اُسے رحمۃٌ للعالمینی کا　　کہ اُس کو دی گئی بزمِ نبوت کی صدارت تھی
اک اُمّی ایک ٹھوکر سے کرے سو فلسفی پیدا　　نہ پوچھا فلسفہ اس کو یہ اک ایسی بجھارت تھی

نمازیں آبِ خنجر سے وضو کر کے پڑھتے تھے　　اسی پانی سے مسلم کی ہوا کرتی طہارت تھی
وسیلہ ان کی خوشحالی کا ٹھہری بیع کی حلّت　　جہانداری سے مسلم کیلئے بڑھ کر تجارت تھی
سمجھ کر وقت کو دولت نہ وہ اس کو گنواتے تھے　　گھڑی اک بھی نہ اُن کی عمر کی جاتی اکارت تھی
قبا ہوتی تھی اوپر اور نیچے خرقہ ہوتا تھا　　وہ دنیا دین ہو جس میں یہی اس سے حقارت تھی

ہمارا ظاہر و باطن ڈھلا تھا ایک سانچے میں — بصیرت تھی دلوں میں اور آنکھوں میں بصارت تھی
ہمیں اچھے شناسا ہیں اغیار اب تک جب سکے اس کے — ہمیں ہر علم پر قدرت تھی ہر فن میں مہارت تھی
نہ جھکتا تھا ہمارا سر کسی فرعون کے آگے — بدن میں خون تھا اور خون کے اندر حرارت تھی
تجاوز کر نہ سکتے تھے وجادلہم بالتی ہی احسن سے — کہ حسن خلق کی اوراق قرآں میں اشارت تھی

اگر ہم آج کے دن وہ نہیں ہیں جو کسی دن تھے
تو یہ قسمت کی شوخی تھی مقدر کی شرارت تھی

---

۱۲ مئی سنہ ۱۹۱۲ء

حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

ناداں ہیں جو کرتے ہیں بھروسا رفقا پر — تکیہ وہی اچھا ہے جو ہو اپنے خدا پر
راضی ہو ہر اک حال میں مولا کی رضا سے — رکھ اپنی نظر شیوۂ شاہ دوسرا پر
محمل جو گراں ہو تو بڑھا شور حدی کا — ہو نغمہ جو کم ذوق تو دے زور نوا پر
مردہ پہ نہیں آنکھ میں رہتی ہے مروت — باطن ہی نہ ہو صاف تو کیوں جائیں صفا پر

کچھ تو نے سنا بھی ہے کہ کیا ہند میں گزری
اندور کی بستی کے اسیرانِ بلا پر

گل بانگ اذاں دب گئی ناقوس کی لے میں
اڑتی سی یہ آئی ہے خبر دوش صبا پر

وہ سر جو جھکا تھا کبھی اللہ کے آگے
رکھا ہوا ہے کفر کے نقش کف پا پر

ناموس شریعت کے لہو کی ہیں یہ بوندیں
جو تکمہ نہیں لعل کا شدھی کی قبا پر

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
چلتا نہیں کچھ زور قدر پر نہ قضا پر

مل سکتی تھی جس سے خبر منزل مقصود
ہے کوئی دھرے کان جو اس بانگ درا پر

ہے کوئی کلیجے کو جو تھامے ہوئے نکلے
اسلام کے آفت زدہ بچوں کی صدا پر

رحمت کی گھٹا جھوم کے پھر کوئی ادھر آئے
رہ رہ کے نگہ اٹھتی ہے یثرب کی فضا پر

---

۱۷ اپریل ۱۹۲۷ء

پیامِ وقت

جو کرنی ہے جہانگیری محمدؐ کی غلامی کر — عرب کا تاج سر پر رکھ خداوندِ عجم ہو جا

ہو سرکش سرو کی مانند اگر باطل نکالے سر — اگر حق آگے آئے ماہِ نو کی طرح خم ہو جا

صنم خانہ میں گو کلیوں کی رعنائی سے پھیر آنکھیں — دوئی سے کٹ کے شیر ہو یکتائی میں ضم ہو جا

چراغ دیر سے جل کر کبھی آخر دہ اٹھائی ہو — تو پھر شمعِ حرم سے لو لگا کر بھی بھسم ہو جا

اگر سورج کو شرماتا ہے اپنی ضو فشانی سے — تو بن ابن سعود اور ذرۂ خاکِ حرم ہو جا

امان اللہ خاں کا درد اپنے دل میں پیدا کر — کفِ ساقی میں یہ جامِ جہاں بیں سے کی جم ہو جا

سبق اس انکسارِ نفس کا اب ہم کو ملتا ہے — کہ ہر کن ہیڈ بڑھے جتنا بھی تو اتنا ہی کم ہو جا

کراتا ہے قلم ہاتھوں کو رودادِ جنوں لکھ کر

تو اس دورِ ستم پرور میں میرا ہم قلم ہو جا

پشاور ۲۹ نومبر ۱۹۲۷ء

لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی

نکلا ہے پھر نیام سے خنجر ہلال کا
چمکا ہے صاعقہ غضبِ ذوالجلال کا

میدان میں ہے تیغ بکف مصطفیٰ کمال
اندیشہ کیوں ہے دینِ مبیں کو زوال کا

اسلام کو ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی شکست
ناحق نہیں تہیہ ہے امرِ محال کا

ہے لَا تَخَفْ کہیں تو ہے لَا تَحْزَنُوْا کہیں
قرآن خود جواب ہی ہے میرے سوال کا

چہرہ اتار لائے ہیں سید علی امام
شامہ پہ جا کے چرخ کے کوکب کی چال کا

شرعِ نبیؐ سے جب نہ اُولِی الْاَمْر ہو خجل
شرمندہ امر کس لیے ہو امتثال کا

آئی ہوئی بلا مرے خامہ نے ٹال دی
یہ اک کرشمہ تھا مرے سحرِ حلال کا

کہہ دو یہ لاٹ پادریوں سے کہ آپ لوگ
بھولے ہوئے ہیں فلسفہ مدت سے گال کا

اسلامیوں کو عید کی کیا خاک ہو خوشی
باعث بنی ہوئی ہے خلافت ہلال کا

شراب خانہ ساز

آزادیِ وطن کا پھریرا اڑائے جا
ہندوستاں کے نام کا ڈنکا بجائے جا

ہندو جو شیر ہوں تو مسلماں ہوں شکر
دونوں میں اتفاق کا رشتہ بڑھائے جا

خاشاکِ ذلّتِ صد و پنجاہ سالہ کو
دریائے اتحاد کی رو میں بہائے جا

رسوائیوں کے داغ سے آلودہ ہے جبیں
عزت کے چار چاند بھی اس میں لگائے جا

گردش میں لا پیالہ مئے خانہ ساز کا
اور قسمتِ فرنگ کو چکّر میں لائے جا

کابل کے تاجدار کو اللہ کی امان
اس بادشہ کی رہ میں آنکھیں بچھائے جا

۹ فروری ۱۹۲۹ء

مجلس اتحاد و ترقی کوچین کے رضاکاروں کا ترانہ

کوچین میں توحید کا نقارہ بجا دو
اک ضرب میں سوئی ہوئی بستی کو جگا دو

پہنچاؤ ہر اک گوشہ میں اسلام کا پیغام
اور شرک کے اوہام کی بنیاد ہلا دو

اسلاف کے اخلاق کا بن جاؤ نمونہ
گالی تمہیں دے کوئی تم اُس کو دعا دو

سب سے یہ بڑا فرض ہے اس وقت تمہارا
جو تفرقے آپس کے ہیں اِن سب کو مٹا دو

چھوٹوں میں اطاعت ہو تو شفقت ہو بڑوں میں
اس رشتہ سے ان دونوں کو آپس میں ملا دو

مومن ہو جھکو فقط اک اللہ کے ہی آگے
مسلم ہو سر اسلام کی عزت پہ کٹا دو

دنیا کو دکھا دو کہ تم ہو عزم کے پیکر
رستہ میں ہمالا ہو تو ٹھوکر سے ہٹا دو

زینت جو مدارس کی ہے اس کو بڑھا کر
رونق جو مساجد میں ہے چاند اس کو لگا دو

میراث میں تہذیب عرب جو تم کو ملی ہے
آفاق میں دھوم اپنے تمدن کی مچا دو

پھر زندہ کرو شیوہ رسولؐ عربی کا
باطل کے ابھرتے ہوئے جذبوں کو دبا دو

دل چھین لو دنیا کا محبت کے عمل سے
سیلاب مساوات و اخوت کا بہا دو

آزاد غلامی سے کرو اپنے وطن کو
اور مرتبہ اقوام میں پھر اس کا بڑھا دو

لمعات

میانوں سے نکل آئیں تڑپ کر پھر وہ شمشیریں
پلٹ دی ہیں جنہوں نے مشرق و مغرب کی تقدیریں

وہ شمع مہر سیما پھر نگار آرائے محفل ہے
ہیں پروانے کی خاکستر میں رقصاں جسکی تنویریں

پڑا ہے زلزلہ دنیا میں پھر لندن سے پیکن تک
بلند اک ساتھ ہوتی ہیں مسلمانوں کی تکبیریں

جکڑ سکتیں نہیں زندانیانِ حق کو ہتھکڑیاں
عبث ہیں سب یہ ترکیبیں غلط ہیں سب یہ تدبیریں

جنوں جب کارفرما ہو تو کام آتی نہیں اصلا
یہ تادیبیں یہ تہدیدیں یہ تنبیہیں یہ تعزیریں

دھواں اٹھے تو سمجھو شعلہ بھی ہوگا بلند اس سے
نمایاں خود بخود آہوں سے ہو جاتی ہیں تاثیریں

اُدھر انگورہ و کابل ادھر بغداد اور دہلی
وہ سب رحمت پیمبر کی یہ سب اُمّت کی تقصیریں

وہاں توحید کی باتیں یہاں تثلیث کی گھاتیں
وہ سب مومن کی میراثیں یہ سب کافر کی جاگیریں

امان اللہ خاں اور مصطفیٰ کو دیکھ لو جا کر
نہ دیکھی ہوں اگر اسلام کی غیرت کی تصویریں

عجب کیا ہے کہ شردھانند بھی اک دن مسلماں ہو
لہو اسلام کا ٹپکے اگر کافر کا دل چیریں

بادل میں بجلی

جنگ طرابلس

ہماری دعا کا اثر دیکھ لیجے — حریفوں کو زیر و زبر دیکھ لیجے

جہاں ابرِ ظلمت نظر آ رہا تھا — وہاں مہر ہے جلوہ گر دیکھ لیجے

عدو نے جو چاہا تو پاپائیوں کو — ملے گی نہ راہِ مفر دیکھ لیجے

ہلانے کو ہیں آ کے امت کے سر پہ — کوئی دم میں پاپا چنور دیکھ لیجے

خرِ لنگ رو یا کیا چاہتا ہے — جہنم کا عزمِ سفر دیکھ لیجے

یہ کہتی ہے اٹلی کی آتش فشانی — سقر میں کسی کا مقر دیکھ لیجے

مہا دیو جی کی تو سن لی کہانی — اب اللہ کا کر و فر دیکھ لیجے

نہ دیکھی کبھی ہو جو بے پر کی اڑتے — تو ریوٹر کی برقی خبر دیکھ لیجے

نہ ہوں بدگماں آپ ریوٹر سے ہرگز — کہ نائی ہے یہ معتبر دیکھ لیجے

نہ دیکھا ہو انور کو سنوسیوں میں — تو بجلی کو بادل کے گھر دیکھ لیجے

گئے تھے جو سنتے عدو کو لیے بس — بپھرتا ہوا شیرِ نر دیکھ لیجے

کہا ہنس کے پاپا سے اس نازنیں نے
کہ لونڈی کو بھی اک نظر دیکھ لیجے
اٹھا سایہ سرکار کا میرے سر سے
پڑی ہوں میں ترکوں کے گھر دیکھ لیجے
جھپٹ کر دبوچا مجھے چاہتا ہے
کوئی حجت منتظر دیکھ لیجے
کلائی کو دیتا ہے جھٹکا یہ ظالم
لچکتی ہے میری کمر دیکھ لیجے
میں تم پر تصدق یہ مہر عقیقی
ہے کندہ بنام دگر دیکھ لیجے
لڑی جا برج نجم سے قسمت ہماری
خزف بن گیا ہے گہر دیکھ لیجے
مسلمان و انگریز ہندوستان میں
ہیں مانند شیر و شکر دیکھ لیجے

خروشِ مسلم

ہے سودا جب سے لیلائے خلافت کا مرے سر کو
جنھوں نے حشر کا میداں بنایا ہے مرے گھر کو

مجھے اس وقت دھوکا سا زمیں پر آسماں کا ہے
ستم گاروں نے ڈالا جب سے زنداں میں ہر اختر کو

حرم میں بھی جب اس کا آشیاں ہو جائے خاکستر
گلہ بجلی سے کیا پھر ہند میں ہو گا کبوتر کو

زمیں تھرا گئی آوازۂ اللہ اکبر سے
خروشِ مسلمِ شوریدہ تھرّاتا ہے تندر کو

جلایا اس نے مُردوں کو باذنِ اللہ قم کہہ کر
جگایا اس نے ایک آواز میں ہندوستاں بھر کو

لگا دی سب کے دل میں ایک ساتھ اس نے لگن اٹھ کر
ملایا اس نے مالا بار کی سرحد سے خیبر کو

مسیحیت مسلمانی سے ٹکرائی تو ہے لیکن
کسی نے آج تک شیشے سے توڑا بھی ہے پتھر کو

مرے دل میں جو دولت ہے وہ ان کو مل نہیں سکتی
وہ اس عزت سے عاری ہیں جو حاصل ہے مرے سر کو

یہ سر وہ سر ہے جس پر تاج ہے دینِ محمد کا
یہ دل وہ دل ہے جس پہ ناز ہے خود ربِ اکبر کو

ڈراوا دے رہے ہیں کیا وہ ہم کو طوقِ جولاں کا
پہنتا ہے خوشی سے مومن اس ایماں کے زیور کو

نالۂ مسلم

ساعت وہ آ رہی ہے کہ اسلامیانِ ہند — یورپ کو اپنی آہ سے زیر و زبر کریں

گردن جھکی ہوئی ہو خدا کے حضور میں — ناموسِ دیں کے واسطے سینہ سپر کریں

بن جائیں خاکِ پاکِ حریمِ رسولؐ کی — اس کیمیاگری سے خزف کو گہر کریں

اسلام کو جو لعل و گہر کی ہو احتیاج — آنکھوں کو ناودانِ گدازِ جگر کریں

پہلے تو مُستَعِین ہوں بِالصَّبرِ وَالصَّلوٰۃ — اس سے چلے نہ کام تو جاں کو ہدر کریں

دنیا کو پھر دکھائیں چمک ذوالفقار کی — خیبر کو اس کے بل پہ نئے سر سے سر کریں

آتی ہیں آسماں سے چل کر وہ قوتیں — جو مسلم اور ہنود کو شیر و شکر کریں

تم بھی اگر مدینہ میں ہم کو اماں نہ دو — پھر یا نبیؐ بتاؤ کہ رُخ ہم کدھر کریں

کس سر زمیں میں جائیں سر اپنا کہاں چھپائیں — ہندوستاں کی خاک سے ہجرت اگر کریں

وہ تاج جو حضور نے بخشا تھا چھن چلا — اب کونسی کلاہ کو ہم زیبِ سر کریں

ہوتی نہیں ہے ظلم کی بنیاد استوار — اہلِ جفا خود اپنی روش سے حذر کریں

مٹ جائیں گے وہ خود نہ خلافت اگر رہی — یہ لوگ کاش غور اس اک نکتہ پر کریں

نغمۂ حریت

جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس پشاور میں

تازہ انصار کا آئین مواخات کرو
زندہ اسلاف کی دیرینہ روایات کرو

سرنگوں ہونے نہ دو ملت بیضا کا علم
روشن آفاق میں اللہ کی آیات کرو

مسجد و منبر و محراب کا کھینچو نقشہ
محو نقش ہبل و نائلہ و لات کرو

لیں اگر نام پیمبر کا ادب سے ہندو
اُن کی دلجوئی کرو اُن سے مواسات کرو

لیکن اس ذات گرامی سے انہیں ہو پرخاش
تو مری طرح انہیں نذر فُکاہات کرو[۵]

صاف کہہ دو نہیں ہم تم سے کسی بات میں کم
کسی انگریز سے جس وقت ملاقات کرو

تم ہو آزاد و غلامی نہیں دیتی تمہیں زیب
پارلیمنٹ سے دب کر نہ موالات کرو

آئے لندن سے کمیشن تو اُسے منہ نہ لگاؤ
جس میں اسلام کی عزت ہو وہی بات کرو

مغربی اور اس کے تمدن پہ مٹے جاتے ہو
دیکھو اپنے عمل اور فکر مکافات کرو

اپنے ہاتھوں سے گلا کاٹ رہے ہو اپنا
دشمنہ غیر کی ناحق نہ شکایات کرو

[۵] نذر طعن ... [illegible] ... دشمنانِ دین کو ... کیا جاتا ہے

پاس خیبر بھی ہے اور اس میں علیؓ مسجد بھی
دور کیوں جاتے ہو مرحب سے یہیں بات کرو
دیکھنا چاہتے ہو کفر کو سر بسجود
بندگی اپنے خداوند کی دن رات کرو

پشاور ۱۳ دسمبر ۱۹۲۷ء

احرار

اگر اک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوئے[1]
تو وہ اس عہد میں پنجاب کے احرار ہوئے

خیل باطل سے اگر برسرِ پیکار ہوئے
تو وہ اسلام کے جانباز رضا کار ہوئے

پردۂ موت سے نکلے گی حیاتِ جاوید
کہ مسلمان شہادت کے طلبگار ہوئے

جس نے ڈھایا تھا کبھی ظلم کی بنیادوں کو
پھر مسلمان اسی جذبہ سے سرشار ہوئے

ہڈیاں جن کی ہیں چونہ تو لہو ہے گارا
قصرِ آزادیٔ کشمیر کے معمار ہوئے

کیوں نہ ہوں آج اس اخبار کے گھر گھر چرچے
جس کے اوراق کی زینت مرے اشعار ہوئے

---

[1] لیکن اب ؟ - مسلمانوں کے خلاف احرار سیسہ کی دیوار بنے ہوئے ہیں۔

خروش سروش

اللہ کا جو دم بھرتا ہے وہ گرنے پر بھی ابھرتا ہے
جب آدمی ہمت کرتا ہے ہر بگڑا کام سنورتا ہے

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

او مسلم کیوں دلگیر ہے تو کیوں غم کی بنا تصویر ہے تو
اغیار ہیں خاک اکسیر ہے تو تدبیر ہیں وہ تقدیر ہے تو

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

ہے راہ نما قرآن ترا اسلام پہ ہے ایمان ترا
پیغمبر ہے ذی شان ترا دل جس پہ ہوا قربان ترا

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو پرتو ملت بیضا ہے　　تو سایہ سطوت کبریٰ ہے
تو غازۂ عارض عقبیٰ ہے　　تو سرمۂ دیدہ دنیا ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو حامیٔ شرع پیمبر ہے　　تو ماحیٔ شیوۂ آذر ہے
تو غیرت خالق اکبر ہے　　تو برش تیغ حیدر ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

بکھری ہوئی قوت تیری ہے　　سمٹی ہوئی ہمت تیری ہے
ورنہ یہ حکومت تیری ہے　　عالم کی خلافت تیری ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

تو علم کی دولت لایا ہے　　تہذیب سکھانے آیا ہے
تو جب سے جہاں پہ چھایا ہے　　دنیا کی پلٹ گئی کایا ہے
اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

اُس داغ کا نور جگر میں ہے جو سورج میں نہ قمر میں ہے
دیکھ آگ لگی تیرے گھر میں ہے کس سوچ میں ہے کس ڈر میں ہے

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

گلشن میں بہار ہے آئی ہوئی گردوں پہ گھٹا ہے چھائی ہوئی
پھرتی ہے صبا اٹھلائی ہوئی تقدیر ہے پلٹا کھائی ہوئی

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

نقارہ بجا پھر شوکت کا نظارہ دکھا پھر حکمت کا
چھلکا دے پیالہ اخوت کا چمکا دے ستارہ شریعت کا

اٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

حجازی ترانہ افغانی لَے میں

امان اللہ خاں اسلام کا پرچم اڑاتا رہ
محمد زائیوں کے نام کا ڈنکا بجاتا رہ

صلاح الدین ایوبی کو بے خود کر دیا جس نے
اُسی صہبائے کیف آور کے خم کے خم لنڈھاتا رہ

تری نغل کا جس کے زمزمے تڑپائے دیتے ہیں
اُس آزادی کے نغمے سارے مشرق کو سناتا رہ

بہالے جا چکی ہے جس کی رو کسریٰ و قیصر کو
نئے ریلے اسی سیلاب میں رہ رہ کے لاتا رہ

تری حکمت کے موتی ہم بھی اک دن رول ہی لیں گے
یہ گوہر ہائے غلطاں دونوں ہاتھوں سے لٹاتا رہ

کئے جا خون استعمار مغرب کی تمنا کا
مسلمانوں سے یوں ہی ہندوؤں کے دل ملاتا رہ

دیئے جا ڈھیل انہیں ٹھہر رہے ہیں جو تجھے کافر
قیامت تک سر اُن کا شرم کے مارے جھکا تا رہ

تری تلوار کی تیزی کے ہر میداں میں چرچے ہیں
یہ تیزی سرکشوں کی گردنوں پہ آزماتا رہ

ہمارا خون جن محلوں کی گل کاری میں کام آئے
اُن اونچے کنگرے والوں کی بنیادوں کو ڈھاتا رہ

جواں ہے تیری ہمت اور جواں ہے بخت بھی تیرا
دعائیں ہند کی لے لے کے عمر اپنی بڑھاتا رہ

بچّہ سقّا کی مسند نشینی

چُپ ہوئے پاپا چلے پطرس گم ہوئے مرقس مٹ گئے لوقا
جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

پرچمِ حق لہراتی جب اٹھی ملّتِ بیضا خاکِ حرم سے
چشمِ جہاں بیں کو نظر آیا جلوہ عرب کا صحنِ عجم سے
چین سے لے کر تا بہ افریقہ ہونے لگے اسلام کے چرچے
تھا کبھی جن میں کفر کا غوغا شرک کا شور اصنام کے چرچے
آج جو کل تک لیتی رہی تھی سارے جہاں کے تاجوروں سے
آہ! نکالی جانے لگی ہے آج وہ ملّت اپنے گھروں سے
فتنۂ محشر سے نہیں کچھ کم حق میں ہمارے فتنہ یہ جھوٹا
مسندِ کابل پہ متمکن ہونے لگا ہے بچّہ سقّا
تم یہ کہو گے خاکِ وطن کو سقّوں کی یلغار نے روندا
میں یہ کہوں گا دینِ نبیؐ کو لشکرِ استعمار نے روندا

چشم بصیرت دیکھ رہی ہے آج وہی نظارہ مقرر ہیں
حشر کے دن طاغوت کی امت دیکھنے والی ہے جو سقر میں

کفر کے فتوے ہاتھ میں لیکر آئے ہیں پیر و صوفی و ملّا
دینِ مبیں کی عظمت و شوکت ہونے لگی ہے غایب غلّا

اے میرے مولا دور نہیں ہے اُن سے تری تقدیر کا ڈنڈا
گاڑ دے ان کی قبر پہ یارب غازی امان اللہ کا جھنڈا

نالۂ شبگیر!

خلافت پر فدا ہونے کو سب دین دار بیٹھے ہیں
گئے زنداں میں فاخر ماجد اب تیار بیٹھے ہیں

وہ ہم پہ جبر کرتے ہیں ہم اُس پہ صبر کرتے ہیں
وہ گر باکار ہیں ہم بھی نہیں بیکار بیٹھے ہیں

خوشی سے کاٹ لیجے شوق سے زیب سناں کیجے

لئے سر ہاتھ میں دیں کے علم بردار بیٹھے ہیں

یہ مانا ہم کبھی جس بزم کی مسند کی زینت تھے

اب اس پر ڈٹ کے با صد کر و فر اغیار بیٹھے ہیں

مگر اسلام ہار ے یہ نہ ممکن تھا نہ ممکن ہے

غلط سمجھا ہے یورپ، ہم یہ بازی ہار بیٹھے ہیں

ہمارا دردِ دل کس طرح پہنچے جارج پنجم تک

کہ وہ قصر بکنگھم میں سمندر پار بیٹھے ہیں

شہنشہ کیوں نہیں اپنی رعایا کی خبر لیتے

کہ سب اپنے وطن کی خاک سے بیزار بیٹھے ہیں

---

۲۳ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

قندھار چلو قندھار چلو

چلتی ہے جدھر تلوار چلو! چلتے ہیں جدھر سب یار چلو
بے مایہ ہو یا زر دار چلو! دریائے اٹک کے پار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

تقدیر عرب کہتی ہے جہاں تدبیر عجم رہتی ہے جہاں
بل کھاتی ہوئی بہتی ہے جہاں دنیا کے ہو کی دھار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

پھر فطرت شور مچاتی ہے اور سوتے ہوؤں کو جگاتی ہے
ہلمند سے کان میں آتی ہے تلواروں کی جھنکار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

جذبہ نہ ہو کم آزادی کا بھرتے رہو دم آزادی کا
لہراؤ علم آزادی کا اور کرتے ہوئے یلغار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

داڑھی میں چھپا اسلام نہیں — ٹوپی سے ڈھکا اسلام نہیں
اس طرح ملا اسلام نہیں — دم ہے تو مجاہد وار چلو
قندھار چلو قندھار چلو

۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء

سیوائے ہوٹل مسوری میں طلبہ پر چھاپ

نہرو اور نہرو

(ایک پر لطف ڈراما)

سی آئی ڈی کی پہلی روح :-

جواہر لال نہرو لکھنؤ سے چل کے آیا ہے — امان اللہ خاں کے نام کچھ پیغام لایا ہے
پٹھانوں اور انگریزوں میں ڈلوانے کو کھنڈت ہے — دیو چاہیے اس کو بڑا بے ڈھب یہ پنڈت ہے
کسی ڈھب سے اسے سیوائے ہوٹل سے نکلوا دو — نہ نکلے گر تو ٹوپی اس کی ٹیلہ سے اچھلوا دو

دوسری روح :-

مگر یہ بھی سمجھ لو اس پہ سب افغان بگڑیں گے — ہمارے ویسرائے کے کابلی مہمان بگڑیں گے
کہیں گے حضرتِ طرزی یہ اچھی میزبانی ہے — کہ یہ بدتمیزی ہے تو کانشا بدگمانی ہے

تیسری روح :-

سنو دہلی سے ٹیلیفون کی آواز آتی ہے — ہمارے ساتھ یہ بھی شاید اپنا سر ہلاتی ہے

چوتھی روح :-

نہیں یہ تو صدا ہے حضرتِ خواجہ نظامی کی — جنہوں نے ہجو لکھی ہے نصاریٰ کی غلامی کی

خواجہ حسن نظامی اپنے حجرہ میں بیٹھے ٹیلیفون میں :-

اے ہم نفسو! تم کو مبارک ہو مسوری — گر رزم سے اکتائے ہو دل بزم سے بہلاؤ
رقاصیٔ بسمل کا تماشا جو نہ خوش آئے — محفل میں کسی شوخ پری زاد کو نچواؤ
ملتی نہیں گر کوئی طرحدار پہاڑن — رنڈی کوئی اچھی سی بنارس ہی سے بلواؤ

پہلی روح :-

نہ تھا معلوم خواجہ کو کہ ہم ان کی بات میں لیں گے — چمن میں چوری چوری جائیں گے اور پھول چن لیں گے
ابھی حکمت سے ہم عہدہ برا ہوں گے بھٹانوں سے — بہلانا چاہئے ان کو بنارس کے ترانوں سے
ادھر ہوٹل کے کمروں سے نکالو جا کے نہرو کو — ادھر لے آؤ پچھواڑے سے اک خونریز نہرو کو

محفل رقص و سرود

نغمۂ مبارک باد

سوری میں طرزی کا آنا مبارک — حضوری میں ہندی کا گانا مبارک

ترازو ہوا تیر امان اللّٰهی کا — دلِ ہند کو یہ نشانہ مبارک

مسلمان ہندو گلے مل رہے ہیں — وطن کو یہ اچھّا زمانہ مبارک

پٹاری اناروں کی کابل سے آئی — جو بیمار ہیں اُن کو کھانا مبارک

جو ہنستا ہے مغرب تو روتا ہے مشرق — ہنسانے سے بڑھ کر رُلانا مبارک

سلامت رہے جارج پنجم کی دولت — اور اس کا دل آرا فسانہ مبارک

دعا ہے کہ ہوں ایک دہلی و کابل — محبّت کی پینگیں بڑھانا مبارک

سب رو دیں ملکر منہ بسورتی ہیں :-

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی !

---

۲۶ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

قصائد

و

اشعارِ مدحیہ

مولانا سیّد محمّد داؤد غزنوی

قائم ہے ان سے ملّتِ بیضا کی آبرو
اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی

رجعت پسند کہنے لگے ان کو دیکھ کر
آیا ہے سومنات میں محمود غزنوی

کلکتہ میں اک اور بھی ہیں ان کے ہم لقب
یہ ہست غزنوی ہیں وہ ہیں بود غزنوی

کلکتہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۸ء

مولانا عبد القادر قصوری

قبلہ عبد القادر ان احرار کے سردار ہیں — آج جو پنجاب میں حق کے علم بردار ہیں

جن سے ہے اسلام کی محفل کی رونق برقرار — جن کی ملاحی سے آزادی کے بیڑے پار ہیں

سر کٹاتے ہیں رسول اللہ کے ناموس پہ — قید ہونے کے لئے آمادہ ہیں تیار ہیں

ان کی قلت کی چھڑی سے رہ گئے ہیں ٹوٹ کر — ہند میں جتنے طلسم اندک و بسیار ہیں

فقر میں بھی اُن کے آتی ہے نظر شانِ غنا — بلکہ دامن گیر رسم احمدِ مختار ہیں

زر بکف ہونا بڑا آسان ہے اس دور میں
سر بکف ہونے کے ڈھب لیکن بہت دشوار ہیں

لاہور
۱۳ جنوری ۱۹۲۸ء

سر علی امام

سروں کے ذکر پر اک دوست نے سوال کیا
کہ اس گروہ میں کچھ لوگ نیک نام بھی ہیں

مری نظر میں تو سب سر ہیں نفس کے محکوم
اور اس کے ساتھ ہی سرکار کے غلام بھی ہیں

دیا جواب یہ میں نے کہ ان کو کچھ نہ کہو
اسی گروہ میں سید علی امام بھی ہیں

مئے مجاز نہ پینے کا عہد باندھ کے اب
شکست توبہ میں سرگرم اہتمام بھی ہیں

---

۲۰ دسمبر ۱۹۳۸ء

چودھری افضل حق

ڈٹ کے کونسل میں کھڑا جس وقت افضل حق ہوا
حق کی ہیبت چھائی ایسی رنگ باطل فق ہوا

مجلس وضع قوانین کا بہار آرا چمن
اُس کے ایک اُچھر سے اک وادیِ لق و دق ہوا

جافرے ڈی مانٹ مورنسی کی سٹی گم ہوئی
اُن کے ہر چٹکو کی منطق کا کلیجہ شق ہوا

جس نے جھوٹوں کی خوشامد کی وہ ٹھہرا عقل مند
جو نہ سچی بات سے جھجکا وہی احمق ہوا

صوفیوں کا دعویٰ عشق پیمبر ہے کہاں
کوئی پوچھے کیا وہ اُن کا نعرۂ ہو حق ہوا

وقت پر کام آئے آخر کو ہمیں ڈاڑھی منڈے
اور ہمارا ہی مطیع ایام کا ابلق ہوا

میرا اس دعوے کے ہر ہر جملہ کا ایک ایک حرف
مولوی احمد علی کے وعظ سے مشتق ہوا

لاہور ۱۱ اگست ۱۹۳۲ء

احرار لدھیانہ

رسول اللہ کا فرماں ہے پٹیل کو ڈپٹر فالب
مرے قانون کا ٹھینگا ہے اس آئین کے سر پر

ہمارے دم سے ہے پنجاب کی ہنگامہ آرائی
کہ رونق ہے فلک کی ماہ اور پروین کے سر پر

جلا کر راکھ ڈالے گی سقے کی حکومت کو
وہی بجلی جو منڈلاتی تھی فلسطین کے سر پر

محافظ دین کے سر تو نہیں ہیں یا علی بھائی
اساس شرع محکم ہے انہیں دو تین کے سر پر

اہل اللہ ہی تھا جس نے گوکل کو بھی تڑپایا
یہ کالا ناچ سکتا ہے فقط اس بین کے سر پر

دعائیں ہم نے دیں اس کو فرشتوں نے کہی آمین
علم ہے سربلند اس کا اسی آمین کے سر پر

ہوا اسلامیوں میں جذبۂ حب وطن پیدا
تو اس جذبہ کا سہرا ہے اسی مسکین کے سر پر

خدا وہ دن کرے صدقہ میں پیغمبر کی عزت کے
کہ رکھوں تاج دنیا کا میں تاج الدین کے سر پر

مسلمانوں کا مستقبل ہے روشن لدھیانہ میں
کہ ہے بار امانت سید یٰسین کے سر پر

---

۱۹ فروری ۱۹۲۹ء

قصیدہ

بروز شنبہ مطابق ۶ اپریل ۱۹۰۱ء کیمپ لنگم پلی واقعہ ضلع ورنگل میں نواب سر وقار الامرا بہادر صدر اعظم دولت آصفیہ کے سامنے پڑھا گیا۔

کچھ عجب شان سے اس مرتبہ آئی ہے بہار — کہ گل و لالہ سے ہے دامن گلچیں کہسار
جس طرف دیکھئے سبزہ کی لگی ہے محفل — جس طرف دیکھئے ہے سنبل تر بادہ گسار
جس طرف جائیے گردش میں ہے جام و مینا — جس طرف سنئے عنادل کے ترانے ہیں ہزار
اثر نامیہ ہے غازۂ روئے گل تر — سبزہ کی زلف کا شانہ ہے صبا کی رفتار
لڑکھڑاتی ہوئی آتی ہے صبا مستانہ — خواب نوشیں سے ہوا ہے ابھی سبزہ بیدار
تاڑ کہتا ہے کہیں سرو سے میں بہتر ہوں — نسترن مجھ کو کہاں پائے گی ہے دعوئ خار
ہر طرف شاہد قدرت ہی نہیں جلوہ فروش — گرم انسان کا بھی ہے ایک طرف کو بازار
جشن برپا ہے بڑی دھوم سے اک جنگل میں — غلغلہ عیش کا ہے اور مسرت کی پکار
کس لئے آج مرتب ہے یہ بزم زیبا — کس لئے آج ہے یہ عیش و طرب کا اظہار

روکش صحن چمن آج ہے کیوں ساحت دشت / آج کس شخص کا جنگل میں لگا ہے دربار

کونسی بزم ہے یہ کون ہے اس کا ساقی / کون یہ قافلہ ہے کون ہے اس کا سالار

ہے یہ وہ بزم کہ ہر ذرہ ہے جس کا خورشید / ہے یہ وہ بزم کہ سرمست ہے جس کا ہشیار

ہے یہ وہ بزم کہ دولت کو ہے اس پہ نازش / ہے یہ وہ بزم کہ اقبال کو ہے اس سے وقار

ہے یہ وہ بزم کہ اس سے ہوا جنگل منگل / ہے یہ وہ بزم کہ اس سے ہوا صحرا گلزار

ہے یہ وہ بزم کہ فانوس ہے اس کا گردوں / ہے یہ وہ بزم کہ شمع اس کی ہے خورشید نثار

بزم جمشید کے قصے تو چلے آتے ہیں / مگر اس بزم طرب زا کی انوکھی ہے بہار

کیوں نہ اس بزم کو ہو فخر خود اپنے اوپر / جبکہ اس بزم کے ہیں باعث زینت سرکار

ہے یہ وہ بزم کہ سرکار ہیں جس کے ساقی / ہے یہ وہ قافلہ سرکار ہیں جس کے سالار

داور ذی حشم و جاہ و قائد الامرا / نیر برج شرف جن پہ سعادت ہے نثار

مہبط فضل خداوند و فیض یزداں / معدن لطف و کرم مخزن جود و ایثار

جن کا شیوہ ہے کرم لطف ہے آئین جن کا / جن کا احسان ہے چلن اور مروت ہے شعار

ہوئے پنجشنبہ کے دن بلدے سے نہضت فرما / اس ارادے سے کہ چندے رہے سیر اور شکار

کیوں نہ تھک جائے شب و روز کی محنت سے دماغ / مستقل کام سے کیسے نہ پڑے طبع پہ بار

سر بھی ہے متقاضی کہ ملے کچھ تو فراغ / دل بھی ہے متمنی کہ ملے کچھ تو قرار

اک نہ اک وقت ہے تفریح و تفرج بھی ضرور / اک نہ اک وقت ہے لازم رہے انسان بیکار

جمعہ کے روز ہوئے وارد لسنگم پلی | ان کے قدموں سے بنا صفحۂ ہامون گلزار

خبر آئی یہ اسی روز ہوا ہے گارا | سن کے فرمانے لگے ہوں گے ابھی ہم بھی سوار

ابھی سورج نہ ڈھلا تھا کہ سواری نکلی | فتح و نصرت ہوئی ہمراہ رکاب سرکار

دیکھ کر اس کی جھلک خیرہ ہوئی چشم فلک | چھا گیا چہرۂ خورشید پہ بادل کا غبار

رشک سے گرد ہوئی ابلق ایام کی چال | شوخیاں اپنی دکھائی جو چلی لیل و نہار

غرض اس شان سے پہنچے وہاں باجاہ و خدام | جہاں ضیغم کو یہ دعویٰ تھا کہ ہوں میں سردار

دامن کوہ میں کرتا تھا فلک سے باتیں | اک شجر جو کہ بلندی میں تھا رشک اشجار

گود میں اپنے لئے تھا وہ مچان اک اونچا | جس کو خدام نے پہلے سے کیا تھا طیار

نردباں اس پہ لگا کر ہوئے رونق افروز | اور دیا حکم کہ ہوں ہانکنے والے طیار

شور اب دف کا ہوا لوگ لگے چلانے | گونج اٹھے غلغلہ سے دشت و جبل وادی و غار

چیختا تھا کوئی اور چرخی گھماتا تھا کوئی | خالی بندوق کا کرتا تھا ہوا میں کوئی وار

سن کے یہ شور عجب کھلبلی جنگل میں پڑی | اڑے طاؤس کہیں اور کہیں تیہور و سار

شور محشر کا جو ہنگامہ بپا تھا ہر سو | شیر گھبرا کے ہوا نیند سے آخر بیدار

غار سے وہ بصد انداز خرامان نکلا | جھومتا جاتا تھا مستانہ تھی اس کی رفتار

دامن کوہ سے جھاڑی میں نکل کر پہنچا | اور قضا نے کیا سرکار سے اس کو دوچار

مطمئن ہو کے جو سرکار نے سر کی بندوق | اس نے بھی آنکھ اٹھا کر انہیں دیکھا اک بار

گولی بندوق سے نکلی تھی اجل کی داعی
ملک الموت مگر اوج ہوا پر تھا سوار

سر جا کے پہلو میں لگی اور گرایا اس کو
مثل پیکان قضا ہو گئی سینے کے پار

گر تا پڑتا وہ چلا اور گیا چند قدم
پتھروں میں وہ چھپا جا کے میان کہسار

ملک الموت نے چھوڑا نہ وہاں بھی پر اُسے
جان سرکار کے اقبال پہ کی اس نے نثار

لوگ کہتے تھے یہی شیر ہے زندہ اب تک
زخم ہیں چند لگے پر نہیں کوئی بیکار

روز ہے روز اگر اور اگر رات ہے رات
تو نہیں زندہ بچا شیر یہ بولے سرکار

ہیں جو کپتان رسالے کے وہ اور افضل خاں
ڈھونڈنے اس کو چلے ہاتھی پہ ہو کر کے سوار

غلغلہ چار طرف بن میں دوبارہ اٹھا
شور پھر دف کا مچا اور بڑی ہانکے کی پکار

سر بنادیں کہیں چھپیا دکشٹیا نے
نہ کہیں اُن کو سکون تھا نہ کہیں اُن کو قرار

شور اتنا ہوا لیکن نہ کراہا تک شیر
غل مچا اتنا مگر اس نے نہ لی ایک ڈکار

پھر تو سب لوگ لگے فرط طرب سے کہنے
کہ نہیں شیر ژیاں زندہ بچا ہے زنہار

واقعی مردہ وہ ایک کھیت میں ملا ڈھونڈنے پر
قول سرکار کی تصدیق ہوئی آخر کار

ناز تھا اپنے تہور پہ شجاعت پہ جسے
اس کی جرأت کا نہ باقی رہا کوئی آثار

الغرض کیمپ میں لائے اُسے باشوکت و شان
سبز شاخیں تھیں کفن اس کا تو پتے تھے مزار

کھال کھنچ گئی اس کی زہے پابوسی
رہ گیا اس کی فقط ہڈیوں کا اک انبار

عرض سرکار سے کی میں نے مبارک باشد
یہ شکار اور شکار ایسے ہی شیروں کے ہزار

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد
رہین باد دولت و اقبال سلامت سرکار

اپریل سنہ ۱۹۰۱ء

مرکزی خلافت کمیٹی

نقشہ کھینچا جب سے ہیں نے شوکت اسلام کا
گر وہیں سامنے بہزاد اور مانی ہوئے

کی رسول اللہ پر قربان اپنی جان جب
زینت اورنگ قسطنطنیہ عثمانی ہوئے

ہے خلافت سے ارادت باپہ نازش جنہیں
صاحب ایماں بروئے نص قرآنی ہوئے

اڑ کے آؤ اے ابابیلو! کہ بیت اللہ میں
ابرہہ کے جانشیں وقف ستم رانی ہوئے

کیا قیامت ہے کہ خود یثرب میں فرزندان کفر
ملت بیضا کے آئینہ کی حیرانی ہوئے

برق بنکر اپنے خرمن کو دیا خود ہم نے پھونک
آپ ہم اپنے لئے اسباب ویرانی ہوئے

جن کو کہتے ہو شریف اس سے تو اچھے ہیں رذیل
دوست سمجھا تھا جنہیں وہ دشمن جانی ہوئے

کفر کی ظلمت میں نور اسلام کا مسلم نہ ڈھونڈ
وسوسے تیرے تجھے وجہ پریشانی ہوئے

ہے تمنا موت کی اسلام میں معیارِ صدق
دہر میں باقی وہی رہتے ہیں جو فانی ہوئے

زندگی کی بھاپ کے بننے میں اب کیا دیر ہے
جب ہمارے دیدہ و دل آگ اور پانی ہوئے

ساحلِ ہندوستاں پہ کچھ غلامانِ رسولؐ
خاک بوسِ بابِ ایوانِ سلطانی ہوئے

چند مسلم جن کے دل میں ہے تڑپ اسلام کی
بمبئی میں اس مبارک کام کے بانی ہوئے

بن گئے مخدومِ ملت خدمتِ اسلام سے
اس میں سیٹھ احمد ہوئے یا سیٹھ چھوٹانی ہوئے

چند نکتے ہیں یہ حاضر ورنہ مجھ پر منکشف
لکھتے لکھتے بے شمار اسرارِ حقانی ہوئے

اور بھی کچھ شعر ہو جاتے مگر آکر خجل
عالمِ اشراق میں آزادؔ سبحانی ہوئے

سرحد کی شیرنیاں

سرحد کی مجاہد خاتونو! اللہ کی تم پر رحمت ہو
وہ غیرت حق کی حرکت تھی جس حرکت کی تم برکت ہو

احسان کی تم تصویریں ہو ایمان کی تم تفسیریں ہو
جنت ہے تمہارے پاؤں تلے تم راز حیات امت ہو

لنے پرگیاں چھوڑ دیں تم کر گئیں پیدا ذوق یقیں!
برہان حجاب اس دنیا میں عقبیٰ میں دلیل دیت ہو

اسلام کا نقشہ کھینچ دیا اس نخل کو خوں سے سینچ دیا
جو دہر کے ہر کافر کیلئے اک پھولتی پھلتی آفت ہو

کوہاٹ میں جو کچھ تم نے کیا لاہور میں ہم سے ہو نہ سکا
یوں کہنے کو دنیا کہتی ہے ہم مرد ہیں اور تم عورت ہو

---

۲۷ جنوری سنہ ۱۹۳۲ء

قوت اگلی سی عطا کر تو مسلمانوں کو | اور کر یاد دگر ان پہ در حکمت باز
علم آئینہ اگر ہو تو سکندر ہم ہوں
ہوں مسلماں جو محمود تو ہو علم ایاز

سنہ ۱۹۰۱ء

گاندھی

بردولی سے پہلے

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کر دیا | باطل سے حق کو دست و گریباں کر دیا
سر رکھ دیا رضائے خدا کی حریم پر | خنجر کو پھر حوالۂ شیطان کر دیا
ہندوستاں میں ایک نئی روح پھونک کر | آزادیٔ حیات کا ساماں کر دیا
دشمن ہیں اور دوست ہیں ہونے لگی تمیز | کتنا بڑا یہ ملک پہ احساں کر دیا
دے کر وطن کو ترک موالات کا سبق | ملت کی مشکلات کو آساں کر دیا

شیخ اور برہمن میں بڑھایا وہ اتحاد — گویا انہیں دو قالب و یک جان کر دیا
اوراق جبر و جور و جفا کو بکھیر کر — شیرازۂ سلطنت کا پریشان کر دیا
ظلم و ستم کی ناؤ ڈبونے کیواسطے — قطرہ کو آنکھوں آنکھوں میں طوفان کر دیا
تن من کیا نثار خلافت کے نام پر — سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا

پروردگار نے کہ وہ ہے عزت شناس
گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کر دیا

گاندھی

بردولی کے بعد

گاندھی کے بس بنائے ہوئے گھر کو آہ آہ — دست فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
خود اس فدائے قوم کو چھ سال کے لئے — سرکار ذی وقار کا مہمان کر دیا
قسمت نے ڈال کر کسے قید فرنگ میں — ہندوستان کے جسم کو بے جان کر دیا
جو ستم ہی اُس کے ملک کی حالت بدل گئی — انسان نے اپنے آپ کو حیران کر دیا

اسلامی یونیورسٹی

یقیں ہے پل میں حل یہ عقدۂ دشوار ہو جائے — ذرا ساقی کی چشم مست اگر ہوشیار ہو جائے

کرے گر قوم کی کر عرض آصف جاہ سادس سے — ادھر بھی اک نظر لطف سے قوم کے ممتاز ہو جائے

بنایا خاک کو سونا کیا تیری نگاہوں نے — خزف جس کے اشارے سے گہر شہوار ہو جائے

سرور انگیز تیرا بادۂ ایثار و احساں ہے — پلا اتنا کہ محفل مست اور سرشار ہو جائے

تیرا وابستۂ دامن دولت جب علی گڑھ ہے — نہ استمداد کو تیار کیوں ہمسر یار ہو جائے

اگر جنبش میں آجائے کہیں کلک گہر افشاں تیری — مسلمانوں کی یونیورسٹی تیار ہو جائے

اگر یہ عرض پہنچے میر محبوب علی خاں تک
بلا دقت مسلمانوں کا بیڑا پار ہو جائے

یکم فروری ۱۹۱۰ء

لاجپت رائے کی یاد میں

مٹا کرتی ہیں جب عزت پہ قومیں ہے اُس عزت کا سامان لاجپت رائے

وطن پہ جان دو تم بھی اسی طرح ہُوا جس طرح قربان لاجپت رائے

بڑی مشکل سے ملتا ہے یہ رتبہ نہیں ہوتا ہے آسان لاجپت رائے

وہ محفل رو رہی ہے اُس کو جس میں رہا برسوں غزل خوان لاجپت رائے

ہمیں رہ رہ کے یاد آیا کرے گا تیرا ایک ایک احسان لاجپت رائے

ہمارا نعرہ ہے آزادیٔ ہند

اور اس نعرہ کا عنوان لاجپت رائے

---

۴ دسمبر ۱۹۲۸ء

بہارستان

حصہ دوم

سیاسی نظمیں

کاتب عبدالمجید رحمت گوندلوی

ہندوستان

ناقوس سے غرض ہے نہ مطلب اذاں سے ہے
مجنوں کو عشق لیلیٰ ہندوستاں سے ہے

تہذیب ہند کا نہیں چشمہ اگر ازل
یہ موج رنگ رنگ پھر آئی کہاں سے ہے

ہے ایشیا کی گرمی ہنگامہ کا یہ راز
رونق ہمارے شہر کی ایک اس دکاں سے ہے

ہندوستاں کی قدر میرے دل سے پوچھئے
جز تجربہ آپ کے تو قیاس و گماں سے ہے

ذروں میں گر تڑپ ہے تو اس خاک پاک سے
سورج میں روشنی ہے تو اس آسماں سے ہے

فردوس گوش ہو گئی آواز اہل دل
زینت ہماری بزم کی اردو زباں سے ہے

پیک فضا میں یہ غلط انداز یاں کہاں
چھوٹا یہ تیر ہند کی بانکی کماں سے ہے

شمارہ صبح — ۴ دسمبر ۱۹۱۶ء

خطاب بہ برطانیہ

نہ سویٹ سے نہ ایراں کے کج کلاہ سے ڈر — مگر ستم زدہ ہندوستاں کی آہ سے ڈر

نہ ڈر فرانس کی نیزوں کی خوں فشانی سے — مگر ہماری دعا ہائے صبح گاہ سے ڈر

نہ ڈر خدا سے اور اس کے عتاب سے لیکن — نبی کی غصے میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈر

الگ الگ سے ہیں بیعل سلے ہیں اب آکر — دل اور عقل کی اس تازہ رسم و راہ سے ڈر

جو عقل ہے تو سن ان مخلصانہ باتوں کو

جو ہوش ہے تو ہمارے اس انتباہ سے ڈر

احرارِ پنجاب اور نمائندگانِ کشمیر

ہمارے مشوروں کی قدر کیا کشمیر والوں کو
ہمارا حال ہے جن کی نظر میں عبرتِ ماضی

وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آپ ہی محتاجِ درماں ہو
تو کس کام آئے گی کشمیریوں کے اس کی نباضی

رعایا ہاتھ کیوں پھیلائے اٹھ کر غیر کے آگے
بُرے کار اگر آنے لگے راعی کی فیاضی

خدا کا حکم ہے تم اپنی حالت آپ ہی بدلو
خدا کی جو رضا ہے بندہ اس سے کیوں نہ ہو راضی

ہمارے گھر کا جھگڑا ہے ہم آپ اس کو چکا لیں گے
میاں بی بی جب راضی تو پھر کیوں دخل دے قاضی

۲۹- اکتوبر ۱۹۳۱ء

کانگریس اور حکومت کی صلح

"ایک خیال"

ہندوستاں غلام تھا آزاد ہوگیا
اجڑا ہوا یہ باغ پھر آباد ہوگیا

بلبل قفس سے اڑ گئی پر تولتی ہوئی
قید اس قفس میں آج سے صیاد ہوگیا

اہلِ وطن رہا ہوئے قیدِ فرنگ سے
جس نے سنا یہ مژدہ وہ دل شاد ہوگیا

برطانیہ کا جبر کیا جس پہ ہم نے صبر
ہندوستاں کے امن کی بنیاد ہوگیا

دہلی میں خون ہوگئی لندن کی آرزو
دفتر اس اقتدار کا برباد ہوگیا

چرچل نے جب سنا کہ رہی کانگرس کی جیت
گرمِ فغان و نالہ و فریاد ہوگیا

گاندھی کہ سرکشوں کے سر اس نے جھکا دیئے
اس فن میں اس زمانہ کا استاد ہوگیا

نقشِ وفا بنا شہدائے وطن کا خون
اس خون سے صلح نامہ پہ جب صاد ہوگیا

ہ در اصل ہوا
برطانیہ کے جبر پہ
[illegible]

مینم جی

ہے اس عقیدے پہ ہند قائم کہ رام بھی ہے رحیم بھی ہے
ادھر الف واؤ میم بھی ہے ادھر الف لام میم بھی ہے

بندھا ہوا پیٹ پر ہے پتھر مگر ہمالے سے سر ہے اونچا
میں ہوں مسلماں وضع میری جدید بھی ہے قدیم بھی ہے

سزا گناہوں کی دے چکا ہے جزا پشیمانیوں کی دیگا
کہ منتقم ہے خدا ہمارا مگر غَفُورُ الرَّحِیمُ بھی ہے

جب آئے ہم جیل میں تو ہم پر کھلا کہ یورپ ازل کے دن سے
دروغ گو بھی ہے حیلہ جو بھی کمینہ بھی ہے لئیم بھی ہے

اگر ہم آزاد ہیں تو جنت غلام اغیار ہیں تو دوزخ
یہ جاں سے پیارا وطن ہمارا بہشت بھی ہے جحیم بھی ہے

چمن میں فصل گل آ رہی ہے خزاں کے ایام جا رہے ہیں
کرشمہ گستر ہیں لالہ و گل تو نکہت افشاں نسیم بھی ہے

نوٹوں کی ہر اک دلیل جب کہ ہے خس سے بھی ذلیل
جیب کے نوٹ میز پہ دینے لگے وہ رلٹ کیوں

علت مفلسی میں جب ووٹ بھی ہم نہ دے سکیں
جیل میں بھیج کر یہ ناچ آپ نے پھر نچائے کیوں

ستر اس حجاب میں شرم ہے ہر گناہ کی
ریش دراز کا حجاب چہرہ سے شیخ اٹھائے کیوں

دودھ پلانے کیلئے بیوی ہے گھر میں جب دودھیل
لالہ جی پھر خرید کر گاؤں سے لائے گائے کیوں

جس کے قدم کی خاک ہو سارے جہاں کی سجدہ گاہ
غیر کے آستانہ پہ جا کے وہ سر جھکائے کیوں

برہمن اور شیخ کے دل ہوں اگر ملے ہوئے
ٹام نئے نئے ستم تے دن اُن پہ ڈھائے کیوں

ہے رگ جاں کی شرمسار چشم ہند کی اڑان
جو نہ پلا سکے یہ دور وہ یہ پتنگ اڑائے کیوں

ابر مطیر انقلاب سارے جہاں پہ چھا گیا
ہند پہ بھی یہ ابر تر جھوم کے چھا نہ جائے کیوں

شہیدانِ وطن

شہیدانِ وطن کے خونِ ناحق کا جو ست نکلے
تو اس کے ذرہ ذرہ سے بھگت سنگھ اور دت نکلے

چڑھا ایران میں منصور انا الحق کہہ کے سولی پہ
مزا جب ہے کہ تارِ ہند سے ایسی ہی گت نکلے

مسلمانوں نے کتنے نوجواں اب تک کئے پیدا
جو آزادی کے گہوارے میں پا کر تربیت نکلے

خدا حافظ مسلمانوں کے اقبال اور دولت کا
خدا کے شیر بھی نکلے تو شیر آغا صفت نکلے

حقوقِ مسلمیں کے کچھ محافظ چل دیئے لندن
مگر وہ بھی پرستارانِ کیشِ عافیت نکلے

نثار اُن پہ عالم سوز پہ سو جان سے ہے مختل
کہ جس کوچہ میں جا نکلے حریفِ مصلحت نکلے

رسول اللہ کا ہم گاڑ دیں جھنڈا ہمالہ پہ
ہمارے بازوئے فاتح کرید اللٰہی سکت نکلے

۱۲ اپریل ۱۹۳۱ء

خدا کی بے آواز لاٹھی

سدرلینڈ اور اس کا ظلم اگر نابود ہو جائے
تو کشمیری مسلمانوں کا دل خوشنود ہو جائے

مسلمانوں کو ملا کر خاک میں کیا اسکی خواہش ہے
کہ ذرہ ذرہ اس اقلیم کا بارود ہو جائے

کوئی ان ناخدا ترسوں سے پوچھے کیا قیامت ہے
کہ بچے بچے کا پیراہن بھی خون آلود ہو جائے

بخاری کی زباں سے گر حدیث قادیاں سن لو
عجب کیا ہے تمہاری عاقبت محمود ہو جائے

خدا کی شان ہے اک ریزہ چیں خوان انصاری کا
گدائی کرتے کرتے مہدیِ موعود ہو جائے

نکالا جائے گر کشمیر سے مرتد قادیانی کو
تو باب فتنہ اپنے آپ ہی مسدود ہو جائے

شہیدان وطن کے خون ناحق کے تصدق میں
عجب کیا ہے غلامی کا نشاں مفقود ہو جائے

خداوندا مسلمانوں کے رسوا کرنے والوں میں
کوئی مخذول ہو جائے کوئی مطرود ہو جائے

خدا کے بھولنے والوں کا حشر اس وقت کیا ہوگا
وہ لاٹھی جو ہے بے آواز اگر موجود ہو جائے

لاہور ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء

مغربی تہذیب کے پتلے

سنو اچھی طرح اے مغربی تہذیب کے پتلو
کہ ہم اتنا ہی ابھریں گے دباؤ گے ہمیں جتنا

سنبھل کر ڈالیے گا ہاتھ صاحب صنفِ نازک پر
کہیں محشر نہ بن جائے یہ عورت ذات کا فتنہ

چبھوگے تا بکے سنگینیں کہاں تک جیتی سینوں پر
ذرا ہم بھی تو دیکھیں ان بازوؤں میں ہے دم کتنا

وہ چنگیزی یہ انگریزی وہ قہریلی یہ زہریلی
ہلاکو اور بچو جی کی فطرت میں ہے فرق اتنا

جئیں گے کب تلک اقبال میں یہ ناچنے والے
پھر اے نافت تا تا آہنگ اِذَا اَمِتْنَا

۱۰ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

چگونگی آمد و شد سائمن

نوحۂ وفا کیشانِ اَزلی

سر محمد اقبال :-

سائمن آں کہ بدیں شہر و دیار آمد و رفت   دلبرے بود کہ ما را یکسار آمد و رفت

راجہ نریندر ناتھ :-

باز لاہور از آفاتِ خزاں شد پامال   حیف در گلشنِ پنجاب بہار آمد و رفت

مسٹر منوہر لال :-

بشنو از چاکِ گریباں کہ چساں در کفِ ما   تلمسے از زلفِ سمن بوئے نگار آمد و رفت

ترانۂ احرار

صبحِ امید کہ از زاویۂ غیب دمید   خبر آور د کہ عہدِ شبِ تار آمد و رفت

اے عزیزانِ وطن! بہ سرِ گنج پنجاب   مژدگانے! کہ ز برطانیہ بار آمد و رفت

باش تا بشنوی از حلقۂ رندانِ جہاں
کہ دگر بار زبوں آمد و زار آمد و رفت

۲۸ - مارچ ۱۹۲۸ء

مشقِ ناز

ترا رسد کہ جہانے بہ ترکتاز کشی   گہے عراق کشی و گہے حجاز کشی
ہوئی تمام رعایا تباہ اور برباد   کہاں سے سیکھی ہے محمود نے ایاز کشی
یہ کہہ رہے ہیں ملیبار اور جلیاں والہ   کسے نماند کہ دیگر بہ تیغِ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

سر جان سائمن کا دوسرا استقبال

سائمن صاحب کے استقبال کا وقت آ گیا — جاگ اے لاہور اپنے فرض کو پہچان کر

ان سے رہتے ہیں کئی آنکھیں چھپائے جا بجا — ڈھونڈ اے نخچیں جگر پھوڑ کاؤ کا سامان کر

چین خود لینگے نہ ان کو لینے دیں گے ایک دم — گھر سے اے پنجابیو نکلو یہ جی میں ٹھان کر

ریل سے اتریں تو کالی جھنڈیاں ہوں سامنے — جن کے اندر تم کھڑے ہو سینہ اپنا تان کر

تجھ کو اے پنجاب اگر کچھ بھی ہے پاس آبرو — اپنی اس عزت پہ اپنی جان کو قربان کر

طالب العلموں کے خون گرم کر کے ولولے — جوش آزادی کا برپا آتشیں طوفان کر

نوجوانوں کو پلا جام شراب زندگی — مشکلیں پیران وردہ شام کی آسان کر

کٹ کے بیگانوں سے مل جا یگانوں سے تو سکھا — لارڈ برکن ہیڈ کو نرگس کی طرح حیران کر

ہر قدم پہ کمیشن کا مستقل بائیکاٹ
طول و عرض ہند میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کر

۱۶ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مسلمانوں کا سیاسی زاویہ نگاہ میں ۱۹۱۲ء

تجھ سے اے ترکی ہمارا بر قرار اعزاز ہے
تو ہمارے واسطے سرمایۂ صد ناز ہے

ہم اگر بے دست و پا ہیں تو ہے خضر دستگیر
ہم اگر بشکستہ پر ہیں تو پر پرواز ہے

گونجتی تھی محفلِ عالم کبھی جس ساز سے
تو اسی سازِ بلند آہنگ کی آواز ہے

سبز گنبد والے آقا کا ہے تو جاروب کش
جس کی رحمت امت مرحوم کی دمساز ہے

نام ہے قائم گر اب تک دہر میں اسلام کا
سرورِ کون و مکاں کا یہ بھی اک اعجاز ہے

آئی ہے اٹلی کی شامت موت ہے سر پر سوار
اس لئے کھولے ہوئے اپنا دہاں آز ہے

عشق لندن دل میں سودا سر میں استنبول کا
ہم مسلمانوں کی ہستی کا یہ اصلی راز ہے

کاتب کی غلطیاں بہت افسوسناک ہیں

پاپ کی ناؤ

تجھے کیا سناؤں میں ہم نشیں مرے غم کا قصہ طویل ہے

مرے گھر کی لٹ گئی آبرو ہوا جب سے غیر دخیل ہے

نئے عہد کی ہیں یہ برکتیں کہ ہے بھائی بھائی میں دشمنی

وطن عزیز اسی لئے تو زمانہ بھر میں ذلیل ہے

ہیں نئی روش کی عدالتیں ہیں نرالے ڈھنگ کے فیصلے

نہ نظیر ہے نہ دلیل ہے نہ وکیل ہے نہ اپیل ہے

ہیں کسی کے پاؤں میں بیڑیاں تو کسی کے گھر کی ہیں قرقیاں

نگہ عتاب تیغ فرنگ کا جسے دیکھئے وہ قتیل ہے

ابھی وہ دباؤ نہیں پڑا جو ڈبوئے پاپ کی ناؤ کو!

انہیں پائے کبر و اسی لئے تمہیں اتنی دی گئی ڈھیل ہے

بدعہدی کا آسمانی خمیازہ

پرستاران باطل اس لیے مجھ پہ بگڑتے ہیں — کہ سچی بات کیوں میں نے بلا خوف و خطر کہہ دی

گناہ ہے میں نے کیوں احسان امان اللہ غازی کے — جتائے میں نے کیوں دنیا کو نادر خاں کی بدعہدی

مسلمانو! تم ان شطرنج کی چالوں کو کیا جانو — بڑھایا مہرۂ شیر آغا نے برکن ہند نے جنبش دی

یہ سب کچھ ہو چکا لیکن نظر اب صاف آتی ہے

کہ شرح کان مستولا ہے اپنے عہد کا مہدی

---

۷ دسمبر ۱۹۲۹ء

سالِ نو کا ہنگامہ

سنہ ۱۹۳۲ء

برطانیہ کی چھڑ گئی ہندوستاں سے جنگ
حالانکہ اس سے جنگ ہے سارے جہاں سے جنگ

گیتا سے اور گرنتھ سے زور آزمائیاں
قرآں کی آیتوں کے قشونِ گراں سے جنگ

ارجن کے اور بھیم کے گھر سے مقابلہ
پھر خاندانِ سرورِ کون و مکاں سے جنگ

توحید کے علم کو جھکانے کے حوصلے
جو قدسیوں کے ہاتھ میں ہے اس نشاں سے جنگ

سرحد کے غازیوں کو کچلنے کی نیتیں
بچے سے جنگ بوڑھے سے جنگ اور جواں سے جنگ

صلح و سلام و امن و اماں جس کی ہے متاع
غارتگروں کی ٹھن گئی اس کارواں سے جنگ

برق اور دخاں پہ کیوں نہ ہو ایمان خندہ زن
کرنے چلی ہے آج زمیں آسماں سے جنگ

ہے زیردستیوں پہ زبردستیوں کی تاخت
مورانِ نیم جاں کی ہے پیلِ دماں سے جنگ

دھاوا سپاہ کا جبر کا ہے خیلِ صبر پر
توپ اور تفنگ کی ہے قلم اور زباں سے جنگ

ہم ناتواں سہی ہے خدا تو ہمارے ساتھ
اب بھی وہ کر رہے ہیں تو کریں ناتواں سے جنگ

ذرّہ کے ساتھ جنگ ہے جنگِ آفتاب سے
خفاش کی عبث ہے شہِ خاوراں سے جنگ

آزادی کا بگل

بدلی ہے زمانے کی ہوا تم بھی بدل جاؤ
ہاتھ آ نہیں سکتا ہے گیا وقت سنبھل جاؤ

حدت مگر اس درجہ رہے خوں میں کہ موسم
گر برف کے سانچے میں بھی ڈھالے تو پگھل جاؤ

محنت کے بلا خیز سمندر کے نہنگو
سرمایہ کی مچھلی کو سموچا ہی نگل جاؤ

آزادیٔ کامل کا علم ہاتھ میں لے کر
میداں میں بجاتے ہوئے ایماں کا بگل جاؤ

ہے آٹھ پہر سے نئی تہذیب کی بارش
رستہ میں ہے کیچڑ کہیں اس میں نہ پھسل جاؤ

حیران ہیں مغرب کے کفن چور کہ مردے
چلاتے ہیں قبروں میں کہ مشرق سے نکل جاؤ

برطانیہ کی میز سے کچھ ریزے گریں گے
اے ٹوڈیو چننے تم انہیں پیٹ کے بل جاؤ

یکم جنوری ۱۹۳۱ء

اِنقلابِ ہند

بارہا دیکھا ہے تو نے آسماں کا انقلاب
کھول آنکھ اور دیکھ اب ہندوستاں کا انقلاب

مغرب و مشرق نظر آنے لگے زیر و زبر
انقلابِ ہند ہے سارے جہاں کا انقلاب

کر رہا ہے قصرِ آزادی کی بنیاد استوار
فطرتِ طفلِ نوزائیدہ پیرِ جواں کا انقلاب

صبر والے چھا رہے ہیں جبر کی اقلیم پر
ہو گیا فرسودہ شمشیر و سناں کا انقلاب

چٹکلے دو چھوڑ اور چرچل کا قصّہ پاک کر
تو نہیں بھولا امان اللہ خاں کا انقلاب

سجنِ فرنگ گجرات
یکم مئی ۱۹۳۰ء

شیخ و برہمن

اکثریت اگر اسلام کی پنجاب میں ہو — تو وہ کہتے ہیں کہ خطرے میں ہے تہذیب ہنود

اُن کے نزدیک ہے پنجاب فلسطیں گویا — آ گھسے جس میں مسلمان ہیں مانند یہود

جن کو لازم ہے کہ بن کر رہیں اُن کے غلام — یا کہیں بھی نظر آئیں نہ تہِ چرخ کبود

جو لہو اُن کے پسینے کی جگہ ٹپکائیں — کیا قیامت ہے کہ اُن کو وہ سمجھتے ہیں حسود

وطنیت یہی اُن کی ہے تو ہم سمجھیں گے — کہ وہ ہیں عبد اور انگریز اِن کا معبود

جن کو توحید سے ہے بیر وہ صد سالہ عناد — جس کے حق میں ہے خطرناک مسلماں کا وجود

"اے خدا برہمن و شیخ کے جھگڑے کو چکا
اور اٹھا ہند کی دیرینہ غلامی کی قیود

---

۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء

درسِ عبرت

اک نیا درس دیا گردشِ دوراں نے مجھے — دی ہے دعوت اگر اس مرتبہ زنداں نے مجھے

میرے ایماں کی فراست نے جتایا مجھ کو — کہ کیا بے سر و ساماں مرے ساماں نے مجھے

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روزِ سیاہ — خود دکھایا ہے مرے گھر کے چراغاں نے مجھے

کوئی کافر مری تذلیل نہ کر سکتا تھا — مرحمت کی ہے یہ سوغات مسلماں نے مجھے

سربلند اب بھی مجھے دیکھ رہی ہے دنیا
تو عطا کی ہے یہ طاقت مرے ایماں نے مجھے

سنٹرل جیل لاہور
۱۹ دسمبر ۱۹۳۱ء

طوفانِ مغرب

بہا کر لے گئی جو موج رنگ و ننگ کابل کو
خبر بھی ہے تمہیں تم کہ وہ کس سیلِ بلا سے ہے

یہ ہے وہ مغربی طوفاں جس کی سہمگیں ٹکر
ہماری ناؤ کے تختوں کی دشمن ابتدا سے ہے

وہ چنگاری جو شعلہ بن گئی یاروں کے خرمن میں
فروغ اس کا مسیحیت کے دامن کی ہوا سے ہے

شریعت کے نگہباں پیکرِ جہلِ مرکب ہیں
مصیبت ملت بیضا کی اُن کی اقتدا سے ہے

دیا ہے جس پہ فتویٰ کفر کا ان رُوسیاہوں نے
غلامی کی اسے نسبت محمد مصطفیٰؐ سے ہے

امان اللہ خاں نے زندہ کر دی سطوت کسریٰ
بغاوت اسکی دولت سے بغاوت خود خدا سے ہے

وہ قوت جو ودیعت کی گئی ہے اسکے بازو میں
علیؑ مرتضیٰ کے پنجہ زور آزما سے ہے

نہیں اس رمز کو جانا تو اب جانیں حریف اسکے
کہ اُس سے قصد آویزش لپٹ جانا قضا سے ہے

نہیں ہندوستاں میں کوئی بھی جو یہ نہ کہتا ہو
کہ آزادی کی امید اسکی دولت کی بقا سے ہے

یہ چرچے ہو رہے ہیں قدسیوں میں عرش اعظم پہ
کہ فتح اسلام کی لپٹی ہوئی اسکی نوا سے ہے

۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء

حزب العمال

اُڑتی سی اک خبر ابھی آئی ہے تار پر — سرمایہ دار چپل دیئے مزدور آ گئے
جو مطلق العنان تھے جڑ اُن کی کٹ گئی — جو کرتے تھے حمائت دستور آ گئے
جو مُژدہ اعتدال پسندانِ ہند کو — تھے اُن کی دوستی میں جو مشہور آ گئے
اِس انقلاب سے میری آنکھوں کے سامنے — جتنے بھی تھے حقائق مستور آ گئے
قیصر سے اپنی وضع کے گر مٹ گئے تو کیا — ان کی جگہ نئے نئے فغفور آ گئے

یہ فرقہ جدید بھی انگریز ہی تو ہے
خونِ رگ بریدہ چنگیز ہی تو ہے

نفیرِ عام

اچھلوایا گیا اخبار پر اشرار سے کیچڑ
برسائے گئے احرار پر پتھر لفنگوں سے

ضرورت کیا کہ ترکش سے نکالے غیر تیر اپنا
ہمارا سینہ چھلنی ہو جب اپنے ہی خدنگوں سے

وہ خوں رنگیں ہوا امن ہمارا جس سے ٹپکا ہے
جنابِ حضرتِ اقبال کے دل کی امنگوں سے

مسلمانوں کو ہندو سے لڑا کر آپ کیا لیں گے
نہیں مل سکتی آزادی فسادوں اور دنگوں سے

خدا کا سایہ جب سر پر ہو پھر خوف و خطر کیسا
خلافت کے عقابوں کو ہو کیا دہشت کلنگوں سے

نہ الجھیں راہ نمایانِ وطن سے مہر اور سالک
اگر دریا میں رہنا ہے نہ ٹکرائیں نہنگوں سے

"زمیندار" ایک آپ اتنے مگر اوجِ سیاست پر
یہ اک تکل لڑے گا آپ کے سارے پتنگوں سے

---

٢٧ ستمبر ١٩٢٨ء

مغربی بگولا

اڑانے آئی ہے مغرب کی آندھی — بگولا بن کے مشرق کے چمن کو
ہے پیغام ایک اس کی شوخیوں کا — ہجوم لالہ و جمع سمن کو
کمیشن تازہ کرنا چاہتا ہے — پھر استبداد کی رسم کہن کو
نہیں لاتے ہیں خاطر میں یہ ٹوڈی — مری تنظیم تیرے سنگٹھن کو
مگر ہو جائے سمجھوتا ہمارا — تو بدلیں آج ہی اپنے چلن کو
اب اس میں مالوی یا مولوی ہو — نبٹنا ان سے آخر ہے مدان کو

خدارا اب تو چھوڑو خانہ جنگی
بچانا ہے جو ناموس وطن کو

لاہور ۲۱ نومبر سنہ ۱۹۲۷ء

چراغِ حرم

ثابت جب اپنے آپ کو خیرالامم کیا
ہم نے کیا وہ کام کسی نے جو کم کیا

تیغِ جہاں کشا سے جھکایا سرِ عجم
نوکِ سناں سے گردنِ روما کو خم کیا

گھر گھر میں ہم نے حق کی تجلی بکھیر دی
روشن گلی گلی میں چراغِ حرم کیا

پہنچا دیا پیامِ خدا ہر دیار میں
ہر ملک میں بلند نبی کا علم کیا

بخشی ہمیں غلامیِ سرورِ کائنات
کتنا بڑا خدا نے یہ ہم پر کرم کیا

آئیں بائیں شائیں

پیسہ اخبار مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۱۲ء کے جواب میں

بلقانیوں کا شور ہے کوؤں کی کائیں کائیں
خبریں ہیں ان کی فتح کی سب آئیں بائیں شائیں

ہوتا ہے کوئی دم میں جلالِ حق آشکار
یہ کشتگانِ غمزۂ ابلیس رہ تو جائیں

ڈالا زمیں میں ظلم سے یورپ نے زلزلہ
مسلم دعا سے پایۂ عرشِ بریں ہلائیں

ریوٹر نے اہلِ یاس کا ایماں لیا خرید!
ہم کس لیے نہ سکۂ لَاتَقْنَطُوْا چلائیں

ہیں بند سب کے سب قفسِ احتساب میں
خبریں کہاں سے نامہ نگارانِ جنگ لائیں

اس پہ بھی تنگ آ کے وہ لاتے رہیں اگر
ہم آرہ انتقاد کا اُن پہ نہ کیوں چلائیں

نہلائے گا غنیم کی فوجوں کو خون میں
بلغاریہ نے ترک کی دیکھی نہیں ادائیں

اک ہم مسلم کو غصہ ہے اس بات پر بہت
سوجھیں نہ جو انہیں ہیں باتیں وہ سوجھ جائیں

اصرار ہے انہیں کہ جو اُسے دِلی اعتراف
وہ گالیاں ضروری ہم اُن کی طرح کھائیں

ریوٹر بھی فتح ترک کی دے گر کوئی خبر
ہم اس خبر کی شان کو اُن کی طرح گھٹائیں

قاصر ہیں گر اس سے تو ڈر ہے انہیں کہ ہم
تیورا کے بام قصرِ ثقاہت سے نہ گر جائیں

زمیندار ۲۰ نومبر ۱۹۱۲ء

سیاسیاتِ عالیہ

بس کہ تھا تثلیث عنوان دینِ قسطنطین کا
پڑھ گیا آکر سبق انگورہ میں والتین کا

یک بیک انگورہ کے انگور کھٹے ہو گئے
لومڑی سے رشتہ ہے دیرینہ قسطنطین کا

کہہ دو آغا خان سے اب لاٹھی ہی کچھ کام آئے گی
بھینس کے آگے ہے بے مصرف بجانا بین کا

وائے ناکامی کہ چشمے تیل کے سوکھے تمام
لے کے لائیڈ جارج جب دوڑے کنستر ٹین کا

نام حسرت سے لیا کرتے ہیں کرزن ان دنوں
مرو کا شیراز کا تبریز کا قزوین کا

صوبۂ سرحد کہ سب بے آئیں کہتے ہیں اسے
بن گیا آئینہ دار اسلام کے آئین کا

وہ "تھیٹر" جس میں "ایکٹر" ہوا امان اللہ خاں
کیوں نہ لطف آئے مسلمانوں کو اس سین کا

جوش میں غیرت رسولِ ہاشمی کی آ گئی
مشرق و مغرب میں اب ڈنکا بجے گا دین کا

جب دعا مانگی یہ مسلم نے کہ ہو ترکوں کی فتح
پہنچ گیا غل عرش پر چاروں طرف آمین کا

مغل پورہ

مسلمانوں کی قربانی کا ثمرہ مل گیا اُن کو
حکومت جھک گئی پنجاب میں اسلام کے آگے

ہوئیں تسلیم بے چون و چرا جتنی بجا نے میں
شرائط ہم نے جتنی پیش کیں حکام کے آگے

کیا وہ کام جب ہم نے خدا خوشنود ہو جس سے
ہوئی دنیا کی گردن خم ہمارے نام کے آگے

سپر انگریز نے ہندوستاں میں ڈال دی آخر
بصد زاری خدا کے آخری پیغام کے آگے

لاہور ۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

بلند شہر کا مجسٹریٹ اور مظلوم مہابیر تیاگی

اک سر پھری انگریز نے جب بر سر اجلاس
لگوائے پیادوں سے مہابیر کو جوتے

اتنا بھی نہ ہٹلر کی حکومت سے بن آیا
پر اپنے نمائندۂ انصاف کو ڈانٹے

جس روز بکھیرے گئے انصاف کے پھول
برطانیہ کے رستے میں بچھائے گئے کانٹے

اس ظلم پہ اس جور پہ چپ ہے سر بیداد
جلال اور مساوات کا بھی فلسفہ چھانٹے

اچھا ہے کہیں اس سے تو لندن کا وہ اندھا
پھر پیٹ کے منہ چاپ جو [illegible]

نیرنگ ۲۲، ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء

مالوی جی کی سیوا میں نویدن

حکومت التجاؤں سے کبھی حاصل نہیں ہوتی
کوئی اللہ کا بندہ یہ کہہ دے مالوی جی سے

کبھی بھی سیدھی انگلی سے نہ نکلا ہے نہ نکلے گا
چپڑنا چاہتے ہیں اپنے پھلکے آپ جس گھی سے

ریزولیوشن کہاں تک پاس کرتے ہم چلے جائیں
یہ چکنی کانگرس بھیگی ہوئی کس وقت تک پیپے

نہیں ملتی ہے جلسوں اور تقریروں سے آزادی
جو ملتی ہے تو ملتی ہے بچھتی اور ٹھیٹھی سے

جبھی تو بول بالا ہے جواہر لال نہرو کا
اور ان سے آ ملے ہیں دیس بالک ٹلی گاندھی سے

وہ گوکل کا گوالا جو ہے کنہیا بانسری والا
یہ کہتا ہے کہ بھینس اس کی جو ہانکے اس کو لاٹھی سے

۶ - نومبر ۱۹۲۸ء

کرنی ہے تجھے سیر اگر باغ گرو کی ‏ ‏ ‏ ‏ پٹ جا سر بازار کہ قانون یہی ہے

گدی سے اتر راج کو چھوڑ اور کر استرار ‏ ‏ ‏ ‏ ہوں میں بھی خطاوار کہ قانون یہی ہے

اس پردہ زنگار میں نغموں کے عوض میں ‏ ‏ ‏ ‏ زنجیر کی جھنکار کہ قانون یہی ہے

آوارہ منصور کو کہتے ہوئے لبیک ‏ ‏ ‏ ‏ دوڑے رسن و دار کہ قانون یہی ہے

جینے کی تمنا ہو گر اس عہد میں تجھ کو ‏ ‏ ‏ ‏ مرنے کو ہو تیار کہ قانون یہی ہے

گھر بار لٹانا ہو جسے حق کی طلب میں
بن جائے زمیندار کہ قانون یہی ہے

---

۲۹ جولائی ۱۹۳۲ء

خاتم جم

جس نے سو سال کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا — یہ وہ طاقت ہے جو پریاگ سے ہم لیکے چلے

مالوی ہو کہ ہو آزاد اسے چلنا ہے اگر — مادرِ ہند کی عزت کی قسم لے کے چلے

مل گیا دولتِ گم گشتہ کا سنگم میں سراغ — ہم گدایانِ حرم خاتمِ جم لے کے چلے

تاج نگمی کا جو چرچل کو نچانے لگ جائے — وہی سُر اور وہی تال اور وہی سم لے کے چلے

خالصہ جی کو یہ شکوہ نہ ہے ساقی سے — کہ ہم اس بزم سے اک بوند بھی کم لے کے چلے

ساتھ دینا ہے اس احقر کا اگر منجے کو

تو پھر آزادیٔ کامل کا علم لے کے چلے

---

۱۴ نومبر ۱۹۳۲ء

شرارت کی جڑ

سب تیری سمٹی ہوئی دولت ہوئی غارت
بنتے ہی بگڑ کیوں گئی قسمت تیری بھارت

گاندھی کی بسائی ہوئی بستی ہوئی برباد
دو سال کی محنت ہوئی پل بھر میں اکارت

ہم ڈھونڈنے نکلے ہیں کھنڈر اس کے ثریٰ میں
تھی بام ثریا سے بھی اونچی جو عمارت

گرما گئے تھے جس سے ٹھٹھرے ہوئے اعضا
باقی نہ رہی جسم کے اندر وہ حرارت

اس خون کا اک قطرہ بھی دل میں نہیں موجود
جس سے دم شمشیر کی ہوتی تھی طہارت

راہ رو تو بہت ہیں مگر ایسا کوئی راہبر
ملتا نہیں رکھتا ہو جو آنکھوں میں بصارت

دہلیز حکومت پہ سر عجز جھکا کر
لینا بہت آساں ہے قلمدان وزارت

گرتے ہوؤں کو بھی تھامے یہ ہے دشوار
پیدا نہیں کرتا کوئی اس فن میں مہارت

کیوں ہند کی تقدیر نے کھایا ہے یہ پلٹا
بوجھی گئی اب تک نہ کسی سے یہ بجھارت

مسلم کی خطا ہے نہ ہنود ہی کی تقصیر
یہ سب ہے فقط ایک برہمن کی شرارت

اسیرانِ فرنگ

سر جان میفی کے کشتگانِ ناز

پیستے ہیں جیل میں چکی اسیرانِ فرنگ — آسیائے گردشِ دوراں ہے زندانِ فرنگ
جو نہ دے ان کو ضمانت قید کاٹے تین سال — کیوں نہ ہو تثلیث ہی ٹھہرا جزوِ ایمانِ فرنگ
پاؤں میں بیڑی گلے میں تختی اور ہاتھوں میں داغ — اُمّتِ مرحوم پر کیا کیا ہیں احسانِ فرنگ
آسیا کا دستہ حجت حلقۂ جولاں دلیل — اپنی منطق پر ہیں نازاں نکتہ سنجانِ فرنگ
صبح کو گوبھی کے ڈنٹھل شام کو ابلی مسور — ہم رہے اس شان سے برسوں ہی مہمانِ فرنگ
ہم سیہ بختوں کو روغن بھی ملا ہو کر سیاہ — کیونکہ ہے روغن کی زردی حصۂ حیوانِ فرنگ
نرخِ گندم نے ہمیں اولادِ آدم کر دیا — ورنہ کھاتے تھے چنے ہم مثلِ گاوانِ فرنگ
چھ چھٹانک آٹے میں مٹھی بھر تو ہو شملہ کی دھول — ورنہ کیا یاد آئے گا اندازۂ نانِ فرنگ

ایک دن سر جان میفی سے یہ مسلم نے کہا — اے کہ اس کشور میں ہے تو مظہرِ شانِ فرنگ

کچھ خبر اس کی بھی ہے تجھ کو کہ تیرے دور میں — خلق کو ہے شکوۂ جورِ فراوانِ فرنگ
صوبۂ سرحد کے اندر اک قیامت ہے بپا! — غرق اٹک میں ہو گئے سب عہد و پیمانِ فرنگ
لے کے بنوں سے پشاور تک جہاں ڈالی نظر — سب کے سب تھے خستۂ شمشیر و پیکانِ فرنگ
ان کے اندر ہندو و مسلم ہیں دونوں پائمال — ان کے خوں سے لالہ گوں ہے ستم نگرانِ فرنگ
تیرے مسلک میں ہے سنگِ راہِ مغرب کانگرس — تیری نظروں میں خلافت خارِ دامانِ فرنگ
یہ بھی سوچا تو نے ہوگا اس جفا کا حشر — کب تک آخر یہ خروش و جوشِ طوفانِ فرنگ

حضرت مسفی نے جب باتیں یہ مسلم کی سنیں — اس طرح گویا ہوا یہ شیخ ستانِ فرنگ
"قول تمہارا بات اچھی طرح ہم نے سن لیا — ہم ہیں استاد اور تم طفلِ دبستانِ فرنگ
تم کالت چین کی کرتا ہے وہ باغی لوگ ہے — ہیں وہ سب کے سب حلیفانِ حریفانِ فرنگ
کانگرس کو اور خلافت کو کرے گا ہم تباہ — گر نہ یہ دونوں رہا ہو کر غلامانِ فرنگ

یہ جواب صاف مسلم سن کے شملہ چل دیا — جس کی چوٹی پر ہے اونچی سب سے دکانِ فرنگ
لارڈ ریڈنگ اس دکان میں بیچنے کو آئے ہیں — ہندیوں کے ہاتھ جنسِ عدل و احسانِ فرنگ
دیکھیے مسلم کو کیا سودا یہاں آتا ہے ہاتھ — وزن قائم کس طرح رکھتی ہے میزانِ فرنگ
لاٹ صاحب نے بھی گر سرجان مسفی کی طرح — عدل کے چہرہ پہ ڈالا پردۂ آنِ فرنگ

مسلمِ شوریدہ کا یہ آخری ہوگا پیام ——— ربِ اکبر سے کرو خوف اے خدایانِ فرنگ

یوں ہی گر ہوتا رہا سرحد کی آبادی پہ ظلم

سب دھرا رہ جائے گا یہ ساز و سامانِ فرنگ

زمیندار ۲۵ جون ۱۹۲۱ء

نسلِ شغال

دردانیال سے انگریزی فوجوں کی پسپائی پر

برطانیہ کے شیر ہیں نسلِ شغال سے

بھاگے ہیں دُم دبا کے دردانیال سے

پسماندگانِ شہدائے سمرنا

فرضِ شناسیٔ نظام

اے کہ اسلامیوں کے درد سے بیتاب ہے تو
جس کی تعبیر مری زیست ہے، وہ خواب ہے تو

بسمل تیری بھی ہے رقصِ کناں میری طرح
گرچہ میں ذرّہ ہوں اور مہرِ جہاں تاب ہے تو

بے کسی قوم کی آخر تجھے تڑپا ہی گئی
کیوں نہ ہو جوشِ رگ دودہ خطاب ہے تو

اے گدازِ جگرِ خستۂ اربابِ وفا
دلِ ملت ہے اگر کعبہ تو میزاب ہے تو

فرض اپنا یونہی عثماں علی خاں پہچان
اے کہ میرے لیے مستغنی از القاب ہے تو

اے سمرنا کی زمیں تجھ پہ خدا کی رحمت
خونِ اسلام کے چھڑکاؤ سے سیراب ہے تو

ارغواں پاش ترے فیض سے ہے دیدۂ تر
ریزشِ اشک کو سرمایۂ عنّاب ہے تو

عرش تھرائے نہ کیوں فرش لرز جائے نہ کیوں
آہ تیرا ہے تو گریۂ پنجاب ہے تو

آلِ عثماں کی عزت کی حفاظت کی طرف
کسی تیمور کی غیرت کی عناں تاب ہے تو

تختۂ یونان کا اُلٹ کفر کے بیڑے کو ڈبو
جیسے خود خوں کے سیلاب میں غرقاب ہے تو

۲۹ جولائی ۱۹۲۱ء

کربلا الٰہ آباد میں

سیدِ عالی گہر حق پر فدا ہو ہی گیا
اے الٰہ آباد تو بھی کربلا ہو ہی گیا

جرم اتنا تھا کہ کیوں اسلام کی تلقین کی
پا بہ زنجیر اس پہ یہ مردِ خدا ہو ہی گیا

تو اے فاخر حسینؓ ابنِ علیؓ کی یادگار
درد تیرا تیری ملت کی دوا ہو ہی گیا

روزہ رکھا اور قید کاٹی اور ساتھ ہی چکی بھی پیس
فرض اس انداز سے تیرا ادا ہو ہی گیا

تیشۂ یورپ سے جڑ انصاف کی کٹ ہی گئی!
انقطاعِ رشتۂ مہر و وفا ہو ہی گیا

خوش ہوئے یورپ برآئی تیری صیہونی کی امید
مکہ قسطنطنیہ سے آخر جدا ہو ہی گیا

تختۂ مشقِ جفا توحید والے کیوں نہ ہوں
غلبہ شرق و غرب میں تثلیث کا ہو ہی گیا

کفر نے اسلام کا بیڑا کیا ہے گرچہ غرق
ساتھ ہی اس کا بھی لیکن فیصلہ ہو ہی گیا

موت دیتی ہے مسلماں کو پیامِ زندگی — منکشف اسلام پر رازِ بقا ہو ہی گیا

خونِ مسلم صرفِ تعمیرِ جہاں ہونے کو ہے — اک نئی دُنیا کا ساماں بر ملا ہو ہی گیا

اے مسلمانو کرو دار الاماں کا عزم تم

ہم کو حکمِ خواجۂ ہر دو سرا ہو ہی گیا

۲۲ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

پریم کا چاؤ

اک سرِ بریدہ لاش کے منہ سے بوقتِ ذبح — پیغام خالصہ کو یہ پہنچا گرنتھ کا

تجھ کو اگر ہے دعوئے الفت تو سر بکف — ننکانہ چل کے آ کہ یہ رستہ ہے پنتھ کا

بدنصیب سرکور کی فریاد

بنز آنر سر ایڈورڈ میکلیگن کے گوشۂ حق نیوش سے

بزبانِ پیر زمیندار

امر سنگھ کی مشکل پہ غور کیجے
رعایا پہ احساں یہ اک اور کیجے

اگر آپ لاہور کے حکمراں ہیں
تو پھر ہور کو چشمۂ کور کیجے

ہوئیں مارشل لا کی باتیں پرانی
بس اب ختم یہ جانگزا دور کیجے

دعا لیجے سرکور کی بندہ پرور
رہا اس کے بیٹے کو فی الفور کیجے

نہ دے عدل اجازت تو پھر رحم تو ہے
غرض حل یہ مشکل کسی طور کیجے

یکم جنوری سنہ ۱۹۲۰ء

سنٹرل جیل لاہور

یوم کرسمس

آج جن کی یہ خطا ہے کہ ذرا کالے ہیں
پی رہے اُن کا لہو جیل کے رکھوالے ہیں

کبھی کولھو کی مشقت کبھی چکی کا عذاب
جس سے ہاتھوں میں بچاروں کے پڑے چھالے ہیں

گوشت اور خون سے پُر ہیں جو انگریزوں نے
قیصریت کی مشینوں کے لئے ڈھالے ہیں

قید گورے بھی ہیں چوری میں مگر اُن کیلئے
جیل سرکار نے گلزار بنا ڈالے ہیں!

ہم کسی بات میں کم اُن سے نہیں ہیں لیکن
اس کو کیا کیجئے وہ گورے ہیں ہم کالے ہیں

رنگ کے فرق پہ موقوف ہے قانون فرنگ
یوں نکلتے نئی تہذیب کے دیوالے ہیں

ہوگئے کس لئے کونسل کے سب ارکان خاموش
وہ بھی کیا ان ستم آرائیوں کے آلے ہیں

اے خدا کیوں نہیں مظلوم کی سنتا فریاد
پڑ گئے کیا ترے دربار میں بھی تالے ہیں

شیخ پوشوں کی زبانوں پہ ہے تکبیر کا شور
اور سینوں میں دبے نیم شبی نالے ہیں

کملی والے تری اُمت کو نہ کمبل بھی ملے
ٹوپی والوں کو اڑھائے گئے دوشالے ہیں

بڑے دن کا یہی احرار کو انعام ملا ! — کہ زد و کوب سے چالوں کے پڑے لالے ہیں
ہوگئیں زندہ روایاتِ اُحد زنداں میں ! — دانت ٹوٹے ہیں انہیں کے جو خدا والے ہیں
یوں ہی رفتار ہا اسلام تو یہ نکلیں گے — عرش پہ جتنے مکافات کے پرنالے ہیں

نشہ ہو جائے گا دولت کا بہت جلد ہرن
کہدو ان سب سے جو اس نشہ کے متوالے ہیں

سنٹرل جیل لاہور
۲۵ ر دسمبر ۱۹۳۱ء

سر اڈورڈ گرے

وزیر صیغہ خارجہ برطانیہ

خوب جی بھر کے سر اڈورڈ گرے دیکھ چکے — ہم غریبوں کے سیفانے کا ویراں ہونا
اپنے شیرازۂ ہستی کا بکھر جانا — اپنی جمعیت قومی کا پریشاں ہونا
برقِ تثلیث کا توحید کے گھر پہ گرنا — ظلمتِ کفر میں ایماں کا پنہاں ہونا

انتظامات ۱۲/۴

ترک کے طرۂ طرار کا جھک جھک جانا
چاک داماں عرب تا بہ گریباں ہونا

خاک کا درنہ و طبروق کے سر پہ اڑنا
خوں میں شہدائے تبریز کا غلطاں ہونا

مصر کے سینۂ صد چاک کے پرزے اڑنا
ہند کے دیدۂ نمناک کا طوفاں ہونا

صف ماتم ادھر ایران کے اندر بچھنا
اور مراکش میں ادھر حشر کا ساماں ہونا

ستم ایجادئ بلقان کی لکھتے ہوئے شرح
بید کی طرح مرے خامہ کا لرزاں ہونا

یہ مسلماں ہیں اس جرم میں کردو انہیں قتل
دست بلقان میں یورپ کا یہ فرماں ہونا

خانماں سوختہ مسلم کی تمناؤں کا
دشت غربت میں سراسیمہ و حیراں ہونا

خانقاہوں سے مسلمانوں کا کھدیڑا جانا
اور مساجد میں صلیبیوں کا نمایاں ہونا

کبھی جن پردہ نشینوں کا نہ اٹھا تھا نقاب
ان کے ناموس کا بازار میں عریاں ہونا

یوں تبہ کر کے ہمیں آپ کو اب ہے منظور
جنگ کو روکنا اور صلح کا خواہاں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

قسطنطنیہ ۱۹۱۳ء

پنج گنج

(۱)

بتانِ کاشی و لاہور

ہمیں وہ فتنہ کا بانی قرار دیتے ہیں
مگر خود اپنی روش کو بسار دیتے ہیں

بتانِ کاشی و لاہور سے خدا کی پناہ
کہ رنج دیتے ہیں اور بے شمار دیتے ہیں

دروغ گو کو نہیں حاصل ہوا فروغ کبھی
ہم اُن کے جھوٹ کو سچ سے نکھار دیتے ہیں

وہ دھرتے ہیں یہی الزام ہم پہ بے دیکھے
کہ مکہ لیتے ہیں اور ہردوار دیتے ہیں

مدینہ بڑھ کے تمہیں ہے عزیز دہلی سے
ہمیں وہ طعنہ یہی بار بار دیتے ہیں

دبا ہوا تھا جو کینے کا جذبہ سینے میں
یہ کینہ جو اُسے اُٹھ کر ابھار دیتے ہیں

کبھی رسولؐ کی توہین مشغلہ اُن کا
کبھی خدا کے خلاف اشتہار دیتے ہیں

---

(۲)

نامسلمانوں اور مسلمانوں کا فرق

ہیں ایک وہ کہ ابٹنا لگا کے شدھی کا عروسِ کفر کا جوبن نکھار دیتے ہیں
اور ایک ہم ہیں کہ دینِ رسولؐ اکرم کا خود اپنے ہاتھ سے کھو اعتبار دیتے ہیں
حرم کے راہ نوردوں کی خستہ پائی کو بشارت خلشِ نوکِ خار دیتے ہیں
حریمِ کعبہ میں تثلیث کا اڑے پرچم یہ لکھنؤ سے نصاریٰ کو تار دیتے ہیں
مراد یہ ہے کہ الٹے بساطِ ابنِ سعود ہم آپ جیت کے بازی کو ہار دیتے ہیں

(۳)

تاجدارِ دکن

دکن رہے جو سلامت یہی غنیمت ہے وہ کب نظام کو واپس برار دیتے ہیں
وہاں بڑھی ہوئی جتنی ہو منزلت جس کی یہاں اسی قدر اس کو فشار دیتے ہیں

---

(۴)

محمدِ عربی کا نام سپہرِ بریں کی لوح پر

خزاں رسیدہ چمن کو طیورِ زمزمہ سنج — نوید آمدِ فصلِ بہار دیتے ہیں
فرشتے ملتِ بیضا کو آسمانوں سے — پیامِ رحمتِ پروردگار دیتے ہیں
خدا نے جس سے محمدؐ کا نام لکھا تھا — ستاروں کو وہ قلم مستعار دیتے ہیں

(۵)

طلوعِ صبحِ امید کا انتظار

نبی جہاز سے طوفاں میں اپنی امت کو — کنارے پر بسلامت اتار دیتے ہیں
خدا کی راہ میں جو ہو کے سر بکف نکلے — اُسی کو مسندِ عزّ و وقار دیتے ہیں
زمیں جس کی شہادت کے خوں سے ہو سیراب — اُسی کا نام فلک پر پکار دیتے ہیں
وہ تیغِ کفر کے پیکر کو جو دو نیم کرے — اُسی کو مرتبۂ ذو الفقار دیتے ہیں
کب اس کے قبضۂ جوہر نگار پر دیکھیں — ہمارے بازوؤں کو اختیار دیتے ہیں

حدیث المائدہ

از

ابوالکلام آزاد

خروش حلقۂ زندانِ ذوق کش کے لئے — ہوئے ہیں ہند میں پیدا ابوالکلام آزاد

"وطن فروش" کا آوازہ اُن پہ کستے ہیں — وہی جو سہہ نہیں سکتے کہ ہوں غلام آزاد

ہیں باغبان یورپ کے چمن کے سر شفیع — کہ پابگل ہے مگر اس پہ بھی ہے نام آزاد

یہ کیا غضب ہے کہ ہندوستاں غلام رہے
مگر ہوں مصر و عراق و حجاز و شام آزاد

مشہد مقدس پر روسی گولہ باری

(۱)

امام ثامن ضامن حریمش چوں حرم آمن — زمین از عزم او ساکن سپہر از عزم او پویا

ہزبر بیشۂ امکاں نہنگ لجۂ ایماں — ولی ایزد منان علیِ عالیِ اعلا

نہال باغ علیین بہار مرغزار دیں — نسیم روضۂ یٰسین شمیم دوحۂ طٰہٰ

سحاب عدل را ژالہ ریاض شرع را لہ — خرد بر چہر او والہ سوال از مہر او شیدا

رخش مہر فروزندہ لبش یاقوت زندہ — ازاں جاں خرد زندہ ازیں نطق سخن گویا

ز جود دستش قطرۂ قلزم ز رویش پرتوے انجم — جبالش قبلۂ مردم رواقش کعبۂ دنیا

ستارہ گوے میدانش ہلال عید چوگانش — ز نعل سم یکرانش غبارے تودۂ غبرا

قمر رنگے ز رخسارش شکر طعمے ز گفتارش — بشر را مہر دیدارش نہاں چوں روح در اعضا

نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبر — فروغ دیدۂ حیدر سرور سینۂ زہرا

رضائے او رضائے حق قضائے او قضائے حق — دلش از ماسوائے حق گزیدہ عزلت عنقا

رداے قدس پوشیدہ بہ ہضم نفس کوشیدہ — بزم انس نوشیدہ مے وحدت ز جام لا

مے از میناسے لاخوردہ سبق از ماسوی بردہ
وزاں پس سر برآوردہ زجیب خانۂ الا

زدہ در دشتِ لا خرگہ کہ لا معبود الا اللہ
زکاخ نفی جستہ رہ بخلوت گاہ استثنا

ہمیں نو بادۂ آدم ہمیں پیرایۂ عالم
چو خیر المرسلیں محرم بخلوت گاہ او ادنیٰ

(۲)

ہوا جس کی ثنا میں تر زباں اس طرح قاآنی
وہ تھا اپنے زمانہ میں بلاشک شانِ یزدانی

ابھی تک یادگار اُن کی ہے باقی شہد میں
مسلمانوں کو پہنچے اس سے جو جو فیض روحانی

مزار اُس کا ہے مرکز خلق کے حسن عقیدت کا
پہنچتے ہیں وہاں ماژندرانی اور خراسانی

عرب اور عجم سے مورچھل لے کر ارادت کا
مسلماں کر رہے ہیں اس کے مرقد کی نگہبانی

قسم مامون عباسی نے کھائی جس کی حرمت کی
نگہباں جس کی تھی عباسِ اعظم کی جہانبانی

جہاں جاروب کش ملکیں ہوئی ہیں کج کلاہوں کی
ادب سے چومتے ہیں جس کو ایرانی و تورانی

وہ مرقد جس کے گنبد کی طلا کاری یہ کہتی ہے
فلک پر قرص خورشید درخشاں کو زر افشانی

اسی مرقد کو ڈھانے آئے ہیں واحسرتا روسی
تماشا کر رہے جن کی توپ کے گولوں کی غلطانی

نکل کر اشقیا کا لشکر آیا ہے جہنم سے
ہے بھرتی سسکیاں ایران میں مسلم کی گرانجانی

جوان و پیر و طفل و زن ہوئے سب قتل مشہد میں
کہ گذرا سر سے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کا پانی

وہ روضہ جس کے خادم تھے ملائک آہ کل شب تک
سپرد ابلیس کے ہوتی ہے اُس کی آج دربانی

سر ایڈورڈ آپ کو اسلامیوں کی کیوں نہیں پروا
پریشاں کیوں نہیں کرتی تمہیں اُن کی پریشانی

مسلماں ایک ہیں اس واسطے غم ایک ہے اُن کا
حقیقت کس لیے اب تک نہیں تم نے یہ پہچانی

لگایا رُوس نے پہلوئے مسلم میں وہاں چرکا
یہاں لائی ہے رنگ اس زخم کی خونابہ افشانی

ضعیفوں پر نہیں جو رحم کرتا، بد بلا اُس سے
یہ نکتہ جس میں مضمر ہیں حقیقت ایک یزدانی

عجب ناداں ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں بخشے ہے مگس رانی

سنہ ۱۹۱۲ء

زمیندار کی ضبطیِ ضمانت

ہے کھٹکتا نگہِ برق میں خرمن میرا — خواب یہ ہے مگر اب دیکھیے اس کی تعبیر
حوصلے قیس کی دیوانہ سری کے نکلے — نغمۂ گوش ہے لیلیٰ کو صدائے زنجیر
آج ہے ناز مجھے اپنی گنہگاری پر — میں کہاں ورنہ کہاں اُن کا خیالِ تعزیر
میں جو والبتہ فتراک ہُوا خوب ہُوا — اے خوشا بخت جو کہلاؤں تمہارا نخچیر
لے دیے قلب کے ٹکڑے یہ کرم تھا اُن کا — اشکِ خوں تھم نہ سکا تھی یہ ہماری تقصیر

فایدہ اس سے اگر ضبطِ ضمانت کر لی
کاش بتلاتے مجھے ضبطِ فغاں کی تدبیر

---

۲۵ ستمبر ۱۹۱۳ء

سُنّتِ حسینؓ

قتلِ احمد گل قافلہ سالار مہاجرین

فضائے قدس کے اندر مچا ہوا ہے یہ غل
خدا کی راہ میں مارا گیا ہے احمد گل

ہے اس کے خون کی قیمت تمام ارضِ فرنگ
اور اس کی جان کا فدیہ ہے کائنات یہ کل

یہ خون وہ ہے جس سے سُرخرو اسلام
یہ جان وہ ہے جو ہے یادگارِ ختمِ رسل

شہید ہو کے وہ فردوس کو چلا جس وقت
تو لائے اس کی سواری کو مرتضےٰ دلدل

یہ اُس کے قتل کی تاریخ زد کے ہاتف نے
کہی کہ آج ہوا ہے چراغِ احمدِ گل

۱۴ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

فتنۂ چکینور

شورِ بازار کی آفت نہ ٹلی تھی سر سے
کہ بپا غلغلۂ فتنۂ چکنور ہوا

آن پہنچے علما کفر کے فتوے لے کر
دین سراپردۂ اوہام میں مستور ہوا

قلم رحم گھسا جیب زرِ زباں تا بہ بناں
تیغۂ عدل چمک اٹھنے پہ مجبور ہوا

یاد آنے لگی پوتنے کو روشِ دادا کی
سخت گیری سے جو آفاق میں مشہور ہوا

پڑ گیا گنبدِ افلاک میں قند ہار کا غل
خاور و باختر اس شور سے معمور ہوا

چند ہی دن میں یہ دن لوگئے کہ ملاؤں کے ساتھ
کفر کابل کی مضافات سے کافور ہوا

لوٹ ہی جائے گا طاغوت کی ٹولی کا طلسم
غلبۂ حق اگر اللہ کو منظور ہوا

---

۲۳ مارچ ۱۹۲۹ء

عہدنامہ سیورے

قدیم وضع پہ اندازۂ جہاں نہ رہا — مکیں رہے مگر اُن کا کہیں مکاں نہ رہا

زمیں پاؤں تلے سے نکلی جاتی ہے — سروں پہ سایۂ فگن تھا جو آسماں نہ رہا

ہوا ایسی یکایک چلی زمانے میں — کہ جس کے ہم تھے عنادل وہ گلستاں نہ رہا

وہ رونقیں نظر آتی نہیں خیاباں پہ — فضا وہ پہلی سی اگلا سا وہ سماں نہ رہا

وہ بوئے نسترن و یاسمین و گل نہ رہی — وہ رنگ لالہ و نسرین و ارغواں نہ رہا

خموش ہے چمنستاں کہ شاخساروں میں — خروش نالۂ مرغانِ صبح خواں نہ رہا

یہ کہہ رہے ہیں نصاریٰ کہ آج دنیا میں — کہیں بھی سطوتِ اسلام کا نشاں نہ رہا

بچا حرم بھی نہ صید افگنوں کے ہاتھوں سے — سلامت ایک بھی طائر کا آشیاں نہ رہا

بھٹک رہے ہیں اندھیرے میں قافلے والے — کہ رہبری کے لئے میر کارواں نہ رہا

دلِ شکستہ کو امید عافیت نہ رہی — زبانِ بستہ کو یارائے الاماں نہ رہا

کبھی زمانہ میں ڈالا تھا غلغلہ جس نے — وہ نام زینتِ عنوانِ داستاں نہ رہا

زوالِ دولتِ عثماں پہ خوش نہ کیوں ہو رقیب — کہ اک حجاب جو حائل تھا درمیاں نہ رہا

ہزار سال وہ سر پھوڑتا رہا جس سے ہزار حیف وہی سنگ آستاں نہ رہا
گلہ ہے بخت کی نیرنگیوں سے لاحاصل عبث ہے شکوہ کہ گنبد پہ گرد گاں نہ رہا
گئی جو حاتم جم ہاتھ سے تو غم کیا خدا تو سر پہ رہا گر خدائیگاں نہ رہا
فلک نے بادہ کشوں کا الٹ دیا ساغر تو کیا حجاز کا ساقی بھی مہرباں نہ رہا ؟

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بگردش رطل گراں بگردانیم

انتخابِ جُداگانہ

یہ نظم ۱۹۲۹ء میں لکھی لیکن ۱۹۳۲ء میں [illegible]

مذہب کی شرط کیا ہے مسلمان کیلئے جس کے نہ ماننے سے وہ ہے موردِ عذاب
ایمان غیب پر ہو مگر پختگی کے ساتھ تھا اس سوال کا یہی قرآں میں جواب
اعلان کر رہے ہیں مگر مفتیانِ ہند اس باب میں ہے تشنہ خود اللہ کی کتاب
ان محرمانِ سرِ ازل کے خیال میں اسلام کی ہے شرط جداگانہ انتخاب
یہ شرط اٹھ گئی تو بس اسلام مٹ گیا ہندوستاں میں خانۂ ملت ہوا خراب

ہندو سے لے لیا اگر اسلامیوں نے ووٹ
تھامے ہوئے چلیں گے وہ الحاد کی رکاب

کافر ہی کافر آئیں گے اس ملک میں نظر
وہ ہوں گے اور اُن کے ستم ہائے بے حساب

فطرت میں جو ہیں شیر وہ بن جائیں یوں شغال
اے ربِ کعبہ کیا ہے نرالا یہ انقلاب

کیوں ڈرنے لگ گئے ہیں بتوں سے خدا پرست
عصفور سے لرزنے لگا کس لیے عقاب

باطل کی کیا مجال کہ زک حق کو دے سکے
لائی ہے رات بھی کبھی نورِ سحر کی تاب

مخلوط انتخاب کو منظور تو کرو
ہوتے ہی آج اس کے سب اٹھ جائیں گے حجاب

تم ظلمتوں کے وہم سے ہو پیچ و تاب میں
اور سامنے ہے حق کا درخشندہ آفتاب

---

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء

زمینِ اکبر

پکا لیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جو لانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

زمیں سنگلاخ اکبر نے کیسی منتخب کی ہے
کہ مشکل ہو گیا اس میں قوافی کو بٹھلانا

چلی لندن سے اک آندھی چمن میں پر اڑانے کو
غضب ہے اس میں کیسے زن کا بگولا بن کے بولانا

چڑھا کنٹربری کا پادری تو اپنے منبر پہ
کدھر ہیں آپ مولانا جو تھے بالفضل اولانا

مچائی آکر اس بت نے جفاکاری کی کچپچی
اور اس پر ہم سے کہتا ہے وفاداری کی پولانا

بہایا کفر کو جس نے خس و خاشاک کی صورت
اسی دریا کی ہاں لے ناخدا پھر اک روانا

حریم مصطفیٰ کے بام و در جس سے فروزاں تھے
پھر اب اس شبستاں میں اُسی مشعل کی ضو لانا

صلاح الدین نے فصل صلیبی جس سے کاٹی تھی
درانتی اس ہلال نو کی ہنگام درو لانا

کہیں ہیں جاھدوا کے نعرے سے ترکو نہ تڑپا دو
میرا خون گرم ہے پہلے ہی اب اس کو نہ کھولانا

۱۹۱۰ء

فریاد

ہر دل میں ہے یہ آرزو ہندوستاں آزاد ہو
یہ گھر جو ہے اجڑا ہوا اک بار پھر آباد ہو

دنیا میں اس کا مرتبہ ہو ساری قوموں سے بڑا
جو بھی ہو اس کا فیصلہ عالم کا اس پہ صاد ہو

سرمایہ داری کا علم ہو ایشیا میں سرنگوں
برباد استعمار ہو ، نابود استبداد ہو

یہ نور ابھی چھننے لگے بینش اگر ہو آنکھ میں
یہ قصر ابھی بننے لگے اسلام اگر بنیاد ہو

کعبے کی ساری آبرو صرف بت کابیسا ہوگئی
جب دل ہی پہلو میں نہیں پھر لب پہ کیوں فریاد ہو

---

۲۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء

بیادِ میراں بخش شہید علیہ الرحمۃ

یہ نغمہ عرش سے گاتا ہوا سروش آیا
کہ تشنہ کشتوں کے لئے عہد نا و نوش آیا

بقیا ہے دولت اسلام جس سے رنگیں تھی
پھر اک زمانہ کے بعد اس لہو میں جوش آیا

حنین و بدر سما جائیں گے پھر آنکھوں میں
وہ دیکھ لشکر احرار سر فروش آیا

سیالکوٹ میں باندھے ہوئے کفن سر سے
نظر ہر ایک مسلماں سرخ پوش آیا

ہزار سلطنتیں صدقے اس مجاہد کے
غزا اسکے واسطے جو عاقبت بدوش آیا

یہ کس کے خون کے چھینٹے کرشمہ سنج ہوئے
کہ ایک قرن کے سوئے ہوؤں کو ہوش آیا

---

۱۰ نومبر ۱۹۳۱ء

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ

احیاءِ زمیندار

خوش ہو اے مسلم ہوئی آخر دعا تیری قبول
عرش سے فرمانِ احیاءِ زمیندار آ گیا

قدسیوں کو بھی ہوئی مسلم پیامِ تہنیت
نور کے تڑکے مبارکباد کا تار آ گیا

ملتِ بیضا کی رونق کا نکلتا ہے جلوس
سطوتِ کبریٰ کی شوکت کا علمدار آ گیا

جس کو سچی بات کہنے میں نہیں مطلق ہراس
آج میدانِ صحافت میں وہ اخبار آ گیا

اول اول غلغلہ حق کا کیا جس نے بلند
وہ مساوات اور حریت کا سزاوار آ گیا

بادۂ یثرب کے خم کے خم دیئے جس نے لنڈھا
آج پھر محفل میں وہ رندِ قدح خوار آ گیا

پھر بہار آئی رسول اللہ کے گلزار میں
فصلِ گل کے ساتھ ہی ساتھ ابرِ آذار آ گیا

باغباں سے گل کہ تھے جتنے رکے جاتے رہے
نالۂ بلبل قفس میں تا بہ منقار آ گیا

کوئی رولٹ سے یہ کہہ دے جس سے حضرت تھے خفا
آپ کے نقطوں میں وہ باغی وہ غدار آ گیا

لیکن اس کو کیجئے گا کیا کہ کہتی ہے یہ خلق
قوم کا خادم حکومت کا وفادار آ گیا

دیکھ لی ملت نے اس کے خواب کی تعبیر آج   رشتۂ تسبیح بن کر کام زنّار آ گیا

ہندو و مسلم کی ہم کیشی کی ساعت آ گئی
کیونکہ خاکِ کعبۂ دل کا پرستار آ گیا

۲۱ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

نغمۂ نواس

خدا کی شان اک سقے کا بچہ   مقابل ہے محمد زائیوں کے
نہیں دیکھے چنے کے ہاتھ اس نے   امان اللہ کے شیدائیوں کے
اسے اسلامیوں سے کیا سروکار   جو ٹکڑے دل پہ پلے عیسائیوں کے
سنے جاتے ہیں کابل میں ترانے   ابھی سے غزنوی شہنائیوں کے
نکا بیاہیں کے نکلے کس طرح بل   کسی زن کابلی بلوائیوں کے
حریف اس عہد میں پیر اور ملّا   ہوئے اللہ کی یکتائیوں کے
ہوا میں ایک دن اڑتے پھریں گے   پہاڑ ان ننھی منی رائیوں کے
جگر میں جس قدر چرکے لگے ہیں   لہو کے ہیں خود اپنے بھائیوں کے

الٰہی ناپنے والے کدھر ہیں — ہمارے زخم کی گہرائیوں کے
سنا ہے کہ جن کی اک دنیا سے ان بنتی — وہ سر ہیں کچھ نہیں سودائیوں کے
"مدینہ"[1] کی طرح ہم بھی ہیں حقدار
حکومت کی کرم فرمائیوں کے

۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء

تخت یا تختہ

نکہتِ گل کے عوض دوشِ صبا پر اب کی بار — بوئے جان گلشن میں لائی ہے بہار انقلاب
جھومتے آتے ہیں محفل میں وہ رندِ لم یزل — جن کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے خمار انقلاب
وضعِ عالم میں تغیر کے ہویدا ہیں نشاں — جوش میں ہے جذبۂ بے اختیار انقلاب

---

[1] مولوی نور الرحمٰن بی۔ اے مدیر مدینہ اس الزام میں گرفتار کیے گئے۔ کہ انہوں نے ۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء کے مدینہ میں افغانستان کے متعلق ایک قابل اعتراض شذرہ تحریر کیا تھا۔

پھوٹنے والی ہے آزادی کے سورج کی کرن — اٹھ رہا ہے پردۂ شب ہائے تار انقلاب

خیرہ ہو جانے کو ہے بینائی استبداد کی — سر پہ چمکی ہے تیغ آبدار انقلاب

الحذر اے غاصبین ہند و مغرب الحذر — ہر سر مشرق میں رقصاں ہے شرار انقلاب

ہند کے چاک گریباں کا ہے اس میں قصور — پنجۂ یورپ ہے خود پروردگار انقلاب

سر بکف میدان میں آ پہنچے جوانان وطن — جن کی قربانی پہ ہے دار و مدار انقلاب

کھیلتے آئے ہیں مل کے وقت ہندو جوا — ان کی یہ فطرت ہے اب ہیں تاجدار انقلاب

گھر سے نکلے ہیں مسلماں بھی کفن باندھے ہوئے — نعرۂ تکبیر ہے عذاب نار انقلاب

خاک میں مل جائے گا سرمایہ داری کا غرور — کیوں ہے گردش لیل و نہار انقلاب

وقت آ پہنچا کہ یا مر جاؤ یا آزاد ہو
تخت یا تختہ ہے حکم تاجدار انقلاب

دستۂ گل

کھلنے کو ہیں پنجاب کے گلشن میں نئے پھول
دینے کو پیام آئی صبا اور ہی کچھ ہے

تکبیر کے نعروں نے ہلایا ہے فلک کو
آج آ رہی گنبد سے صدا اور ہی کچھ ہے

پو پھٹنے نہ پائی کہ ہوئی نور کی بارش
لاہور کی گلیوں کی فضا اور ہی کچھ ہے

شوریدہ سری کا تو ہے الزام ہی الزام
اللہ کے بندوں کی سزا اور ہی کچھ ہے

نہ تاج کی خواہش نہ تمنا ہے نگیں کی
اسلام کا مقصد بخدا اور ہی کچھ ہے

مغرب میں بھی اچھوں کو بُرا کہتے ہیں لیکن
اس جرم کی مشرق میں سزا اور ہی کچھ ہے

فرعون نے بچوں کو تہِ تیغ کیا تھا
پر آپ کا اندازِ جفا اور ہی کچھ ہے

مانا کہ ہیں ٹیگور کے اشعار دل آویز
اقبال کے نغموں میں مزا اور ہی کچھ ہے

یہ سچ ہے کہ اٹلی کے حسیں آفتِ جاں ہیں
بنگالہ کے جادو کی ادا اور ہی کچھ ہے

دیتے ہیں قرار آپ نصاریٰ کو اُولی الامر
فرمودۂ شاہِ دوسرا اور ہی کچھ ہے

توحید کے پرچم کو جھکانے وہ چلے ہیں
پر فیصلۂ کلکِ قضا اور ہی کچھ ہے

ہم سنتے ہیں کچھ اور ہی راوی کی زباں سے
یاروں نے اٹک پار کہا اور ہی کچھ ہے

مردہم خدا ہی سے جو زائل ہو دلوں سے   تنظیم کے پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے

تم اس کا شکوہ ہے نہ جزیہ کی شکایت   کافر کو مسلماں سے گلا اور ہی کچھ ہے

تم کہتے ہو ہرگز نہیں مرتد کی سزا قتل   ہم نے تو شریعت سے سنا اور ہی کچھ ہے

پنڈت آریہ پرشوں کو خدارا کوئی سمجھائے   منو کی سمرتی کی کتھا اور ہی کچھ ہے

ویدوں کی بیو سمجھا ہے ادھر ہی کو جلاؤ   آج آپ یہ کہتے ہیں کہ لا اور ہی کچھ ہے

چرخے سے علاج مرض ہند نہ ہوگا
یہ درد وہ ہے جس کی دوا اور ہی کچھ ہے

---

۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء

فحش اشتہار

سرکار کے بجٹ میں ہے کس بات کی کمی　　خرمہرہ بھی ہے سیم بھی ہے اور طلا بھی ہے
ابواب جلب زر کے جہاں اور ہیں وہاں　　چکلے بھی ہیں شراب بھی ہے اور جوا بھی ہے
سرکار کے خزانہ میں کچھ حصہ ساتھ ساتھ　　آزادیٔ ضمیر کے جرمانہ کا بھی ہے

"فحش اشتہار" پہلے بھی چھپتے تھے لیکن آج
ان میں ملا مقاطعہ کا فلسفہ بھی ہے

---

۲۲ دسمبر ۱۹۲۷ء

خطاب چہارگانہ

(۱) مسلمانوں سے :-

ترک کر تقلید ابن خلیلؑ اور بت کو توڑ ۔۔۔ ماسوا کو چھوڑ رب العالمین سے رشتہ جوڑ

یاد کر بھولا ہوا والرجز فاھجر کا سبق ۔۔۔ شرک کی رسموں سے باز آ کفر کی ریتوں کو چھوڑ

اُس نبیؐ کا تھام لے دامن جو ہے ختم رُسل ۔۔۔ جس کی سنت ہے دو عالم کی سعادت کا نچوڑ

چشمۂ دین محمدؐ خشک ہو سکتا نہیں ۔۔۔ اس کنوئیں سے آ کے پانی بھر جو ہے پاتال توڑ

(۲) مذبذبین سے :-

جا رہا ہے خود حرم کو ناقۂ منزل شناس! ۔۔۔ ساربان پڑ کر تذبذب میں مہار اُس کی نہ موڑ

(۳) پرستاران ضلالت سے :-

ووٹ لے کر کونسل میں جا کرسی پہ ڈٹ تقریر کر

(۴) سوامی جی سے :-

یہ چٹان اسلام کی ہے اس سے ٹکراتا ہے کیوں

ہند میں توحید کا جھنڈا نہ ہو گا سرنگوں

اسلام کا بے باک بیڑا

کنبھ کی گنگا جمنی گاگر رنگا رنگی ساگر ہے
ہر ناری کے ننگے بدن پر جس کے ترڑیڑے پڑتے ہیں

جانی کے نازک ہاتھ کے صدقے جس کی حنائی شوخی سے
شیخ کے منہ پر دل کے لبھانے والے تھپیڑے پڑتے ہیں

مولویوں کو نان جویں بھی کعبہ میں ہو کر مل نہ سکی
ناتھوؤں کے حصہ میں ہر پوری کے پیڑے پڑتے ہیں

سنگٹھن اور شدھی کا جھمیلا یہ نہ سمجھئے ختم ہوا
اور ابھی اس میں دیکھتے رہئے کتنے بکھیڑے پڑتے ہیں

رات ہے کالی دور ہے منزل ساتھ ہی یاروں کو ہے یہ خوف
رستہ میں ڈاکے ڈالنے والے بیسیوں کھیڑے پڑتے ہیں

سطلبی ہمت ہو کھو یا ہاشمی غیرت لنگر ہو!
یثربیوں کے یوں ہی نہیں منجدھار میں بیڑے پڑتے ہیں

۲۹ اپریل ۱۹۲۶ء

اٹک پار

سرزمیں بے آئیں ہو چلی ہے بآئیں — حق نے سر نکالا ہے پردۂ پشاور سے

بولشن سے کب دبتا جذبہ اُس اخوت کا — جو ملا ہی دیتا ہے باختر کو خاور سے

پاس وضع داری کا اُن کو ہے تو ہم کو بھی — داوری مسلماں کی ہے خود اپنے داور سے

صدقہ اپنی رحمت کا ایک گھونٹ مجھ کو بھی — ساقی اپنے ساغر کے ظرف مستی آور سے

جو نہ تیرنا جانے لے اٹک ذرا اُس کو — کیوں الجھ رہا ہے تو صدیوں کے شناور سے

بھاؤ ہو گیا سستا بائیکاٹ کا اتنا — اب یہ مال بکتا ہے مفت بر ساور سے

مغربی سمند اپنی تیزیوں پہ نازاں ہے — شوخیاں ابھی سیکھے مشرقی تکاور سے

حق ہے ہندوؤں کا بھی بہری جیب دایاں پہ
لوٹ لیں ابھی جتنے دلّی اس نچھاور سے

---

۳۰ نومبر ۱۹۲۹ء

نویدِ امن

لے کر نویدِ امن جب اسلام آگیا — آزادیٔ حیات کا پیغام آگیا

زندانِ ہند جس کو ترستے تھے دیر سے — گردش میں پھر وہ روح فزا جام آگیا

سرجان سائمن کو ہمارے خروج میں — اپنے عروج کا نظر انجام آگیا

صیّاد پھانسنے ہمیں آیا تھا جال میں — آتے ہی لیکن آپ تہِ دام آگیا

برطانیہ سے ہم نے موالات ترک کی — تھا پاس ایک حربہ وہی کام آگیا

پیدا ہوئی وطن میں فضا اتحاد کی — ہندوستاں بزمرۂ اقوام آگیا

بھولا جو صبح کا ہو نہ بھولا کہو اُسے
گر اپنے گھر وہ چل کے سرِ شام آگیا

---

۱۸ فروری ۱۹۲۸ء

بھوجن

وہ تہذیب اے ہندو ہو گئی کیا — بجا جس کا ڈنکا تھا دنیا کے اندر
ہوئی کیا وہ دولت کہ شوکت تھی اُس کی — چمکنے میں بجلی گرجنے میں تندر
کدھر مل دیا ہے تمہارا وہ کس بل — بنایا تھا ارجن کو جس نے سکندر
کہاں ہے وہ مشعل کسی وقت جس سے — پڑے جگمگاتے تھے کاشی کے مندر
کدھر گم ہوا سلغرا اس ودیا کا — بہا جس سے تھا معرفت کا سمندر
تمہارا دھرم بن گیا کھیل اب تو — ہنومان بندر ہے اور تم قلندر
جو گیتا ہی چشم بصیرت سے پڑھ لو — تو نور خدا دیکھ لو دل کے اندر

حقیقت شناسی کی گر جستجو ہے
سبق تم کو دیں گے سری رامچندر

---

۳۱ اکتوبر ۱۹۱۴ء

ضبطی

زمیندار مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء کے تمام پرچوں کی ضبطی پر یہ نظم بطور مقالہ افتتاحیہ شائع ہوا تھا۔

دل ضبط زباں ضبط فغاں ضبط قلم ضبط
دنیا میں ہوئے ہوں گے یہ ساماں کہیں کم ضبط

آنسو مری آنکھوں کے گئے پہلے ہی سے سوکھ
تھے ورنہ وہ اس فکر میں ان کا بھی ہو نم ضبط

پنجاب میں یوں ضبط ہوا آج "زمیندار"
بنگال میں جس طرح ہوا کرتے ہیں بم ضبط

آزادئ اسلام کی ضبطی پہ ہے خوش تو
ہو جائے کہیں یوں ہی نہ تیرا بھی دھرم ضبط

برطانیہ کا شیوہ رہا گر یہی کچھ روز ؛
سن لو گے عزیزو کہ ہوئے دیر و حرم ضبط

---

۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء

بچّہ سقّا کی گرفتاری

درّانیوں کی فوج جو میدان میں ڈٹ گئی
سقّے کی مشک ایک ہی ٹھوکر میں پھٹ گئی

ہوتا ہے پھر بلند امان اللّٰہی علم
چوروں کے سرگروہ کی تقدیر الٹ گئی

خود کوہ دامنی ہی گرے اُس پہ ٹوٹ کر
اچھا ہُوا کہ جوتیوں میں دال بٹ گئی

ہر وہ بلا جو عرش سے اتری تھی فرش پر
دار الامان کے رہ زنوں سے لپٹ گئی

سقّے کا ہاتھ سر پہ پڑا تھا کھلا ہوا
قسمت بلند تھی اب کی تلوار اُچٹ گئی

مانجھا نہ تیز تھا تو اڑایا تھا کیوں پتنگ
پڑتے ہی ایک پیچ کے جھٹ ڈور کٹ گئی

اسلامیوں کا مرتبہ دنیا میں بڑھ گیا
نصرانیوں کی دھن میں تو تیور گھٹ گئی

خوشیوں کی ساعت آ گئی ایامِ غم گئے
نورِ طلوع ہوا رات کٹ گئی

---

۱۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء

ناٹال اور ہندوستان

جس جلسہ میں بمقام لندن یہ نظم پڑھی گئی۔ اس میں گاندھی جی جو جنوبی افریقہ سے آگئے تھے اپنی بی بی سمیت موجود تھے۔

سنا ہے دردِ دل رکھتا ہے اے ہندوستاں تو بھی
جگر کے خوں کو دے سکتا ہے پلکوں کا نشاں تو بھی

جہاں سر پہ اٹھایا بلبلوں نے اپنے نالوں سے
دکھا انداز محشر ہو کے سرگرم فغاں تو بھی

ستم ناٹال میں جو جو تیرے بچوں پہ ٹوٹے ہیں
بہت کچھ سن چکا ہے ان کی رنگیں داستاں تو بھی

مچا رکھا ہے اودھم کیپ کالونی میں گوروں نے
کر اپنی قوت بازو کا کچھ تو امتحاں تو بھی

دکھا اپنے جگر کا داغ جو شرمائے سورج کو
بنا مغرب کو مشرق اور زمیں کو آسماں تو بھی

جھلس دے سوزِ دل سے ٹیمز کی موجوں کے داماں کو
کہانی اپنی دہرا بھی کہ ہے آتش بیاں تو بھی

غلط انداز ہیں صید انگلنوں کے بے اماں ناوک
نکال اک تیر ترکش سے کہ رکھتا ہے کماں تو بھی

سنی ہے ہم نے ٹن ٹن پال کے گرجا کے گھنٹے کی
بجا مندر میں سنکھ اور دے مساجد میں اذاں تو بھی

لگا ہے کون سا سرخاب کا پر کیپ والوں میں
قبائے سلطنت وہ ہیں تو ہے تاج جہاں تو بھی

اگر شرمندہ معنی ذرا بھی ہے شہنشاہی
تو ہے برطانیہ پر ہند کی لازم ہوا خواہی

یہ کیسا دیس ہے جس دیس کے ہم رہنے والے ہیں
گرفتار بلا ہیں اور خطایہ ہے کہ کالے ہیں

غنیمت تھا قفس میں بال و پر کا پھڑ پھڑا لینا
مگر صیاد نے افسوس وہ بھی نوچ ڈالے ہیں

بنی ناداں میں یہ گت سب ہے ہم خانہ بدوشوں کی
نہ چولہا ہے نہ ہنڈیا ہے نہ لڑکے ہیں نہ بالے ہیں

چمکتے ہیں ہمارے داغِ دل اس طرح رہ رہ کر

لہکتے جن اداؤں سے خیابانوں میں لالے ہیں

پڑے تھے پاؤں میں گاندھی کے جو صحرائے غربت میں

ہمارے یہ درخشاں داغ ہائے دل وہ چھالے ہیں

نچائیں گے اسے اک روز بوئر ناچ نگنی کا

یہ انگلستاں نے اپنی آستیں میں سانپ پالے ہیں

وزیرِ ہند ہی سنتے ہیں اونچا کم نصیبی سے

پہنچ سکتے زحل تک ورنہ ہم لوگوں کے نالے ہیں

یہ نوبرتو تغافل اور یہ پیہم سختیاں کب تک

یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کب تک

لندن فروری ۱۹۱۴ء

دنیائے توحید پر دنیائے تثلیث کی آفت

ڈالا کسی نے ڈاکہ مارا کسی نے چھاپا ! — رٹتے ہیں زار و لارڈ درسِ جناب پاپا

روتی ہے تجھ کو یورپ افریقہ کی تیتیاں — اور تجھ کو پیٹتا ہے ایران کا رنڈاپا

انصاف اور ایمان ہم کو نظر نہ آئے — مغرب کو ہم نے چھاپا مشرق کو ہم نے تاپا

گاتے ہیں روس و اٹلی بل کھرچ کے ہیں — چپ چاپ لے رہے ہیں جو آلِ البیز نے الاپا

ہر تیر اس کماں کا جوشن گذار ہوگا — لائق تمہیں ہی ہے اسلام کا بڑھاپا

جو چاہے ورج کرے کیا ڈر ہے پانیر کو — اپنے ہی گھر کی بجلی اپنے ہی سر کا چھاپا

مذہب وفا ہمارا مسلک جفا تمہارا — ہم نے تمہیں سراہا تم نے ہمیں سراپا

ہندوستاں کی قومیں کچھ کم نہیں ہیں — کس وقت پھر ان اوپر ہیں ہو بلا پا

مسلم اور ہندو ہندوستاں کا زیور
وہ مخلصی سراسر یہ آشتی سراپا

"آفتاب"

بکوریٔ چشم سنسر

مولوی وجاہت حسین صاحب ایڈیٹر "آفتاب" بھی ایک عرصہ تک جناب سنسر کے بیداد وجفا کا تختۂ مشق رہ چکے ہیں۔ آپ کی جو شامت آئی، آپ نے "ہز آنر سر ایڈورڈ میکلیگن" کی شان میں ایک بہاریہ قصیدہ لکھا۔ میکلیگن کے ساتھ قافیہ گلشن بھی بندھ گیا تھا۔ نظم جب سنسر صاحب کے پاس پہنچی، تو ان لال بھبکڑ صاحب نے یہ سمجھ کر کہ اس سے سر مائیکل اڈوائر کا باغ فارستان ہوا جاتا ہے۔ بے چارے ایڈیٹر "آفتاب" کی نظم کی اشاعت ہی روک دی۔

میں نے ان سے یہ واقعہ سن کر انہیں کی طرف سے اسے یوں نظم کر ڈالا۔

دل ہو تو ایک اور حکایت نئی سنو — آزادیٔ خیال کے عہدِ عذاب کی
سر مائیکل سے جائزہ جب سے لیا گیا — جس وقت ختم ہو گئی مدت جناب کی
ہم سمجھے آگئی چمنِ علم میں بہار — چھائی ہوئی تھی جس پہ خزاں احتساب کی

سبحان اللہ

سنسر کے ہاتھ سے ابھی چھوٹا نہ تھا قلم — جس نے ادب کی خوب ہی مٹی خراب کی

پنجاب کی صحافتِ مسکین و کس مپرس — شاکی تھی آپ کے ستمِ بے حساب کی

اک روز میں نے مدح سر ایڈورڈ میں کہی — اک نظم جو ہے جانِ وفا کی کتاب کی

اس کو بھی کر دیا نظری دیکھنے کے ساتھ — کیا بات ہے جناب رقابت مآب کی

گلشن کے ساتھ قافیہ میکلیگن آ گیا — سب سے بڑی خطا تھی یہی "آفتاب" کی

ازبسکہ ذلہ خوار تھے عہدِ قدیم کے — مجھ کو دکھائی شان پرانے عتاب کی

کہنے لگے کہ لکھ کے قصیدہ یہ آپ نے — "پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی"

سرپیٹ کر دیا انہیں میں نے بھی یہ جواب
"جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی"

---

۲۵ اپریل سنہ ۱۹۲۰ء

پردہ داران پردہ در

دین کی شوکت گھٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
کفر کی عزت بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

دیتے ہیں ترجیح ہم قرآں پہ ژند و اوستا کو
اپنی ہستی کو مٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

آنریبل ہو کر اور سرکار سے لیکر خطاب
منہ شریعت کا چڑانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

مغربی لے میں نوا آموزی ابلیس سے
مشرقی پٹے کا گانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

تار و پود اسلام کا ہم نے بکھیرا آپ ہی
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

---

۷ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

[۱] مرزا عباس علی بیگ ممبر انڈیا کونسل

تابوتِ استعمار کی آخری میخ

جس مئے گلرنگ سے سرمست تھے احرار ہند — اور بھی ساقی کے جادو سے نشیلی ہو گئی
پیچ گاندھی کی لنگوٹی کا چلے تھے کھولنے — کشمکش میں اپنی ہی پتلون ڈھیلی ہو گئی
تھی کبھی جس میخ کی تابوت استعمار میں — ہم مسلمانوں کی ضربوں سے نکیلی ہو گئی
گھٹ گیا سونے کا نرخ اور بڑھ گیا چاندی کا بھاؤ — گوری گوری ان کی رنگت آج پیلی ہو گئی
میرے مینا میں چھلکتا ہے مزاج زنجبیل — اور میرے ساغر کی فطرت سلسبیلی ہو گئی
جب اڑا لی رتل القرآن ترتیلا کی تان — جبرئیلی ساز کی گت بھی سریلی ہو گئی

قافیہ تنگ اور زمین سخت اس فضا میں بھی یہ نظم
میرے خامہ کی زباں پہ تھی سریلی ہو گئی

---

۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء

مارشل لا

حکومت جن دنوں پنجاب میں تھی مارشل لا کی
تو قابل دید کے تھی اوڈوائر کی غضب ناکی

جب امرتسر میں ہم پر گولیاں برسیں تو ہم سمجھے
کہ بوندیں ہیں یہ اہلِ ہند کے خونِ تمنا کی

خدا کے قہر کی بجلی گرا کرتی ہے ظالم پر
مگر پنجاب میں اس برق کے مظلوم تھے نشانا کی

مساوات اسکو کہتے ہیں کہ مشقِ قطعِ اعضا میں
نہ بوڑھوں ہی کو دیکھا اور نہ بچوں ہی کی پروا کی

جنابِ اوڈوائر کی بم اندازی کے کیا کہنے
ٹرہی کے لینے والے سیر کرتے تھے ثریا کی

ہمارے بازوؤں کی دھجیاں اڑتی تھیں گردوں تک
ہماری ٹانگ کے تسمے خبر لاتے تھے جوزا کی

یہ صورت تھی ہماری خواہ مسلم خواہ ہندو تھے
یہ حالت تھی جنابِ جارج پنجم کی رعایا کی

۲۷ مئی سنہ ۲۰ء

کنارِ اٹک پر رندانِ لم یزل کی سرمستیاں

اس نظم میں متعدد تلمیحات ہیں گل مست سے گل مست خاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور بلبل سے محمد حسین خاں انسپکٹر مراد ہیں جو راقم الحروف اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو اٹک پار اتر کر صوبہ سرحد میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے منجانب حکومت سرحد مامور ہوئے تھے اور جب تک ہم لوگوں کا اٹک کے اس پار دریا خاں میں رہا جہاں اہل ڈیرہ اسمٰعیل خاں جلسہ میں شرکت کیلئے آ گئے تھے۔ یہ دونوں افسران پولیس اپنے فرائض نگرانی انجام دیتے رہے۔ نواب سیف اللہ خاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے رئیس اعظم مراد ہیں اور مولوی احمد اس علاقہ کے مشہور مکفر مولوی ہیں جنہوں نے شاہ امان اللہ خاں غازی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ جان بل سے مراد یہاں سر نارمن بولٹن ہیں جو جان بل کے سرحدی نمائندے ہیں اور جنہیں یہ شرف حاصل ہے کہ جس سے چاہیں دستارِ فضیلت چھین لیں اور جسے چاہیں عالم بنا دیں۔

اٹک کی موج کی مے گونیاں دیکھ ہیں دریا خاں میں بلبل مست و گل مست
چڑھا ہے نشہ سیف اللہ خاں کو ظفر مست و بخاری مست و گل مست

رہے اک مولوی احمد سو ان کو | کرے گا قلقل مینائے مُل مست
نچائیں گے اسی تگنی کا سم ناچ | کرے رقص ہو کر حسبان مُل مست
ہلا دیں گے مسیحیت کی بنیاد | اگر اس بات پہ جائیں گے مُل مست

"الٰہی خانہ انگریز گرجا"

مچائیں گے لب دریا پہ غل مست

---

۱۰ دسمبر سنہ ۱۹۲۹ء

قسمت

ہند میں بستا ہوا تیمور کا گھر لٹ گیا | چھین لی انگریز نے دلّی چلو چھٹی ہوئی
ملک کی پھوٹی ہوئی قسمت کو اب کیا روئیے | ایک ٹھوکر میں پھٹی تلّی چلو چھٹی ہوئی!

نوشتۂ تقدیر

بھگت سنگھ، راج گرو اور سکھدیو کے حوالۂ رسن و دار ہونے پر

تواناؤں کے بس میں ہے سراپائے حقارت سے
کروڑوں ناتوانوں کی تمناؤں کو ٹھکرانا

دبا دینا کسی مظلوم کی آہوں کو سینے میں
کسی بیکس کو ساری عمر آنسو خوں کے رلوانا

ہے جن کے دل میں آزادی کی دھن ان نوجوانوں کو
وطن کے عشق کی پاداش میں سولی پہ لٹکانا

بہا دینا کسی کی راکھ کو ستلج کی موجوں میں
کسی کی لاش اٹک کے پار خاک اور خوں میں تڑپانا

ملوکیت پرستوں کیلئے یہ سب کچھ آساں ہے
مگر دشوار ہے قانون فطرت کا بدل جانا

زوال اس سلطنت کا ٹل نہیں سکتا ہے ٹالے سے
خود اپنی ہی رعایا سے پڑا ہے جس کو ٹکرانا

مکافات عمل سے گر وہ غافل ہیں تو بیشک ہوں
ہمارا کام تھا نیک اور بد کا ان کو سمجھانا!

---

۲۵ مارچ ۱۹۳۲ء

فرشتہ و حیوان

آدمی زادہ طرفہ معجون است — از فرشتہ سرشتہ واز حیوان

گر کند میل ایں شود بہ ازیں — ور کند میل آں شود کم ازاں"

چو مسلم علم دین و زید "فخر الدین رازی" شد — شبے چوں در عمل کوشید "امان اللہ غازی" شد

گہے ظلمت شد و بر خاک و خوں غلطید در برلن — گہے در نیل "چو نادر خاں" علم در یکہ تازی شد

بچنگ ملت بیضا گہے زد زخمہ چوں "طرزی" — نوا پیرایہ بزم اندریا آہنگ حجازی شد

سمرنا را چو یک لک داد آصف جاہ ہشتم گشت — نوالش رشتۂ اسلام را وجہ درازی شد

چو از یزداں دلش بگرفت با طاغوتیاں پیوست
گذشت از خویش و فیصل گشت و انگلیس مجازی شد

---

۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء

ارمغانِ عید

اس آبِ سرخ کا ساقی ادھر بھی ایک کنٹر لا
لنڈھا کر جس کے خم کے خم ہوئے سرشار بونر لا

سمرنا کی مئے گلرنگ اگر تیزی میں کچھ کم ہو
حرم میں جا کے یورپ کے لئے خونِ کبوتر لا

مئے آشامانِ مغرب کو اگر ساغر کی حاجت ہے
کسی مسلم کا مٹی میں ملا اک کاسۂ سر لا

مری آغوش میں آئے تو اس بت سے سمجھ لوں میں
کسی حیلے سے اس کو گھیر کر اک شب مرے گھر لا

حریفوں کو مٹا جس طرح وہ ہم کو مٹاتے ہیں
بحقِ مصطفٰے یا رب مرادِ اسلام کی بر لا

مجھے بچوں کو عیدی جا کے دینی ہوگی کابل میں
جگر سے مانگ کر کچھ لعل و گوہر دیدۂ تر لا

مرے اشعار لکھنے چاہئیں سونے کے پانی سے
اگر سونا نہیں ملتا کم از کم کاغذِ زر لا

---

۲۹ جون سنہ ۱۹۲۰ء

از دیباچہ سیر ظلمات

خواستم گفتن از اعجاز بیانم سرّے — منکہ صد نقش بہ یک پردہ ہویدا کردم
رہنمونم خضرے گشت کہ از تائیدش — در ظلمات بہ مضمون قلم وا کردم
آمد از جانب لندن چو عروسی معنے — من زپیرایہ دلہنیش مہیّا کردم
گیسوئے خامۂ من مشک فشاں گشت ہمی — رشک صد تبت و تاتار و ارو پا کردم
آمدم از در تہذیب و تمدن گاہے — گہ تماشائے کہ و وادی و صحرا کردم
پردہ برداشتم از چہرۂ فطرت گاہے — قوت واہمہ را گاہ تجزّی کردم

کاشتم سنبل نکہت بہ زمین انشا
کشت خود روکش گلگشت مصلا کردم

جون سنہ ۱۹۰۰ء

"زمیندار" کے شہید نمبر اسلام نمبر اور کشمیر نمبر کی ضبطی

دل ضبط جگر ضبط زباں ضبط فغاں ضبط
سب سازِ عیاں ضبط ہے سب سوزِ نہاں ضبط

مظلوم کو فریاد بھی کرنے نہیں دیتے
ڈر ہے کہ نہ ہو جائے یہ سب امن و اماں ضبط

اٹھتی ہے جو سینے سے تو ہو جاتی ہے آہ ضبط
آئے جو دہن پر وہیں ہوتا ہے گماں ضبط

روکیں گے وہ کیونکر مرے مضمون کی روانی
تنکے سے بھی ہوتا ہے کہیں سیلِ رواں ضبط

وہ ضبط کریں میری دوات اور قلم کو
ہو جائیں گے خود ان کے تفنگ اور سناں ضبط

تم ضبط "زمیندار" کے نمبر نہیں کرتے
کرتے ہو حقیقت میں محمد کا نشاں ضبط

---

۱۰ دسمبر ۱۹۳۰ء

نوید امن

دہلی سے نوید امن کی لائی ہے صبا آج
ہوتا ہے وطن قید مصیبت سے رہا آج

مضبوط ہوا عدل و مساوات کا رشتہ
اور قطع ہوا سلسلۂ جور و جفا آج

ہے ناؤ حکومت کی مظالم کی بھنور میں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا آج

چرچل کی خرافات کے بکھرے ہوئے پرزے
اک پل میں اڑا لے گئی دہلی کی ہوا آج

بیدار ہوئی ہند کی سوئی ہوئی تقدیر
کیوں مرتبہ مشرق کا نہ ہو کل سے سوا آج

مظلوم کی فریاد کو بخشی گئی تاثیر
اور عرش سے لے آئی اجابت کو دعا آج

برسائے گی پھر دولت و اقبال کے موتی
اٹھی ہے پھر اللہ کی رحمت کی گھٹا آج

رندوں کے لئے بادہ سے لبریز ہے ساغر
ہر جرعہ ہے اس بادہ کا اندوہ ربا آج

ہر شہر کے ہر کوچہ میں ہے آج چراغاں
ہر قریہ کے ہر گھر میں جلا گھی کا دیا آج

گاڑا تھا جسے قوم نے راوی کے کنارے
گردوں سے بھی اونچا وہ علم اڑ کے ہوا آج

آزاد کرو ساری خدائی کو اب اٹھ کر
اس عہد کی تجدید کریں ما دستماں

۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء

قانونِ انتقالِ اراضی

قانونِ انتقالِ اراضی سے آج کل
بے حد خفا ہیں صوبۂ پنجاب کے ہنود

ان کو یہ شکوہ ہے کہ جب اس ملک کیلئے
ہر طرح سے مفید ہمارا بھی ہے وجود

دن رات اگل رہی ہیں ہماری ہی تھیلیاں
سرکار کے خزانہ میں ہیں جس قدر نقود

پھر کیوں ہمیں خریدنے دیتے نہیں زمیں
کیوں ہو گئے حقوق ہمارے ہی غتر بود

آزاد کیوں ہے بیع و شری میں کسان ہی
کل کائنات جس کی ہے افلاس کا نمود

انصاف مقتضی ہے کہ اٹھ جائیں یک قلم
اس سلسلے میں جتنی ہیں قانون کی قیود

ہر طرح سے بجا ہیں یہ ساری شکایتیں
بے شک زمیں کی ملک کے حقدار ہیں ہنود
لیکن یہ شرط ہے کہ زمیندار کی طرح
خود ہل چلائیں اور غریبوں سے لیں نہ سود

---

۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء

سائمن کمیشن کی نوازشات کا تجربہ

کمیشن سے تعاون کرنیوالے یہ تو فرمائیں
کہ آخر اس خوشامد کا صلہ اُن کو وہ کیا دے گا

نئی عزت ملے گی کون سی اُن کاسہ لیسوں کو
وہ کس سرخاب کے پر اُن کی ٹوپی میں لگا دے گا

وفا کی ناک رگڑیں گے اگر یہ اسکی چوکھٹ پر
تو کیا وہ بیڑیاں اُن کی غلامی کی بڑھا دے گا

مسلماں گر اقلیت میں ہیں مدراس کے اندر
تو کیا وہ ہندوؤں کی اکثریت کو گھٹا دے گا

تناسب ہندوؤں کا کشورِ پنجاب میں کم ہے
تو کیا اسلام کی خاطر وہ مندر ان کے ڈھا دے گا

یہ سچ ہے سر بنیں گے کچھ نہ کچھ اُن سے موالاتی
کسی کو سر کرا دے گا کسی کو جج بنا دے گا

مگر یہ وہ چچوڑی ہڈیاں ہیں خوانِ مغرب کی
جنہیں وہ پھینک کر مشرق کے کتوں کو لڑا دیگا

مسلمانو اب ناموسِ وطن اس وقت خطرے میں
بچا لو گے جو تم اس کو خدا تم کو جزا دے گا

اگر ٹھکرا دیا تم نے کمیشن کو تو سن لینا
تمہارے نام کا ہندوستاں ڈنکا بجا دیگا

تعاون کر کے انگریزوں سے اب تک کیا کیا تم نے
نہ سمجھے ہو تو سمجھو اب تم کو جو دے گا خدا دے گا

۱۷ دسمبر ۱۹۲۷ء

دو سائے

کبھی ہندوستاں میں بھی صلیبِ تاج رنگیں ہو گا
سنیں گے لارڈ برکن ہیڈ ہماری بھی کبھی دھمکی

بدل دے گا الہ العلمین ذلت کو عزت سے
ذلیل اس طرح رہ سکتی نہیں اولاد آدم کی

علم احرار کا لہرائے گا مینارِ دہلی پہ
صفِ استبداد کے حلقوں میں بچھ جائیگی ماتم کی

یکایک خیرہ ہوں گی دیوِ استعمار کی آنکھیں
ہماری تیغ جو سر دار عریاں ہو کے تب چمکی

کہاں تک اس کے آگے بند باندھو گے غلامی کا
روانی رک نہیں سکتی ہے آزادی کے قلزم کی

خوشامد ہو نہیں سکتی محمدؐ کے غلاموں سے
اُن ابن اللعینوں کی جو ہیں امت میں مریم کی

ہمارے سر پہ دو سائے ہیں، ایک اللہ کا سایہ
اور ایک اس ذاتِ اقدس کا جو رحمت ہے دو عالم کی

---

۲۵ فروری ۲۸ء

پیام آزادی

کھول آنکھ اور دیکھ مقدر کا بند و بست — ہیں آج زیر دست جو کل تھے دراز دست

حق سر فگندہ تھا مگر اب سر بلند ہے — باطل جو تھا بلند نظر آ رہا ہے پست

سر جان سائمن کے پجاری ہوئے ذلیل — کھائی اسمبلی میں گورمنٹ نے شکست

خمخانۂ فرنگ کے رسیا کدھر گئے — محفل پہ چھائے جاتے ہیں مشرق کے مے پرست

جو ہوشیار ہیں انہیں مستی کی دے نوید — اے جرعہ نوش بادۂ خمخانۂ الست

ہندوستاں غلام ہے آزاد کر اسے — تلقین کر رہا ہے یہی ہر وطن پرست

ہیں مالوی بھی میرے شریک اس پیام میں
"از یک چراغ کعبہ و بت خانہ روشن است"

---

۲۲ فروری ۱۹۲۸ء

مہاتما گاندھی کا ترانہ

کبھی اپنی آتما سے نہ میں دشمنی کروں گا
نہ لبھوں گا جا کے بن میں نہ میں خودکشی کروں گا

مجھے ایسی کیا پڑی ہے کہ ہمالیہ کو جاؤں
یہیں گھر میں بیٹھے بیٹھے میں ہری ہری کروں گا

یہ فرنگیوں سے کہہ دو کہ میں ہوں دھرم کی مورت
جو کریں گے وہ عداوت تو میں آشتی کروں گا

ہے مرا دھرم اہنسا ہے اسی میں سب کی بھگتی
مرے پاس ہے جو ہنڈی اسے درشنی کروں گا

مرے من کی جھلملی میں نئی جوت کی جھلک ہے
نہ ٹھہر سکیں گی آنکھیں میں وہ روشنی کروں گا

کوئی دن میں سبز ہوگا وہ چمن جو جل رہا ہے
میں ان اپنے آنسوؤں سے وہ فسوں گری کروں گا

پرانی شراب نئی بوتل میں

مسٹر ہیبر سے میکڈانلڈ رہنمائے حزب العمال کا دورِ حکومت

پہلا دور

کس مپرسی کے دنوں میں تو ہمارے نئے صدر
کرتے رہتے تھے بہت دعوائے غمخوارئ ہند

کہتے رہتے تھے کہ عمال کا ہوتے ہی عروج
ختم ہو جائیں گے ایام نگوں سارئ ہند

بے سبب ہم سے نہ تھی آپکی یہ ہمدردی
آپ بے وجہ نہ کرتے تھے طرفدارئ ہند

آپ واقف تھے ان اسباب سے جن کے باعث
بڑھتی جاتی تھی ہر انگریز سے بیزارئ ہند

ہم تو کیا چیز ہیں خود آپ کی یہ حالت تھی
کہ نہ ضبطی سے بچی آپ کی "بیدارئ ہند"

آپ کو اچھی طرح تھی یہ حقیقت معلوم
کہ گرفتارئ گاندھی ہے گرفتارئ ہند

اب جو ہاتھ آپکے آئی ہے حکومت کی عناں
تو اس انداز سے فرماتے ہیں دلداری ہند

کہ "نہ چھوڑی روش ترک موالات اس نے
تو یہ مشکل ہے کہ آسان ہو دشوارئ ہند"

"اچھی ہے سلف گورمنٹ کی خواہش لیکن — ہونے پائے متزلزل نہ وفاداریٔ ہند"
"کوئی انگریز نہ سمجھے یہ کہ ہوگا مرعوب — اس سے ہلکی کبھی ہوگی نہ گرانباریٔ ہند"
ہے یہ وہ قوم جو کل تک ہماری دمساز — آج کرتی ہے مگر وعظ غلط کاریٔ ہند
دل نوازی میں یہی لوگ تھے کل تک مشہور — آج کرتے ہیں جو اس طرح دل آزاریٔ ہند
تہنیت کے اگر اس پر بھی انہیں جائیں پیام — متقاضی ہے کب اس بات کی خودداریٔ ہند

دوسرا دور

اس میں بیبرو کہ لبرل ہوں کہ کنسرویٹو — سب کا مقصود ہے ایک اور وہ ہے خواریٔ ہند
باہمی جنگ کا ہے سلسلہ قائم جب تک — علم انگریز کا ہے اور عملداریٔ ہند
ڈیڑھ سو سال کے ہاتھ اور گریباں ہیں گواہ — اس کا کام نہ زور و نہ زر و زاریٔ ہند

جب تک اپنے ہی مسیحا نہ معالج ہوں گے
نہیں ممکن کہ کبھی دور ہو بیماریٔ ہند

---

۲ جون ۱۹۲۹ء

واپسی برار

کبھی تھا رتبہ آگے جرمنی جن کے حریفوں میں
دکن اس وقت تک ہے ان کے تابع ہی حلیفوں میں

نظام الملک آصف جاہ اگر ہمت نہ فرماتے
قوی جن کے ہیں بازو جا ملے ہوتے ضعیفوں میں

مگر یا للعجب جب ساعت آئی حق شناسی کی
ہما عنقا بنا منت گذاری کے صحیفوں میں

یکایک ہز مجسٹی بن گئے نیپال کے راجہ
اور اس پر تھیلیاں بھی دی گئیں انکو وظیفوں میں

نظام اپنا فقط حق مانگتے ہیں حق نوازوں سے
جزا احسان کی احسان ہوتی ہے شریفوں میں

برار اب بھی نہ واپس ہو تو ہم سمجھیں تو کیا سمجھیں
یہ نکتہ آپ کو ہم نے سمجھایا ہے لطیفوں میں

---

۹ فروری سنہ ۲۰ء

گاندھی اور مالوی

ادھر گاندھی ہمیں تلقین کرتے ہیں اہنسا کی
کہ مضمر ہے نجات اس مسئلہ میں ساری دنیا کی

وہ انساں کی طرح گر شعلہ افشاں ہیں تو جلنے دو
مگر تم پیروی چھوڑو نہ خاموشی میں گنگا کی

تشدد ہو تو دو ان کو تحمل سے جواب اس کا
کہ ہیبت یوں ہی زائل ہو سکے گی مارشل لا کی

اسی حربے سے الٹا تھا مسیحیت نے روما کو
چلن سیزر کا چھوڑو عادتیں سیکھو مسیحا کی

ادھر سنگھم سے اٹھ کر مالوی اپدیش دیتے ہیں
کہ مٹ جائے گی جاتی گر نہ عامل ہو گی گیتا کی

ابھی تک نسل بابر حکمراں اس دیس پہ ہوتی
اہنسا ہی کے بل پہ زندگی کٹتی جو سانگا کی

تم اک چانٹے کے بدلے چار چانٹوں کا کرو ساماں
یہی تہذیب ہے در اصل کاشی اور متھرا کی

کمر میں گوپیاں پستول گھر سے باندھ کر نکلیں
تو اندر لوک میں خوش آتما ہو گی کنھیا کی

اگر ہتھیار بے لیسنس مل سکتے نہیں تم کو
تو کر سکتے ہو اینٹوں سے مدارات اپنے اعدا کی

ہر اک چھوٹا بڑا اس سن کے یہ باتیں ہے بدحواس
عجب اس وقت حالت ہو رہی ہے پیر و برنا کی

مقلد مالوی جی کے ہوں یا پیرو ہوں گاندھی کے
سراسر آتشی بن جائیں یا ہوں سر بسر خاکی

پٹیل کا پیغام

دے رہا ہے ہمیں زنداں سے یہ پیغام پٹیل
منزل آزادی کامل کی ہے اس عہد میں جیل

آئے دن اپنوں میں ہوتی جو نہ دانتا کل کل
ہونے پاتے نہ وہ اس طرح پرایوں کے دبیل

جان بل برہمن و شیخ سے ہے برسر جنگ
ایک ہوتا تو پھر ان دونوں میں ہوتا کب میل

سر ہتھیلی پہ لیے جب نکل آیا پنجاب
تو یہ سمجھو کہ منڈھے چڑھ گئی اس دیس کی بیل

پھیلتی جاتی ہے گاندھی کی لگائی ہوئی آگ
کوئی اردن سے یہ کہدو کہ اس آگ سے کھیل

ڈیڑھ سو سال تک انگریز شتربان رہا
اب اس اونٹ کی خود ہاتھ میں تھامیں گے نکیل

جبر اور صبر

تھک گئی سکھوں کے آگے کس طرح سرکار دیکھ
دیکھتے کیونکر ہیں نیچا زبردست آزار دیکھ

ڈوبتی ہے کس طرح منجدھار میں ظالم کی ناؤ
کس طرح ہوتا ہے مظلوموں کا بیڑا پار دیکھ

تو نے چلتے دیکھ لی بات فروشوں کی دکان
سرفروشوں کی بھی آ کر گرمیٔ بازار دیکھ

مالوی جی کے پرانے ہتھکنڈے کس کام کے
خالصہ جی کا نرالا شیوۂ پیکار دیکھ

جبر کی تلوار چلتے چلتے آخر گر گئی
صبر کا ہتھیار کام آیا ہے آخر کار دیکھ

اے کہ تھا با سمع و الطاعت کبھی تیرا شعار
ہو گئے بیزار اس حقیقت کے علم بردار دیکھ

اے کہ تیری وضع کو کچھ ضد سی ہے تغییر سے
ابلقِ ایام کی بدلی ہوئی رفتار دیکھ

تو نے دیکھے ہیں شہنشاہوں کے درباروں کے ٹھاٹ
اب فقیروں کا بھی جنگل میں لگا دربار دیکھ

کٹ مری سکھوں کی قوم اپنے گرو کے نام پر
تو بھی مسلم اپنی جاں اپنے نبیؐ پہ وار دیکھ

آموختہ

کیا حکومت نے چند دن کے لئے جو زنداں میں بند تجھ کو
تو شکرِ حق کر کہ راہِ حق میں پہنچ رہا ہے گزند تجھ کو

جس آزمائش میں پڑنے والے حیاتِ جاوید پا چکے ہیں
اُس امتحان کے لئے کیا ہے تیرے خدا نے پسند تجھ کو

جو تجھ کو صیاد چھوڑ دیتا سمجھ کے صیدِ زبوں تو کیا تھا
کشاں کشاں لے گئے حرم تک مگر خود اس کی کمند تجھ کو

حسین کا سر ہے آسماں پہ کہ رہ چکا تھا کبھی سناں پہ
تو کم سے کم سر بکف تو ہو جا جو سر ہے کرنا بلند تجھ کو

بھرا ہوا زہر کا پیالہ جو آگے آئے تو اس طرح پی
کہ گھول کر دے رہا ہے گویا حریفِ ساغر میں قند تجھ کو

زمیں کو لرزا فلک کو چکرا عرب کو گرما عجم کو تڑپا
ملا ہے فطرت کی ارجمندی سے دل اگر درد مند تجھ کو

وہی ہو اندازِ بسملی کا جو شیوۂ ترکِ نیم جاں ہے
اگر کٹانا پڑے محمدؐ کے نام پہ بند بند تجھ کو

یہ چند نکتے ہیں اس سبق کے جو تو کئی بار پڑھ چکا ہے
وہی سمجھائی ہوئی حقیقت سمجھاؤں پھر تا بچند تجھ کو

ہنوز دہلی دور است

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کانپور ہے
پیدا ہر اک گوشہ سے شورِ نشور ہے

ہے تار تار پیرہنِ امن و عافیت
زخموں سے جسمِ بیگنہی چور چور ہے

زینت ہے اس زمانہ میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلکِ قدیم جو خیر الامور ہے

ہے شیخ کا دماغ تو ان سے بے نیاز
اور برہمن کی عقل کے اندر فتور ہے

لگی ہوئی ہیں سر پہ غلامی کی لعنتیں
ہے "سیکن" کہیں تو کہیں "جی حضور" ہے

آپس کی پھوٹ کر کے رہے گی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ! کب ہمیں اتنا شعور ہے

لندن کی گول میز کو یاروں نے جا لیا　　لیکن یہ قافلہ ابھی دہلی سے دور ہے
اس وقت تک اگر نہیں آزاد ہو سکا
ہندوستاں! خود یہ تیرا ہی قصور ہے

---

۲۹ اگست ۱۹۳۱ء

ہندوؤں کی محکومی کے اسباب

لالہ لاجپت رائے کی تاریخ ہند پر نظر

لاجپت رائے نے تاریخ تو لکھی ہے مگر　　جس سے روشن ہو ضمیر اس میں وہ تحکیم نہیں
مسئلہ یہ ہے کہ باایں ہمہ عظمت ہندو نا　　کشورِ ہند میں کیوں صاحبِ دیہیم نہیں
سینکڑوں سال سے اغیار کے ہیں کیوں تابع ذلیل　　اور دبے ان کی غلامی سے کے جراثیم نہیں
اس تنزل کے علل پر ہے مؤرخ کو عبور　　لیکن اصلی جو سبب ہے وہی تسلیم نہیں
ہیں فقط اس لئے اغیار کے محکوم ہنود　　کہ انہیں دی گئی توحید کی تعلیم نہیں

آج جھک جائیں اگر ایک خدا کے آگے
سرِ افلاک جھکے اُن کی ادا کے آگے

خالصہ بھی تو وہی قوم ہے جس کے معبود — کثرت اندوز تھے کاشی کے صنم خانوں سے
ان میں بھی جمع تھے گو سارے پرستوں کے عیوب — ظلم انسانوں پہ سوا کرتے تھے حیوانوں سے
کبھی ان کو بھی اچھوتوں سے وہی نفرت تھی — ہندوؤں کو ہے جو ان سوختہ سامانوں سے
ان کی ہر بزم کی رونق بھی بڑھا کرتی تھی — قربِ ہاتھی کے اوہام کے افسانوں سے
لیکن اک گھونٹ پلایا انہیں جب نانک نے — مانگ کر ساقیِ یثرب کے خمستانوں سے
تو کرامت وہ نمایاں ہوئی ان کے ہاتھوں — جس کو تھی نسبت تخصیص مسلمانوں سے
آج تم دیکھ رہے ہو کہ ہوئی ہے پیدا — ید بیضا کی چمک ان کے گریبانوں سے
کاٹنے نکلی ہے زنجیر غلامی کی یہ قوم — اپنے ہی خون میں نہائی ہوئی کرپانوں سے
اس طرف تیغ و تفنگ اس طرف اک ذوقِ عمل — جا کے ٹکراتے ہیں درویش جہانبانوں سے
عقل اور عشق کا یہ معرکہ پھر گرم ہوا — جنگ پھر چھڑتی ہے دیوانوں فرزانوں سے

شانِ نمرود اُدھر آنِ براہیم اِدھر
آتشِ تیز اُدھر شیوۂ تسلیم اِدھر

تو بھی اے ہمدم آئینِ براہیمی سیکھ — توڑ دے بُت کی جو گردن وہ تبر پیدا کر
اب بنا اپنے لئے کوئی نیا ہی مندر — نئی دیوار کے اندر نئے در پیدا کر

تاکہ ہر وقت ترے گھر کی نگہبانی ہو　　جس کا ہمسایہ ہو اللہ وہ گھر پیدا کر

جو ہر انسان کی گردن میں حمائل ہو جائے　　ایسے زنار کی بندش کا ہنر پیدا کر

جو ابد تک نہ مٹے قشقہ جبیں میں وہ لگا　　خاک سے سجدۂ پیہم کا اثر پیدا کر

خود بخود غیر پہ طاری تیری ہیبت ہوگی　　دل میں پہلے مگر اللہ کا ڈر پیدا کر

سلطنت کی ہے تمنا تو موحد بن جا　　خاک اکسیر ہو جس سے وہ نظر پیدا کر

تجھ میں گر علتِ گوسالہ پرستی نہ رہے

یوں حکومت کو تیری قوم ترستی نہ رہے

کلکتہ

کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں — اک تیر ایسا سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

انگشت رام پور کا پنجاب کی طرف — ہگلی کے گھاٹ پر وہ اشارا کہ ہائے ہائے

عبرت کی آنکھ کھول کے آپس کی پھوٹ کا — دیکھا وہ جانخراش نظارا کہ ہائے ہائے

آزادیٔ وطن کی تڑپ نے ہنود میں — وہ دل نواز جذبہ ابھارا کہ ہائے ہائے

ان میں وہ اتفاق کی طاقت کہ واہ وا — ہم میں وہ اختلاف کا پارا کہ ہائے ہائے

ملت کی آبرو سے علی بھائیوں کی ضد — لانے لگی وہ رنگ خود آرا کہ ہائے ہائے

بنگال کے افق میں کچھ ایسا ہوا غروب — ان دونوں بھائیوں کا ستارا کہ ہائے ہائے

ہندوستاں کے صدر کی عزت کو دیکھ کر

ہر سائمن پرست پکارا کہ ہائے ہائے

---

۲۵ دسمبر ۱۹۲۸ء

ناخن مدراس اور عقدۂ بھوپال

کمندِ شہ اسلام کے مشرق کے ہر ساحل پہ بکھرے ہیں
قیامت بن گیا تثلیث کے بھونچال کا جھٹکا

یہ سمجھے تھے کہ چھلکے گی وہی گاگر جو ادھ جل ہو
فروزاں ہے نظارہ کاشی جی کے پنگھٹ کا

سما جاتا ہے کلیسا کی پتی میری ان آنکھوں میں
مگر دل میں اترنے کو حسد آرا ہوں بہ لٹ جھٹکا

میں اے شیخ طریقت تیرے مکر و فن سے واقف ہوں
تصوف کا بنا کر بھاؤ کیسے کو نہ یوں مٹکا

شراب خانہ ساز آئی ہے یثرب کے خمستاں سے
ہے اک حوضِ کوثر قطرہ قطرہ جس کی تلچھٹ کا

دھمک اُس پاؤں کی بھی کان میں پڑنے ہی والی ہے
کھٹکتا تھا کبھی شورِ قیامت جس کی آہٹ کا

وہی تکبیر جو خیبر سے مالابار تک گونجی
کراچی سے ملایا چاہتی ہے رشتۂ سلہٹ کا

کیا مدراس نے حل عقدۂ بھوپال تنگ آ کر
تماشا کب تلک آخر دیکھتا اس کی کھٹ پٹ کا

حیاتِ جاوداں اُس "وقت" کے منصور کا حق ہے
اَنَا الحق کہہ کے جو ہنستا ہوا پھانسی پہ جا لٹکا!

۰ جولائی ۱۹۳۱ء

سوراج

سچ کل کی ابھی بات کہ تھے ہند کے سرتاج
دیتے تھے تمہیں آ کے سلاطین زمین باج

یا رنگ زمانے نے یہ بدلا ہے کہ تم کو
دنیا کی ہر ایک قوم سمجھتی ہے ذلیل آج

دامانِ نگہ جس کی فضا کے لیے تھا تنگ
وہ باغ ہوا دیکھتے ہی دیکھتے تاراج

محفل میں ضیا ہے نہ ساقی ہے نہ ساغر
گلشن میں نوا ریز نہ بلبل ہے نہ دراج

سوچو ذرا تم کہ تمہارا ہی سفینہ — کیوں ہو گیا بازیچۂ دخّاری امواج

ہر برق جو کوندی ہے گری ہے وہ تمہیں پہ — ہر فتنہ جب اٹھتا ہے تمہیں بنتے ہو آماج

جب تک ہے تم دست نگر اپنے خدا کے — ہونے نہ دیا اس نے تمہیں غیر کا محتاج

جس وقت مگر ہاتھ سے سررشتہ رضا کا — چھوٹا تو نہ تھا تخت نہ تھا تاج

جھک جاؤ گے اب بھی اگر اللہ کے آگے — بن جاؤ گے گر خاک در صاحب معراج

مٹی بھی اٹھا لو گے تو ہو جائے گی سونا — کنکر بھی اٹھا لو گے تو بن جائے گا پکھراج

جو ہو گئے اس کے وہ ہو گیا اُن کا نگہبان — اس کی ہے جنہیں شرم ہے انکی بھی ہے لاج

ترکوں ہی کو دیکھو کہ جب اس پہ ہوئے نثار — یورپ کی دھری رہ گئی سب کثرت افواج

داتا کی یہ ہے دین رنگ اس کے نیارے — مانگے نہ بھی بھیک نہ مانگا تو ملا راج

اک سجدہ میں حاصل ہوئے جاتے ہیں دو عالم — وہ کیوں نہ کرو بات کہ اک پنتھ ہو دو کاج

رٹ جاؤ مگر حق کو نہ مٹتے ہوئے دیکھو

سیکھو یہ روش گر تمہیں لینا ہے سوراج

کنیا

وہ جو خود غلام بن کے دیئے جاتے ہیں دوہائی
کہ سکھائی جا رہی ہے انہیں بندگی پرائی

جنہیں بندشِ زباں کا ہے خطرہ قدم قدم پہ
یہ قصہ رفت گیہ ہی نہ ہو خطائے لب کشائی

یہ ہے جن کی آج عزت کہ خود اپنے گھر کے اندر
کوئی جلسہ کر جو بیٹھے تو پولس دوڑ آئی

جنہیں اپنی کونسلوں میں ہے یہ اختیار حاصل
کہ خود اپنے قیدیوں کو نہ دلا سکے رہائی

جنہیں اپنی ہی زمیں پر جنہیں اپنے ہی وطن میں
نہیں مل سکے ہیں اب تک یہ حقوق ابتدائی

کوئی مدعا بھی جن کا نہیں ہو سکا ہے پورا
کوئی آرزو بھی جن کی نہیں آج تک بر آئی

ہے خدا کی شان یہ بھی کہ وہ بت اکڑ اکڑ کر
چلے جا رہے ہیں کنیا کو وہیں کریں خدائی

بحوالہ عراقی کوئی جا کے ان سے پوچھے
"تو دروں در چہ کردی کہ بروں خانہ آئی"

- - - - - - -

فرمانروائے کشمیر کا اعلان عمومی

فرمانے لگے ہنس کے مہاراجہ ہری سنگھ
جنبش مرے خامہ کی ہے اس نکتہ کی تفسیر

تقدیر فرنگ اَور ہے تقدیر خدا اور
وہ نقش ہے پانی کا یہ پتھر کی ہے تحریر

تقدیر یہ موخر تو ٹلی ہے نہ ٹلے گی
تقدیر مقدم پہ ہے غالب مری تدبیر

دیں گے وہی کچھ داد مری بانکی کماں کی
جن کے جگر و دل میں ترازو ہے مرا تیر

خوش مجھ سے ہو کر میری مسلمان رعایا
کہتی خطرۂ اغیار سے آزاد ہے کشمیر

---

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء

جنگِ آزادی میں شامل ہو گیا لاہور بھی!

منہ حکومت پہ ہاتھ اٹھاتا نہ تھا اس دیس میں
آج ان آنکھوں سے دیکھا یہ ستم یہ جور بھی

مجمعِ زنداں کی آرائش ہوں خاتونانِ ہند
آ گیا ہندوستاں میں اس جفا کا دور بھی

لاٹھیاں برسیں نہتوں پر تو آ کر جوش میں
چوٹ کی لذت پکار اٹھی کہ ہاں کچھ اور بھی

جبر سہنے کے لیے اور صبر کرنے کیلئے
اس حقیقت پر کبھی تم نے کیا ہے غور بھی

امن کی تلقین ہیں اور خود تشدد پر عمل
کیا عجب گر سیکھ جائیں تم سے ہم یہ طور بھی

گرم تھا پنجاب کا خوں کیوں نہ آخر کھولتا
جنگِ آزادی میں شامل ہو گیا لاہور بھی

فانوسِ ہند کا شعلہ

زندہ باش اے انقلاب اے شعلۂ فانوسِ ہند
گرمیاں جس کی فروغِ منزلِ جاناں ہو گئیں

بستیوں پر چھا رہی تھیں موت کی خاموشیاں
تو نے صور اپنا جو پھونکا محشرستاں ہو گئیں

جن بلاؤں سے گھرے رہتے تھے صبح و شام ہم
تیرے آتے ہی وہ انگریزوں کی درباں ہو گئیں

جتنی بوندیں تھیں شہیدانِ وطن کے خون کی
قصرِ آزادی کی آرائش کا ساماں ہو گئیں

مرحبا اے نو گرفتارانِ بیدادِ فرنگ
جن کی زنجیریں خروش افزائے زنداں ہو گئیں

زندگی اُن کی ہے دین اُن کا ہے دنیا اُن کی ہے
جن کی جانیں قوم کی عزت پہ قرباں ہو گئیں

سر عبداللہ المامون السہروردی کی شان میں

الٰہ دین کے چراغ کی لو اور ریمزے میکڈانلڈ کے برقی قمقمہ کی ضو

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ

خدا نے دولت کونین جس کو — بقدر رحمت خیر البشر دی
الہ آباد میں ملت کی مشعل — حیات نو کے انگاروں سے بھر دی
سکھائی ہم کو آزادی کی ترکیب — بتایا فرق نامردی و مردی
بنایا ہم کو عبدہ و کل کا مقلد — ہمیں توفیق شرح خشک و تر دی
یہ سب کچھ قوم کو مل ہی چکا تھا — گر آتے نہ اس میں سہروردی
اور ان کے ہم تولجن پہ قضا نے — اجانب کی غلامی ختم کر دی
اتروا کر ہمارے سر سے وہ تاج — رسول اللہ نے جس کی خبر دی

وہ پہنانا ہمیں اب چاہتے ہیں
کسی چرچل کے چپراسی کی وردی

الہ آباد ۲۰ دسمبر ۱۹۳۲ء

اصلی جرم

وہ اعلان آج میں نے بھی پڑھا جس میں حکومت نے
گنایا ہے رضاکارانِ ملت کے گناہوں کو

خدایانِ فرنگ اس میں یہ فرماتے ہیں جھلا کر
کہ ہم دم لیں گے سیدھا کر کے ان گم کردہ راہوں کو

انہوں نے جب سے ٹوپی سر پہ گاندھی کی جما لی ہے
اسی دن سے نہیں خاطر میں لاتے کج کلاہوں کو

برس پڑتے ہیں جلسوں میں ہمارے جاں نثاروں پہ
سنا دیتے ہیں صلواتیں ہمارے خیرخواہوں کو

ٹوڈیوں اور ٹوڈی

کبھی میخانے میں پیرِ مغاں کو تنگ کرتے ہیں
ستاتے ہیں کبھی بازار کے جادو نگاہوں کو

ہوا ہڑتال کا وہ زور اِن کی کوچہ گردی سے
گذرنا ہو گیا شہروں میں مشکل بادشاہوں کو

V. Good

اگر دو چار ہنٹر محتسب ان کو لگاتا ہے
تو پہنچاتے ہیں چوتھے آسماں پر اپنی آہوں کو

کہا اس پہ یہ میں نے ہے گنہ اک اور بھی ان کا
سیاہی جس کی شرماتی ہے ان سارے گناہوں کو

یہ ان کا جرم اصلی ہے کہ ان کی چیرہ دستی سے
چھٹی کا دودھ یاد آیا ہے لندن کے جلاہوں کو

فکاہی نظمیں

معبودِ وقت کی پرستش

حکومت کیا کرو گے رہ کے انگریزوں سے نادانو — بنا مسجدوں کے آگے باجا گانے کو پوجو

وطن اور اس کی آزادی سے ایسی بھی عداوت کیا — کہ اہنسا سے بڑھ کر لاجپت کی رائے کو پوجو

خدا کا نور مالا بار سے پھیلا ہے خیبر تک

جو آنکھیں ہیں تو اس کو ورنہ اس کے سائے کو پوجو

---

۱۵ نومبر سنہ ۱۹۲۷ء

پٹواری

آپ نے اب تک کیوں نہ بڑھایا درماہہ پٹواری کا
قطع نہ ہو جائے کہیں صاحب سلسلہ مال گذاری کا

اسکی بھی آنکھ سے کھل گئی پٹی آپ کی دی ہوئی عزت کی
ہو ہی گیا احساس اُسے بھی اپنی ذلت و خواری کا

کھائیے چاپ اور پیجیے وسکی شوق سے لیکن بندہ نواز
اس کو بھی حصہ دیجیے اس کی ابلی ہوئی ترکاری کا

پیٹ ہے بھوکا جسم ہے ننگا ہونٹ ہیں خشک اور آنکھ ہے تر
پھر یہ شیخ کہے گا کہ ہے لاحق اس کو مرض غداری کا

حق طلبی کی آگ لگی ہے شہر میں بھی اور گاؤں میں بھی
کیونکہ گھسیٹا مدِمقابل ہو گیا عبدالباری کا

چشم عنایت کا جو دیا ہے آپ کو آپ کی دولت نے
ہم کو بھی استحقاق دیا ہے بخت نے شکوہ گذاری کا

سیکھی خاطر باغ میں جاکر آپ نے سیکھا خندۂ گل
آگے سیکھا کئے خود ہمیں شبنم مشغلۂ گریہ و زاری کا

---

۲۹ مئی سنہ ۱۹۳۰ء

مسجد اور بوٹ

ایک دن پیش امام دہلی سے — ڈرتے ڈرتے کیا یہ میں نے سوال
آپ ہیں نورِ دیدۂ بزمِ قبول — آپ ہیں آب و رنگ محفلِ قال
آپ کو میں نے کھینچتے دیکھا — شرع کے مسئلوں کی بال کی کھال
الذین شرع ہے اگر دستار — تو ہیں آپ اس کے اک دل آرا خال
پھر یہ کیا بات ہے کہ وہ مسجد — جو ہے کعبہ کا عکس بے تمثال
جس سے قائم ہے نغمۂ تکبیر — جس پہ نازاں ہے ایزدِ متعال
جس کے منبر کے آپ ہیں سورج — جس کے محراب کے ہیں آپ ہلال
صبح اور شام یورپینوں کی — ٹھوکروں سے ہو اس طرح پامال

ہنس کے کہنے لگے یہ مولانا — آپ کیا جانیں اس زمانہ کا حال
ہیں انہیں ٹھوکروں کے صدقے میں — ہو گیا صاحبِ خطاب و منال
حشر تک بوٹ یہ رہیں قائم — اور سلامت رہے یہ ان کی چال
ہیں ہماری سمجھ میں اسی قابل
کہ ہو ان کے تلے سے اُن کا وصال

۶ ستمبر ۱۹۱۲ء

رابغیات

ریل اور تیل

رابغ میں مسٹر فلبی سے ملاقات ہوئی۔ اُن سے چند باتیں ہوئیں۔ وہ ذیل کے اشعار میں نظم کر دی گئی ہیں :-

اگر نجد میں بھی پہنچ جائے ریل — اور اس سرزمیں سے نکل آئے تیل

تو خوش حال ہو جائے ابن سعود — پھرے کیوں نہ اونٹوں کی تھامے نکیل
عرب میں بہے جوئے سیم و طلا — ہر اک سمت دولت کی ہو ریل پیل

کہا میں نے سن کر یہ فلبی کا قول — منڈھے چڑھنے والی نہیں ہے یہ بیل
میں سمجھا تمہیں ریل اور تیل کا — کھلے جیسے ہیں یہ سب تمدن کے کھیل
یہ مقصد ہے لیکن اگر آپ کا — کہ نجدی ہو نصرانیوں کی ڈیل
تو رکھیے مری آج کی بات یاد — فرنگی سے بدتر کا ہوگا نہ میل
یہ ہے ناقۂ ریگزار حرم — وہ ہے رود بار کلیسا کی وہیل

وہ نشہ پیدا ہوئی ہے سے نہ ہو — جو ڈالے چھچھوندر کے سر میں پھلیل
مری صاف گوئی کو کیجے معاف
کہ رائج نہیں منٹگمری کا جیل

---

۳ دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء

بسنت

آئی بہار لالہ و گل کو لئے ہوئے — چھیڑا ہے بلبلوں نے ترانہ بسنت کا

چلنے لگی وطن میں ہوا اتفاق کی — صوفی سے اتحاد ہوا ہے مہنت کا

شیخ اور برہمن تو بغل گیر ہو گئے — اب کون انہیں دکھائے تماشا لڑنت کا

مل کر لگا دو زور کہ ہو زیر سائمن — ہندوستانیو! ہے یہی وقت تنت کا

ساری بہار ہند مسلماں نے لوٹ لی — سہرا ہے سر ملاپ کے اس من گھڑنت کا

خوشحال چند بن گئے ہندو دھرم کی لاج — کانوں میں تل رہا ہے بھرم لاجونت کا

لکھ پڑھ کے بھی وہ جاہل و کودن ہی جب رہے
کیا فائدہ پھر ایسی لکھنت اور پڑھنت کا

۲۰ جنوری ۱۹۲۸ء

محمدؐ سے خطا ممکن مگر بے عیب ذات اُس کی
خدایا تو کہاں ہے کیا ہوئی تیری غضب ناکی

کبھی حج ہو گیا ساقط کبھی قید جہاد اٹھی
شریعت قادیاں کی ہے رضاجوئی نصاریٰ کی

قیامت بن چلا یہ فتنہ اور خاموش بیٹھے ہو
نہیں اے عالمانِ دیں ہیں تم سے بے سبب شاکی

۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء

سلسبیل کی چند بوندیں

۱۴ر جون ۱۹۲۷ء کی صبح کو میں ڈلہوزی جانے والا تھا۔ رات کے بارہ بجے تک ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہا۔ ملک لال دین قیصر بھی آئے۔ اور چند اشعار کی فرمائش کی جو چند منٹ میں لکھوا دیئے گئے۔ وہ اشعار یہ ہیں:۔

مٹی کی جون میں تحویل ہوئی جاتی ہے — جسم کیا روح بھی تحلیل ہوئی جاتی ہے

میر عثمان علی خاں نے پکائی تھی جو کھیرا ۱ — دیکھتے دیکھتے انبیل ہوئی جاتی ہے

بہ ندہ و زودہ و بہ زاری و بہ زن شدھی بھی — عمرو عیار کی زنبیل ہوئی جاتی ہے

منجی و مالوی نے گانٹھے تھے جو منصوبے — ان کی لاہور میں تکمیل ہوئی جاتی ہے

لاجپت رائے کو ہم نے بہ حقارت دیکھا — آج شہباز وہی چیل ہوئی جاتی ہے

راجپال آج عدالت سے ہوا صاف بری — شرع اسلام کی تذلیل ہوئی جاتی ہے

ابرہہ لکھنؤ والے ہوئے جاتے ہیں اگر — دولت نجد ابابیل ہوئی جاتی ہے

کبھی گوکل میں بجی تھی جو دل آرا مرلی — وہی اب صور سرافیل ہوئی جاتی ہے

بھائی سے بھائی جدا دوست ہے دوست الگ — فطرت اسلام کی تبدیل ہوئی جاتی ہے

ہونے والا ہے پھر اسلام کا خورشید طلوع — شمع گل تری قندیل ہوئی جاتی ہے

مجھ سے قیصر نے کہا تھا کہ کچھ اشعار
ان کے ارشاد کی تعمیل ہوئی جاتی ہے

۳ جون سنہ ۱۹۲۸ء

۱ بہ اصطلاح دکن جوار کا دہ

تل کی اوٹ میں ہمالہ

خمیر پایۂ مسلم خدا نے ۔۔۔ اٹھایا ہے عرب کے آب و گل سے

نبی نے درس آزادی دیا ہے ۔۔۔ نہیں ہم نے سبق سیکھا یہ بل سے

نہیں اسلام وہ دھندا کہ چھپ جائے ۔۔۔ سمجھتے ہیں کہ بیٹھا اور پل سے

مشاغل کی محبت ہے بانی ۔۔۔ جو مومن ہے ملا کرتا ہے دل سے

کبھی تھا ٹوڈیوں کا تاک میں ہم ۔۔۔ ہمارے جملہ ہائے جاں گسل سے

اب ایسا انقلاب آیا جہاں میں ۔۔۔ یہ چوہے بھی نکل آئے ہیں بل سے

بہت جلد اس بلا کو ٹال دیں گے ۔۔۔ خدا خود اپنے فضل مستقل سے

اسی کی یہ نگہ سے بس کا جادو
ہمالہ کو چھپا لیتا ہے تل سے

۱۰ جون ۱۹۱۶ء

گوشِ ہوش کو صلائے عام

دیئے ہیں کان خدا نے تو اِن سے کام کبھی لے — مہا سبھائیوں کے سنگٹھن کی ٹن ٹن سن
کہاں تک اور لنگوٹی میں پھاگ کھیلے گا — مہاجنوں کی بھری تھیلیوں کی چھن چھن سن

نبیؐ کے نام پہ کر کائنات کو قرباں
یہ قول سرورِ دو عالم ہے من عن سن

---

۲۶ اگست ۳۷ء

گیٹی تھیٹر لاہور

سرِ راہ اک اشتہار آج دیکھا — کہ ناچیں گی کل شب کو اقبال بائی

ہیں ساڑیوں کے گھاٹ کی چھم چھم — شب کو تھیٹر میں جادو کی بستی

قلم کا تو سنسر نے سر کاٹ ڈالا — زباں وہ شکر آپ کر دیں گی تقلی

لگیں گے نہیں پہلوانانِ تقویٰ — دکھائے گا تھیل پل ہو نہ خنگ تنی

یہی قادیاں ہے تو آ جوڑ ڈالو
تمہاری تقدس کی گاڑی بھی چھٹی

---

۲۵ اکتوبر ۱۹۲۷ء

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا

سنا بھی تم نے اے اسلام والو! کہ حال اس وقت ہے اسلام کا کیا
دبایا جا رہا ہے حق کو بالکل! بدلتا آسماں ہے رنگ کیا کیا
جہاں دیکھو وہاں ہیں بوڑھے بنیا پجاری کیا اور ان کے دیوتا کیا

خدا کا ڈر ہی دل سے اٹھ گیا جب تمہیں کہہ دو کہ پھر باقی بچا کیا
حکومت سے نہ حکمت سے نہ دولت کچھ ایسی زندگانی کا مزا کیا
ہم اپنے آپ دشمن ہو رہے ہیں ہے اس میں مالوی جی کی خطا کیا
جہاں ہوں ہر طرف رہزن ہی رہزن وہ منزل کیا اور اس کا قافلہ کیا

بہت ہندو دلوں کی دوستی بڑھ جائیں سوا اس کے ہے شدھی میں دھرا کیا
مسلماں ہو گئے دس بیس مرتد تو اے حق کے پرستارو ہوا کیا
یہ شدھی کیا اور اس کی کیا حقیقت یہ پدی کیا اور اس کا شوربا کیا

شعر

سرفروشوں کے ہیں ہم سر، آپ سرکار کے
آپ کا منصب ہے سرکاری ہمارا خانگی،

فیصلہ کرلے گی دنیا ہم میں افضل کون ہے
آیئے چل کر دکھا دیں اپنی اپنی بانگی،

پاؤں میں زنجیر ہے زنداں سے گھبراتے نہیں
ہم محبانِ وطن کا شیوہ ہے دیوانگی

عافیت کوشی ہے پہلے دن سے مسلک آپ کا
اور اسی میں مستتر ہے آپ کی فرزانگی

چھوڑ کر اپنوں کو غیروں کا دیا ساتھ آپ نے
بات ہے یہ عقل کی یا عقل سے بیگانگی

"مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو"
چھوڑ دے اس بزدلی کو اور دکھا مردانگی

---

۲۹ دسمبر سنہ ۱۹۲۷ء

با ریش بابا ہم بازی

شایگاں گنجے کہ عمرِ رایگاں را حاصل است | قطرۂ خونِ امیدستے کہ بنگاہش دل است
در حقِ ما ہر چہ گوید از رہِ لعنِ انقلاب | باطل اندر باطل اندر باطل اندر باطل است
دستِ گستاخش نگر بر ریشِ بابا ہم رسید | طفلکِ ناداں ز بازیہائے بابا غافل است
دیدۂ بینا رہ بر سرزمینِ قادیاں | آنکہ بینا دستِ من ز شستِ او بینِ بابل است

باش تا بینی کہ خاکش در جہاں بر باد رفت
قادیاں دنیائے علمی ہست خاکش سافل است

۲۹ ستمبر ۱۹۲۱

شدھی اور سنگھٹن کے چار رتن

پوجیہ مالوی جی

سنگھاسن پہ بھارت کے بیٹھا کریں تو گوکل میں گاڑوں گا جھنڈا دھرم کا
گھمائے گا اسلام کے سر پہ چوٹی جہاں بستے کنوا سکے ڈنڈا دھرم کا
بنارس کے ڈربے میں شدھی کی مرغی دیئے جائے گی روز انڈا دھرم کا
حفاظت کرے گا ورن آشرم کی اچھوتوں کے منتر سے گنڈا دھرم کا
ہمالے سے لنکا تک اک آگ دشمن کروں گا عبادت کہیں ٹھنڈا دھرم کا
مسلماں جہاں جل کے ڈالے جائیں یہی ہوگا اس وقت انیڈا دھرم کا

مری راج دھانی میں تم دیکھ لوگے
نہ ہوگا کبھی جوش ٹھنڈا دھرم کا

مانیہ بھائی پرمانند جی

کسی وقت اگر ساری جاتی نے مل کر کیا مجھ کو تسلیم بھارت کا راجا

تو سن لے گی دنیا کہ مسجد کے آگے   بجے گا دھڑلے سے دن رات باجا

دیوتا سروپ بھائی پرمانند جی

مرے تاج کا سنتری بیل ہوگا   مرے راج کی منتری گائے ہوگی
چلیں گی جب اک ساتھ کوٹھوں سے بھینسیں   تو ہمراہ ان کے مری سائے ہوگی
اذاں کی صدا کی جگہ مسجدوں میں
کہیں ہائے ہوگی کہیں ٹائے ہوگی

بھارت بھوشن شری سوامی شردھانند جی

بنا چکرورتی مہاراج اگر میں   تو پہلے کروں گا یگانوں کی شدھی
اچھوت اور مسلمان سے ہو کے فارغ   مرا فرض ہوگا پٹھانوں کی شدھی
بڑھاپا مرا ایک دن دیکھ لے گا   تجم سے کے چھبیلے جوانوں کی شدھی
مرے عہد کی آخری یاد ہوگی   حرم کے نئے پاسبانوں کی شدھی
نہ پھر بھی مرا میں تو یورپ میں جاکر
کروں گا مسیحی گھرانوں کی شدھی

۷ جولائی سنہ ۱۹۲۶ء

بُرے دن

شور بازار کے مُلّا سے کہا سقّے نے
تیرے اور میرے مقاصد کے بُرے دن آئے

تجھے کہتے ہیں ضراری مجھے استعماری
مرے ہیکل تری مسجد کے بُرے دن آئے

تو جہالت کا مُرید اور میں رذالت کا عبید
تیرے پیر اور مرے مُرشد کے بُرے دن آئے

ہم سے شیخ اور برہمن کو ہے یکساں پرخاش
ہم اسیرانِ شدائد کے بُرے دن آئے

جن کو دیں کر کے مرے حلق میں ٹھونسا تو نے
تیرے ان سارے عقائد کے بُرے دن آئے

سینہ کوبی میں ہیں بابائے خلافت مصروف
جن کے اکرمِ مجاہد کے بُرے دن آئے

پگڑیاں جن میں شریفوں کی اُچھالی جائیں
اُن بدانجام جرائد کے بُرے دن آئے

۱۳ جون سنہ ۱۹۲۹ء

بریلویّات

لگ گیا ہاتھ کہیں سے مجھے اُن کا فتویٰ　　دستِ توحید ہے اور شرکِ جلی کی داڑھی

کہہ دو آدمؑ سے کہ دو بال ہمیں بھی بخشیں　　نوچ کر اپنے حریفِ ازلی کی داڑھی

پیٹ میں اپنی درازی کو چھپا لیتی ہے　　اژدہا یا خانِ بریلی کی نلی کی داڑھی

بال کے آم کی چوسی ہوئی گٹھلی کا ہے جھونٹ　　یا کہ ہے قبلۂ دیدار علی کی داڑھی

اِس کو اسلام کی لاج اُس کو فقط لاج اپنی
چور کے ہاتھ میں ہے آج ولی کی داڑھی

---

۱۲ جون ۱۹۲۵ء

بچّہ اور اُس کی انّا

مشرقی بچّے کی خاطر دایہ اصلاحات کی لائی مغرب سے دو عملی کا اچھوتا جھنجھنا
چائے پینے کیلئے جب اُس نے مانگی گول میز کیتلی میں لائی پانی بھر کے وہ بھی کنکنا
اس ادا میں ہے اگر تلمیح اسے بیشک نہ سُن اپنی انّا ہی کی میٹھی میٹھی لوری گنگنا

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ نکل آئی سحر سرگرمِ تقاضا تو بھی ہو (اقبال)

---

۱۲ جنوری ۱۹۲۸ء

رالبغیات

علی کے ہوائی کارنامے

کہیں سے آگئی ہاتھ اک گرہ ہلدی کی چوہے کو
تو رکھ کر اس کو اپنے بل میں بن بیٹھا وہ پنساری

علی بھی لے کے اک طیارہ آقایان مغرب سے
سمجھتا ہے کہ میں ہوں اور عرب کی حکم برداری

شہید اب تک ہوئی ہے ایک ہی اُس کے لوگوں سے
اب اس سے بڑھ کے ہوگی کارگر کیا اس کی بمباری

نبیؐ ہو رہ رہ کے اُس کے باپ نے اسلام کو چھوڑ کے
اب اس کے حصہ میں آئی ہے یہ دیرینہ غداری

مگر بطش شدید رب اکبر سے نہ چھوٹے گا
کہ ہے سخت انتقام اُس کا اور اس کی ضرب ہے کاری

نجسیت جس طرح مکے سے راتوں رات بھاگا تھا
مدینے سے بھی اب اس کے نکلنے کی ہے تیاری

---

۱۷ جنوری ۱۹۲۶ء

سرکار کا نظر ٹٹو

کبھی ہندو سے ہے گردش میں کبھی مسلم سے چکر میں
پھرا کرتا ہے یوں ہی چرخ ناہموار کا ٹٹو

عنایت کی نظر اس وقت منشی رام جی پر ہے
انہیں آنکھوں کا تارا تھے کل تک میاں چھٹو

خوشامد کا عراقی اڑ رہا سجدے کے زینے پر
مسلماں ہی کو ہے آخر پیارا ذیل مشرقی ٹٹو

مری سرکار کا اتو کل کر جا نہیں سکتا
کبھی ہندو بنے ٹٹو کبھی مسلم نظر ٹٹو

۲۱ ستمبر ۱۹۰۳ء

آپ جو یوں چت پھر بھی ہیں پٹ داؤں تو بیشک اچھا ہے
آنکھ میں لیکن پڑ نہیں سکتی دھول اب اس عیاری سے

داس سے اور آزاد سے پوچھ پنت کے میثاق کا راز
عقدہ یہ ہرگز کھل نہ سکے گا لاجپت اور انصاری سے

کاش رہا وہ قاید ملت سب ہی پیرو اسے ہو جائے
ہندو مسلم ایک ہوئے تھے جس کی علم برداری سے

انگریز کا حسن مذاق

لوٹی بہار اس نے تصوف کے باغ کی — انگریز کا مذاق بھی کتنا لطیف ہے
توڑی بھی شاخ شرع کی لیکن بہ شرافت — القصہ جو شریف ہے اس کا حریف ہے

تہذیب

لاش مہدی کی جلا دی واہ کیا تہذیب ہے
پھر ہوا میں راکھ اڑا دی واہ کیا تہذیب ہے

ضد تو اس کو دین سے تھی لیکن معین الدین کی
قبر پکّی بھی جلا دی واہ کیا تہذیب ہے

اہرمن تو خود ہے لیکن تہمت اپنے پیش کی
اولیاؤں پر چڑھا دی واہ کیا تہذیب ہے

کہتے کہتے وعظ امن و بیٹھے بیٹھے درس صلح
خون کی ندی بہا دی واہ کیا تہذیب ہے

تاکہ اپنے لیمپ میں جو تیل ہے وہ تھوڑا جلے
آگ محل میں لگا دی واہ کیا تہذیب ہے

گر کسی اخبار نے کہہ دی کوئی بے لاگ بات
اس کی جھٹ قرقی کرا دی واہ کیا تہذیب ہے

قابلیت کی جب اک شرط پوری ہو چکی
قید رنگت کی بڑھا دی واہ کیا تہذیب ہے

خاکساروں سے اکڑ کر سر پھروں کے سامنے
عجز سے گردن جھکا دی واہ کیا تہذیب ہے

جس نے پیمان وفا باندھا اسی کم بخت کو
اپنے پیماں کی سزا دی واہ کیا تہذیب ہے

یار سے چھینا ہرا اور جب کیا عہد حسین
جنگ کی دھمکی سنا دی واہ کیا تہذیب ہے

دوستی کے پردے میں مرحوم ست کی دشمنی
ایک عالم کو دغا دی واہ کیا تہذیب ہے

غلاموں کا مذہب

غیر کے محکوم ہونے سے کہیں اچھی ہے موت
تف ہے ایسی زندگی پہ جو غلامی میں کٹے

قدح شامی شغل جلوت ہی سہی لیکن یہ کیا!
یعنی خلوت کی ہو مہلت صبح شامی میں کٹے

تھا یہی طعنہ زن کل تک تو بے لاہور آج
دن ہمارے شہرت کفر و وامی میں کٹے

شوق سے بدنام کرلیں ہم کو یاران کہن
یوں ہی شاید اُن کی فرصت نیکنامی میں کٹے

جب تلک آزادی ہوگی ہم نہ ہوں گے شاد کام
دیکھئے یہ عمر کب تک تلخ کامی میں کٹے

---

۲۷ جنوری ۱۹۳۶ء

چٹنی

ننگانہ کے بھنت کو قید فرنگ میں — ملتی ہے چیپڑی روٹیوں کے ساتھ کھیر بھی

لیکن ستم رسیدہ بخاری کو آج تک — چٹنی کے واسطے نہ ملا کوتمیر بھی

یہ کیا نیا غضب ہے کہ پرتابیوں کے ساتھ — شامل ہیں انقلاب کے دونوں مدیر بھی

پیٹیں گے سر شفیع اب ان کی جفا کا ڈھول — اور ساتھ ہی پرانی وفا کی لکیر بھی

مجبور انقلاب کا اقبال دونوں سے — دونوں کی ناک میں تھا کہ چرخ پیر بھی

ہم خود ہیں اپنے تین جرائم کے معترف — جاہل بھی ہیں ذلیل بھی ہیں اور فقیر بھی

پنجہ میں اب ہما جنوں کے بھی پھنسے ہوئے
اور چل رہے ہیں ہم پہ حکومت کے تیر بھی

۱۴، فروری ۱۹۲۶ء

راون پرستی

نہیں لنکا سے کچھ بھی کم ہے پنجاب
جسے دیکھو یہاں راون گرا ہے

ہوا تیار مذہب کا پژاوہ
مگر جھگڑا وہی ڈیڑھ اینٹ کا ہے

خدا کو چھوڑ بیٹھے لالہ و شیخ
پڑا شیطان گھر گھر پُج رہا ہے

کوئی کرتا ہے احمدؐ کی غلامی
مگر بنتا بروزِ مصطفیٰ ہے

کوئی لیتا ہے منہ سے رام کا نام
مگر کہتا ہے راون ہی خدا ہے

ٹھٹک کر رہ گیا ہے پیرِ عقل
تماشا پتلیوں کا ہو رہا ہے

---

۲۱ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء

آریہ اخباروں کے مسلمان قلم کاروں کا ترانہ

لڈو ہمیں کھلوا دو ٹھرا ہمیں پلوا دو جاتا ہے تیسرا تک کچھ پیسے ہمیں دلوا دو

پھر کرنے کو حاضر ہیں ہم ہجو پیمبر بھی

اور حملہ خدا پر بھی ہم پیٹ کے بندے ہیں

کعبہ کو مٹا دیجے قرآں کو جلا دیجے اسلام کی خاکستر گنگا میں بہرے بیتم

اجرت ہمیں ملتی ہے جب آریوں کے گھر سے

پرتاپ کے دفتر سے روٹی کے یہ حصے ہیں

ناموس عرب کیسا! یثرب کا ادب کیسا! بے مایہ جو ہوا ایسا! کعبہ کا وہ رب کیسا!

ہم رہتے ہیں بھارت میں لچھمی کا جو زیور ہے

کان گہر و زر ہے چاندی کے سکے ہیں

ہم بھوکے ہیں روٹی کے محتاج لنگوٹی کے روزی کیلئے مضمون لکھ دیں۔ لچھمی کے

اسلام کے بے فکرے چلاتے ہیں جھلا کر

یہ ماتھے پہ بل لا کر مضمون گھڑے ہیں گالان کیا رہے ہیں

[illegible] نومبر ۱۹۲۷ء

ووٹ

(۱)

مذکور ہے حقیقت راز اور مجاز ووٹ | کرتا ہے ناؤ نوش کا افشا راز ووٹ
خود ووٹ خود ہی ووٹ گر اور خود ہی ووٹ گیر | کیوں پردہ دار لیگ نہ ہو خانہ ساز ووٹ
کچھ فرض یہ نہیں کہ پڑھیں وہ نماز بھی | دیتی ہے لیڈری کا جنہیں امتیاز ووٹ
محمود تھا جو ناظم بزم صنم گری | لایا برہمنوں سے چھپا کر ایاز ووٹ
مضراب مصلحت سے بجائیں نہ کیوں اسے | ہے نغمہ ہوس کے لئے مثل ساز ووٹ

(۲)

برپا کرے گا شہر میں شور نشور ووٹ | لانے کو ہیں مڑنگ سے اہل قبور ووٹ
فی پارٹی بہانۂ تحصیل ووٹ ہے | بسکٹ جو ہیں سطور تو ہیں اسطور ووٹ
ڈھاتیں بے وضو کی نماز اس کے واسطے | ہے زاہدان لیگ کی آنکھوں میں حور ووٹ
حکام میں رسوخ نہیں قرب حق سے کم | اس دور کے کلیم کو ہے کوہ طور ووٹ
آقا تمہیں بدحواس کراتے ہیں آن کر | ٹھونسے دی پونڈ لے لیجے حضور ووٹ
ہمدم تمہیں بھی چاہیے کونسل میں جد و جہد | جونیر سے کالیس نہیں دیں گے ضرور ووٹ

کچھ اور بھی ہوں شعر کہ مشکل نہیں زمیں
بکتا ہے پیسہ پیسہ میں ٹرڈ و ڈیک و ڈرروٹ

۲۲ مئی ۱۹۱۲ء

گورا رنگ

کمزور کو لوٹ اور سستوں کا گلا کاٹ
کس سے تجھے اندیشہ ہے کس بات کی چوری
اس عہد کے تہذیب کے فتوی پہ عمل کر
سب تجھ کو روا ہے تری رنگت ہے جو گوری

فکاہات

ہم کو بھی کفن کے لئے مل جائے گا گاڑھا — گاندھی کو ہے گر ضبط جلاہے کی نلی کا

انگریز کے حلقہ میں ہے بیٹ اور ٹن چاپ — اور ذخیرۂ مسلماں کو ملا مونگ پھلی کا

اشدھی ابھی کسی نے بھی نہیں پائی سبھا میں — اور شور ہے پہلے ہی سے برپا دہ چلی کا

بھوسا گئو ماتا کے لئے مالوی لائے — سانی کے لئے فکر ہے منجی کو کھلی کا

لالہ سے لالائن کہے ہے کیا کیا گلہ لیکن — مضمون یہ ہے مولوی ممتاز علی کا

فطرت میں عرب ہوں تو سلیقہ میں عجم ہوں
اکبر کی زباں میں ہے تخیل جبلی کا

---

۰ جولائی سنہ ۱۹۲۷ء

شدھی کی قاتلانہ دھمکیاں[۱]

اسلام کا جواب

ہو جائے کہیں بھی کوئی مظلوم اگر قتل
سمجھو کہ ہاں ساتھ ہی سب نوعِ بشر قتل

شدھی کے مہابیر یہ لائے ہیں سندیہ
اک دن وہ کرے گی مجھے آکر مرے گھر قتل

اے کفر کے خنجر نکل آ اپنی کمیں سے
ہر وقت میں حاضر ہوں مجھے شوق ہے کر قتل

میری بھی پیمبرؐ کی طرح ہے یہ تمنا
ہوتا رہوں رہ رہ کے اُدھر زندہ اِدھر قتل

دنیا میں مسلماں کی یہی تو ہے نشانی
اللہ کے رستے میں ہو بے خوف و خطر قتل

کٹواتے ہو کیوں سر کو زمین و زر و زن پہ
ہونا ہے تو ہو نامِ خداوندی پہ قتل

پیغام دیا ہے یہ حسین ابن علی نے
لاتا ہے نئی زندگی اسلام میں ہر قتل

بھارت کی فضا گونجے گی اسلام کی جے سے
جس دن خبر آئی کہ ہوا آج ظفر قتل

۲۷ مئی سنہ ۱۹۲۷ء

۱؎ مولانا ظفر علی خاں کو دھمکی دی گئی تھی کہ آپ بھی قتل کر دیئے جائیں گے –

خواجۂ امرتسر!

میں نے امرتسر میں اک دن اپنے خواجہ سے کہا
پیٹ کے بل رینگیے بندہ پرور آپ بھی

ایک تو آماں کی تا فرہی پر جا سے چڑھے
کھائیے ہر روز صبح و شام ہنٹر آپ بھی

ناک سے کچھ دن زمیں پر کھینچتے رہیے لکیر
پھیریے کوچی سفیدی کی بدن پر آپ بھی

بعد مغرب جائیے مسجد کو اور اس حرم میں
پیٹھ پر کھچوائیے چابک سے مسطر آپ بھی

بنیے دولہا اور نکلیے لے کے گلیوں میں برات
دیکھیے ساتھ اس کے پھر سامانِ محشر آپ بھی

سجدہ ٹوپی کو نہ کیجے اور اس کے ساتھ ساتھ
درس حبلٌ من مسد کا پڑھیے فر فر آپ بھی

چلیے سولہ میل دن میں ہانپتے اور کانپتے
پاؤں میں کچھ روز ڈالے رہیے چکر آپ بھی

بیٹھے جا کر جیل میں اور کھائیے ارہر کی دال
میہمان بن جائیے ذرا سرکار کے گھر آپ بھی

پھر یہ کہیے مارشل لا حشر تک قائم رہے
ورنہ ہوں گے منکرِ جینل ڈائر آپ بھی

۶ فروری ۱۹۲۰ء

گیسو دراز ولیوں کی کرامتیں

میں اپنی کرامت کا جھنڈا جو کھڑا کر دوں
اک رائی کے دانے کو پربت سے بڑا کر دوں

چاہوں تو کر دوں پل میں خشکی سے تری پیدا
سوکھے ہوئے پیپل کی ٹہنی کو ہرا کر دوں

قرآں کی فضیلت کو خود گائے سے منوا کر
گوسالہ پرستوں میں اک حشر بپا کر دوں

کافر کو کر دوں مومن جھوٹے کو کر دوں سچا
پیتل کو طلا کر دوں کھوٹے کو کھرا کر دوں

بندر سے بنا لینا انسان کا آساں ہے
میں وہ ہوں کہ انسان کو اک دم میں گدھا کر دوں

واعظ کی ضرورت کیا تبلیغ کی حاجت کیا
اس طرح جو میں حق سے باطل کو جدا کر دوں

کیا ابوالکلام آزاد اسلام فروش ہیں

ہے جن کو یاد رام کی اسلام دشمنی
بھولے ہیں کیوں وہ شام کی اسلام دشمنی

اس کا عناد نام کی اسلام دشمنی
اس کا فساد کام کی اسلام دشمنی

رام اور شام کو بھی مگر ہے کہاں نصیب
ٹوڈی بدلگام کی اسلام دشمنی

ہے شعر فہمی آپ کی سمجھے ہوئے ہیں آپ
جس کو ابوالکلام کی اسلام دشمنی

کیا انقلاب ہے کہ ہو آزاد کی ردیف
انگریز کے غلام کی اسلام دشمنی

---

۲۵ اپریل ۱۹۲۱ء

پرانی روشنی

ہمارے شاہ کا ہمسر نہ دارا ہے نہ خسرو ہے
کہ اُس کی ذات پر نازاں لباس ملک کہنہ و نو ہے

اگر اُس کی سلامی کے لئے نواب جھکتے ہیں
تو راجاؤں نے بھی چھدوائی اپنے کان کی لو ہے

کئی مسلک کئے ہیں لازمی تعلیم نے پیدا
احد شہ کا کوئی پٹھو کوئی آغا کا پیرو ہے

عجب ہے کھیل قسمت کا کہ چپسی الکشن کی
بجھائی شیخ بیچارے سے لالا کو بڑی لو ہے

نہیں ہے بہرِ اظہارِ وفا لازم نمود اصلا
کہ بحرِ شعر میں پانی نہیں مطلق مگر رو ہے

حصول جاہ و عزت جس وفاداری کا مقصد ہو
وہ جنس ناروا گندم نہیں، گندم نما جو ہے

ملے گی تشنۂ عزت کو کب اعزاز کی تسلی
پسینہ جون کا ہے اور یہ سرگرم تگ و دو ہے

مبارک ہے جشن تاج پوشی جس کے صدقہ میں
وہ مسجد تک چلا آیا کلب گھر کا جو رہرو ہے

مسلمانوں کی جمعیت اگر کم ہے تو کیا پروا
عدد سو کے چھیاسٹھ ہوں مگر مفہوم تو سو ہے

نہیں سمجھے ہیں لیڈر اُن میں پیدا قابلیت ہے
مسلمانوں میں یہ مخلوق مثل سبزۂ خودرو ہے

خوشامد نے جلا ڈالا ہے خودداری کے خرمن کو
ذرا سی شمع ہے کم بخت اور کتنی بڑی لو ہے

ضرورت کچھ نہ کچھ دنیا میں ہے عصمت فروشوں کی
یہ روحانی قدمچہ ہے یہ اخلاقی بدر رو ہے

پرانی روشنی میں دیکھ لو ہے پختگی کیسی!
کہ اب مدت سے مہر و ماہ میں قائم وہی ضو ہے

یکم جولائی ۱۱ء

ڈیڑھ سو سال کی وفاداری کا صلہ

ہو گئی طن جب سے خوش انگریز ۔ میری کوشش یہ انتہائی تھی
میں نے اپنے غرور کی گردن ۔ اُن کی دہلیز پہ جھکائی تھی
میں جو حاکم تھا خود بنا محکوم ۔ یہ بھی اک شانِ کبریائی تھی
اُس کے قدموں میں ڈال دی لا کر ۔ باپ دادا کی جو کمائی تھی
تاکہ بڑھ جائے آبرو اُس کی ۔ اپنی توقیر خود گھٹائی تھی
اُس کی خاطر نہ کی جو انساں سے ۔ کونسی ایسی وہ برائی تھی
آج میں ہوں اور اُس کی ٹھوکر ہے ۔ کہ اسی تک میری رسائی تھی
آج روتا ہوں میں کہ کیوں میں نے ۔ اپنی بنیاد آپ ڈھائی تھی

میں نے اپنے کیے کا پھل پایا
اس سے کی میں نے کیوں کھلائی تھی
کہہ گئے خوب میرزا غالب
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں میرا بھلا نہ ہوا

---

۲۳ فروری ۲۰ء

حجامت

میری داڑھی نے کیا پڑھ کر یہ آج اُن سے سوال
کیا یہاں کے نائی بھی کونسل کے ممبر ہو گئے
ہو گیا منسوخ شاید اسلحہ کا ایکٹ بھی
ورنہ کیوں ناحق بڑھے اتنے کہ نشتر[1] ہو گئے
کس لیے کرتے نہیں قانونِ موسیٰ کا نفاذ
لارڈ ہارڈنگ[2] آتے ہی عیسیٰ کے کیوں خر ہو گئے

---

[1] اُسترے کو بھی کہتے ہیں [2] موسائی یعنی یہودی ہیں

پیمبر کی شفاعت پر میرا حق

مراقش میں رگیدی جا رہی ہے امتِ عیسیٰ
اُدھر آقطع میں ہسپانی اِدھر ابتر فرانسیسی

مسلمانوں سے ہتھ لگ لئے تو تھے لیکن خبر کیا تھی
پڑے گا منہ پہ اک تھپڑ تو جھڑ جائیگی تلبیسی

جدھر دیکھا اُدھر دشمن ہی دشمن تھے نصاریٰ کے
کہیں تھے شیخ سنوسی کہیں تھے سید ادریسی

شہادت میں لذت ہے اسے یہ لوگ کیا جانیں
رموزِ عَلَّمَ الْاَسْمَا چہ داند ذوقِ ابلیسی

برستے آسماں سے بھی ہیں پتھر فتنہ و شر کے
مگر سختی کب اس پتھراؤ میں ہے سنگھٹن کی سی

سبق لیتے ہیں ناحق مالوی جی شاہ نامہ کا
پڑھیں بیٹھے ہوئے پریاگ میں بیتال پچیسی

خدا کی شان انہیں بھی شہسواری کی تمنا ہو
مقدر میں ہے جن کے لارڈ برکن ہیڈ کی سائیسی

پیمبر کی شفاعت پر مری اس عرض کا حق ہے
کہ آقا تیری خاطر میں نے چکی جیل میں پیسی

۱۷ اگست ۱۹۲۵ء

توبہ فرمایاں چرا توبہ کمتر می کنند

ہم کو تاکید ہے تصوف کی
کہ دنیائے دوں خیال مبند

ہمہ ہیچ است کارِ این دنیا
ہیچ را نہ براے خود مپسند

بہت اچھا یہ فلسفہ ہے مگر
صوفیہ خود بھی اس کے ہیں پابند؟

کیا ہماری ہی گردنوں کے لئے
رہ گئی ہے نجات کی یہ کمند

خود ہی جب ٹس سے مس نہ ہوں ناصح
ہے عبث آپ کی نصیحت و پند

منع ہم کو ہے گڑ کی بھیلی بھی
آپ پیتے ہیں گھول گھول کے قند

ہم رہیں جھونپڑوں کے اندر۔ اور
آپ کا قصر ہو رفیع و بلند

آپ "نفس" بھی پڑھیں تو ہو وہ "نص"
ہم جو "نص" بھی پڑھیں تو ہو "پاژند"

وہی حضرت ہیں لوٹ چندے کی
جن کی ہے بات بات میں تا چند

کہہ گئے خوب ہی جناب سعدیؒ
ترکِ دنیا بہ مسلم آموزند

خویشتن سیم و غلہ اندوزند

۲۳ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء

متکلم کی ضمیر کا متصوفانہ مرجع

کیوں جنسِ وفا کوڑیوں کے بھاؤ نہ بک جائے   جب گم ہو پنجاب میں بازارِ طریقت
قرآں میں اولی الامر کے معنی ہیں نصاریٰ   پیدا ہے کوئی پوچھے سے متکلم کی حقیقت

مغربی بجلی اور مشرقی بھوپال

گومتی جل کر گئی راوی سے تہذیبِ فرنگ   لکھنؤ میں لاٹھیاں ہیں بس جواہر لال پہ
دیکھئے تو [illegible]   مغربی بجلی گری ہے مشرقی بھوپال پہ

حکمت جدیدہ

لسان العصر حضرت اکبر کے رنگ میں

فلسفہ انرجی و بنرجی

ہندو نے یہ مسلم سے کہا از رہِ غیرت — مشرق میں ہے پھیلی ہوئی مغرب کی انرجی
پھر کس لئے تم لوگ ہو اک عضوِ معطل ! — کیوں ہند میں اسلام کی بدلی نہیں گرجی
مسلم نے یہ حسرت سے کہا اس سے کہ بھائی ! — ہم میں نہیں کوئی بھی چیٹرجی بنرجی

فلسفہ علّت و معلول

مالوی بھی علّتی اور مولوی بھی علّتی — حرفِ علّت گر نکل جائے تو ملّت ہو ایک
رنج و راحت میں برابر کے ہوں دونوں حصہ دار — ننگ و ناموس ایک ہو عزت و ذلت ہو ایک
متحد ہو جائیں باہم سارے مسلم اور ہنود — تفرقے مٹ جائیں ان کے کثرت و قلت ہو ایک
ڈھانپ لے دونوں کو دامنِ رحمتِ اسلام کا — کیمیا خانے کی اندر حرمت و حلت ہو ایک

حکمت قدیمہ

(وہ بھی جناب لسان العصر کے انداز خاص میں)

نکتہ وحدت واجب الوجود کی نئی تفسیر

اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ اِلَّا الْوَاحِدُ

مسلم ہیں پہلے اور میں کچھ اور بعد میں — امت میں ہیں بہم جناب رسالت مآب کی
حنفی فقیہ سے ہم نہ کبھی ہوں گے منقسم — تاریخ لاجواب ہے اس انتخاب کی
واحد ہی کا صدور ہے واحد کی ذات سے — یہ انتہا سمجھیے ہمارے حساب کی
لیکن کچھ اس زمانے میں ایسے بھی ہیں بزرگ — ڈالی انہوں نے اس پہ نظر احتساب کی

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی
پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

۹ ستمبر ۱۹۱۷ء

علامہ طرزی کی غزل کے انتظار میں

گل و نسریں نے طرزی کو لبھایا ہے مصوری پر
وہ کاش اک شرح لکھتے میرے دل کی ناصبوری پر

چڑھی لندن کے چولہے پہ ہے لائیڈ جارج کی ہنڈیا
نیا اک حاشیہ لکھنے کو ہوں میں بھی قدوری پر

تمہارا دور ہے یا کو ہے نزدیک اس لیے ریوٹر
نہیں الفرڈ جو ہاتھ آئے برس پڑتا ہے نوری پر

کہیں مسلم بھی ایمان بلا رفعت چھوڑ سکتے ہیں
ہنسی آتی ہے مجھ کو ناصحوں کی بے شعوری پر

میں سوزِ دردِ دل سے ایشیا کو پھونک سکتا ہوں
مگر موقوف ہے اظہارِ دردِ دل حضوری پر

---

۲۴ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء

رائے صاحب متبسّم ہوئے اور مجھ سے کہا
لوگ جھلائے ہوئے ہیں انہیں جھلانے دو

چیخ لینے دو انہیں شور یہ آخر کب تک
شوق سے ان کو گلا پھاڑ کے چلّانے دو

بے سبب آنے بل ابرو پہ تو پڑ لینے دو
گرم ہوتے ہیں جو بے وجہ تو گرمانے دو

دیکھتے دیکھتے ہر شعلے سے اگ آئیں گے پھول
اور تنورِ رقابت انہیں بھڑکانے دو

طعنہ دیتے ہیں مری طرح اگر تم کو بھی
اس خرافات سے تیور پہ نہ میل آنے دو

میں بھی جاسوس سہی قوم کا اور تم بھی سہی
خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

۲ ستمبر ۱۹۱۶ء

پدّی

مسلمان ہو گئے وہ ایک مرتد
تو اے حق کے پرستارو ہوا کیا

یہ شدھی کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت
یہ پدّی کیا اور اس کا شوربا کیا

پبلک سیفٹی بل

نہ بم سے ڈرا اور نہ پستول سے
ہے جیوٹ بلا کا ہمارا پٹیل

معاً سیفٹی بل کو ٹھکرا دیا
منہ سے چھٹے پانی غداروں کی بیل

تھا اپنا ہی مجلس میں اپنا دیا
تھی اپنی ہی بتی اور اپنا ہی تیل

وہی آشنا ہے ہمدرد دانائے وطن
جو ہرگز نہ ہو جان بُل کا دبیل

مسلماں بھی ہوں یوں ہی ہمرکیب
تو ہوتا ہے آج اس کا ہندو سے میل

وہ اس وقت اسلام کا نام لے
ڈرائے جب اس کو نہ پھانسی نہ جیل

حرم تک نکل جائے کیونکہ وہ اونٹ
کلیسا نے تھامی ہو جس کی نکیل

محمد علی اس سے سیکھیں سبق
نہ سمجھیں سیاست کو بچوں کا کھیل

یہ کھیل آپ کھیلے مگر اس طرح
کہ غلہ ہیں آپ اور حکومت غلیل

سلامت رہے اس کا خوانِ کرم
اور اس خوان پہ چاء کی ریل پیل

۱۳ اپریل سنہ ۲۹ء

تخیلِ ہفت رنگ

جولائی سنہ ۱۹۱۲ء کی حیاتِ عموی پر تبصرہ

"ہندوستان" کی چھڑ گئی "اخبارِ عام" سے
گویا جھڑپ ہوئی ہے روپے کی چھدام سے

وہ برق پا ہے اور ٹکے گز کی اس کی چال
چھکڑا اُنگل کے جا نہیں سکتا ٹرام سے

رستہ ہے سنگلاخ ہمیں خوف ہے یہی
ٹھوکر نہ کھا کے گر پڑیں لالہ دھڑام سے

"اخبارِ عام" کا نہ ہو کیوں سوفیانہ رنگ
منطق ہی مستعار جو لی ہے "عوام" سے

سٹھیا گئے ہیں لالہ بڑھاپے کا دور ہے
چڑھتا بخار ہے انہیں "سارس" کے نام سے

فرماتے ہیں کہ قتل حبیب علی ہوا
مسلم سب انسپکٹروں کے اہتمام سے

لالہ کو آٹے دال کا آ جائے یاد بھاؤ
نالش کا طشت پھینکیں یہ افسر جو بام سے

مسلم کی بدنصیبی سے اربابِ حل و عقد
غافل ہیں شاید آگرہ کے انتظام سے

سر لسلی پورٹر جو ہیں ساقی، انجمن
لائے ہیں خُم بھرا ہوا ایک اولڈام سے

سنتے ہیں سرکشن کی کماں اب اتر گئی　　معزول ہو گئے ہیں وزارت کے کام سے
سالار جنگ کو یہ تسلّم دان آ گیا　　حق دار کو ملا ہے حق اپنے نظام سے
تم ہو ہمارے مرکزِ اقبال کے مدار　　کہتے ہیں آصف اپنے مدار المہام سے

برسات کی بہار کا آغاز ہو گیا　　اب یار لوگ لطف اڑائیں گے آم سے
سیراب ہوں گے کھیت نکھر جائیں گے شجر　　اور سبزہ سر نکالے گا دیوار و بام سے
آئیں گے جھونکے عطر میں بس کر نسیم کے　　نکلے گا دم بدم نہ پسینہ مسام سے

کچھ پردہ دریہ چاہتے ہیں گھر کی عورتیں　　لوگوں کے دل کو خوش کریں دیدارِ عام سے
اک میرزا الجھ گئے مغرب کی راہ میں　　پھنس کر نکل سکے نہ وہ لندن کے دام سے
بے پردگی کی لذتِ عریاں کو دیکھ کر　　بول اٹھے فائدہ نہیں کچھ روک تھام سے
مسلم بھی عورتوں کو کھلے منہ کرائیں سیر　　پردے کو کیا غرض ہے حلال و حرام سے

ڈپٹی کمشنر بھی خدائی سے کم نہیں　　اب [illegible] پاک تجھے جو انتظام سے
گرنا بنگلے میں عجب اک شیر [illegible]　　[illegible]
سارے سپاہ [illegible] پڑ گئی　　[illegible]

مسلم دعائیں دیتے ہیں صاحب کی جان کو / فارغ ہوئے غریب کمیٹی کے کام سے

بانکا دیال جھنگ سے لاہور آ گیا / شاکی ہے اس سے جھنگ خاص و عوام سے

لٹھ ہاتھ میں لئے ہوئے لڑتا ہے چوکسی / ہندو ستہ راجپوت سے اخبار عام سے

میدان "جہلم" کے جتنے سوار ہیں / تنگ آ گئے ہیں اس فرس بدلگام سے

ایسے بھی ضلعدار ہیں جہلم کی نہر پر / آباد کار کانپتے ہیں جن کے نام سے

بیچارے کاشتکار کا گھر لوٹ لوٹ کر / کوٹھے سب اپنے بھر لئے ہیں جنس خام سے

چمڑی ہی خواہ اتار کے دینی پڑے اسے / ہے لالہ جی کا کام بلا اپنے دام سے

ان لالہ جی سے وقت پہ گر ہوتی پوچھ گچھ / گیہوں گڑ اور کپاس نکلتی گدام سے

موجود اب بھی ریل کی ہیں چند بلٹیاں / منکر نہیں ہیں اپنی جو ٹو اور فرام سے

حاسد کے تن بدن میں حسد کی لگی ہے آگ / اک اک شرارہ چھوٹتا ہے اک اک مسام سے

یہ آگ وہ ہے جس کی جلن لا کلام ہے / بڑھ کر ہے قعر ہاویہ کے اضطرام سے

کرے گداز صبح گداز سود سے / پگھلا یہ صبح سے وہ گھلا ہے شام سے

اک یونیورسٹی ہمیں خود اپنی چاہیے ——— ہو یاد تازہ قرطبہ جس کے نام سے
ملتا نہیں وہ علم ترستے ہیں جس کو ہم ——— بیگانہ بوئے گل سے ہے ہمارے مشام سے
ممکن نہیں کہ قوم کی اصلاح ہو سکے ——— تدریس و درس حال کے بگڑے قوام سے
نوک زباں ہیں پارسٹن اور لتھبرج کے نام ——— ہم بے خبر ہیں طبری و ابن ہشام سے
بیت الصنم کو آنکھ کے بل اور سر کے بل ——— جاتے ہیں کبھی کاٹ کے بیت الحرام سے

مشہد میں روح امام کی ہے تلملا رہی ——— محشر بپا ہے روس کے طرز خرام سے
روضے سے حال زار ہمارا نکل کے دیکھ ——— فریاد کر رہے ہیں مسلماں امام سے
آزاد جس زمیں میں کل تک تھے اہل دیں ——— آج اُن کا حال اس میں ہے بدتر غلام سے

بجلی اطالوی کی نگہ میں تڑپ گئی ——— جب تیغ تیز ترک نے کھینچی نیام سے
چمکا طرابلس میں ستارہ وہ صبح کا ——— تھے جس کے انتظار میں دیندار شام سے
اور یہ ستارہ پیش رو آفتاب ہے ——— ہوگا جواب طلوع حجاب ظلام سے

آگاہ راز قوت اسلام سے بھی ہو ——— کل شب کیا سوال یہ میں نے ٹام سے
یہ قوت یگانہ، دیا ٹام نے جواب ——— سیم اور زر سے سب یہ ہو ور و نیام سے

الصلح خیر

نواب ذوالفقار علی خاں کو چھیڑ کر — عزت رہی سہی بھی گنوا بیٹھے لاجپت
پھرتے ہیں دم دبائے ہوئے لومڑی کی طرح — پنجاب کیسری کی بنائی گئی وہ گت
بیگانۂ عقل سے ہے بنارس میں مالوی — منجی کی ناگ پور میں ماری گئی ہے مت
ہے تیج اور ملاپ میں نسبت قریب کی — وہ جھوٹ کا نچوڑ ہے یہ گالیوں کا ست
وہ بندے ماترم جو کبھی تھا وطن پرست — اب کانگرس کی کرنے لگا وہ بھی منقصت
دھرم پت پہ گا رہا ہے دیانندیوں کے گن — بھیشم کو بھی سناجیوں کی پڑ گئی ہے دھت
ہندو سبھا کے کام نہ آئیں کے شت ستاک — جیند یا پہ پڑ لی جو خلافت کی ایک چپت
پرشوں کے سنگٹھن سے نہ جب کچھ بھی بن سکا — اب دیویوں کو کرنے لگے ہیں وہ سنگٹھت
ٹامی سے لڑ سکیں جسے ملتا ہے روز بیف — ہے دال کھانے والوں میں اتنی کہاں سکت
اے کفر کینہ جمع ہو تیرے ہی سینہ میں — اسلام کا حساب ہے اس بنک میں چلت
آندھی ہے اُس کی تاک میں اقبالِ غیب کی — جس ڈھائی دن کے جھونپڑے کی آڑ میں ہے چھت
"فوارہ چوں بلند شود سرنگوں شود" — شدھی کی ابتدا ہی ہوئی ہے ودیعت یہی صفت

کلکتہ تجھ کو شملہ سے بھیجا سری نواس — بنگر کہ از کجا بکجا می فرستمت
سن لیں پیام ہم سے بھی "الصلح خیر" کا — وہ سب شانتی جو ہیں بھگوان کے بھگت
سکھوں سے دشمنی کوئی اسلام کو نہیں — اسلامیوں کے بھائی ہیں جو خالصہ ہیں نت

پرتاپ کے لیے نہیں باقی بچا کوئی
تھی اتنے قافیوں ہی کی اس نظم میں کھپت

۱۳ نومبر ۱۹۲۴ء

ہندو

ہر ایک پرش ہو بھارت کا ہمسرِ ٹیگور — ہر استری کا تخلص سروجنی ہو جائے
ہر ایک شہر میں ہو ودیا کا دان اتنا — کہ ملک بھر میں جو کنگال ہے دھنی ہو جائے
کرشن اور یدھشٹر بنے ہر اک بالک — ہر ایک کنیا سیتا و پدمنی ہو جائے

نہ امتیاز رہے ذات پات کا کچھ بھی
ہر ایک شودر کی لڑکی برہمنی ہو جائے

۹ دسمبر ۱۹۱۲ء

مالوی جی اور اُن کے سمدھی

مالوی جی اگرچہ شدھی کے علم بردار ہیں
پاسیوں کے اور چماروں کے بڑے غمخوار ہیں

بھنگیوں کے ساتھ بھوجن چھکنے سے جن کو ہو عذر
آپ ہو جاتے ہیں اُن کے گلے کا ہار ہیں

دے چکے ہیں آپ کو درشن کنھیا اور کپل
آپ کی نظروں میں پرمیشر کے سب اوتار ہیں

آپ کو ان دیوتاؤں نے دیا ہے یہ پیام
خوش ہیں ہم اُن سب سے جو کرتے اُدّھار ہیں

الغرض اٹھے ہیں لے کر آپ جھنڈا دھرم کا
منتظر جس کے حرم کے بھی در و دیوار ہیں

لیکن اپنے کنبہ والوں سے ہے اُلٹا ہی سلوک
اپنے سمدھی تک سے آپ آتے نظر بیزار ہیں

گو ہے باہر کیا داماد کیوں اُس نے پسند
اس خطا پر اُس کو دکھلانے لگے پیزار ہیں

مرتے دم سمدھن کی صورت تک نہ دیکھی آپ نے
آپ کی آنکھوں میں پھول اُس کے ابھی تک خار ہیں

اُس کی ارتھی لے کے جو شمشان بھومی تک گیا
برہمن بھی تھا تو اُس سے جنگ کو تیار ہیں

کیا یہی وہ سنگٹھن ہے جس کا جھنڈا تھام کر
مالوی کرنے چلے جاتی کا بیڑا پار ہیں

اس دھرم سے کیا ڈریں گی رحمتیں اسلام کی
جس کے گھر میں لعنتوں کے اس قدر انبار ہیں

ڈاکٹر کچلو

چھاپ رکھا ہے کل پنجاب کے بہجت پسندوں نے | کہ دشمن قوم کے اور ملک کے ہیں ڈاکٹر کچلو
کوئی گالی نہیں ایسی جو اُن کو دی نہ جاتی ہو | مسلط ہو گئے ہیں اب کہ مسلم لیگ پر کچلو
یہ تعلیق بھبتی اُن پہ ہر محفل میں اڑتی ہے | کہ عیسیٰ ہیں اگر بنیا تو ہیں عیسیٰ کے خر کچلو
کہاں تک ظفر کہ کٹ کٹا کر دانت کہتا ہے | کچلنا چاہیے جس کو ہے اس فتنہ کا سر کچلو
کبھی پھیکی نہ پڑتی جلسۂ لاہور کی رونق | نکالے دیتے اگر اٹھ کر نہ کلکتہ کی اکڑ کچلو
غرض جب تنگ میں دیکھو جہاں ڈھونڈو وہیں ہیں | یہاں کچلو وہاں کچلو اِدھر کچلو اُدھر کچلو

یہ عزت پا نہ سکتے گر نہ اتنی گالیاں کھاتے
گن اُن کے گائیں گھر میں بیٹھ کر اب عمر بھر کچلو

رجعت پسندانِ لاہور کی طرف سے سائمن کمیشن کی حمایت

لاہور میں سائمن کمیشن کی آمد پر ۳ فروری ۱۹۲۸ء کو ہڑتال ہوئی۔ سر محمد شفیع، ڈاکٹر اقبال، سر ذوالفقار علی خاں اور سر عبدالقادر وغیرہ نے ہڑتال کو ناکام بنانے کے لئے اس مضمون کے اشتہار اپنے دستخطوں سے شہر کے در و دیوار پر چسپاں کرائے کہ ہڑتال مسلمانوں کے حق میں نہ صرف مضر بلکہ مہلک اور خودکشی کے مترادف ہے اس پر ذیل کے اشعار پیر [illegible] نظم کئے گئے۔

ہانک کر لاہور سے رجعت پسندی کی بگل
قبر آزادی کی کھودی کس نے؟ سر اقبال نے

دشمنانِ ہند کو خوش کرنے کی خاطر شکست
آپ اپنی قوم کو دی کس نے؟ سر اقبال نے

کاٹ لی پنجاب کی [illegible] آپ اپنے ہاتھ سے
آبروئے قوم کھو دی کس نے؟ سر اقبال نے

تھی ضرورت جس کو [illegible] آئے نظر میں
[illegible] کس نے؟ سر اقبال نے

ہند کے ناموس کی تذلیل سے لاہور میں
بھری انگلستان کی گودی کس نے؟ سر اقبال نے

کہہ رہے تھے ڈاکٹر عالم یہ افضل حق سے آج
قوم کی لٹیا ڈبو دی کس نے؟ سر اقبال نے

۱۲ فروری ۱۹۲۸ء

میرزا ہادی علی بیگ اور پوجیہ پاد مالوی جی

وطن سے نوکری کی جستجو میں — بنارس کو گئے ہادی علی بیگ
جہاں چرچا ہے گھر گھر وِدّیا کا — چڑھی رہتی ہے مایا کی جہاں دیگ

برستی ہے جہاں دولت چھنا چھن
پرکھتی ہے جسے "جالی" کھنا کھن

بچارے میرزا ہادی علی بیگ — سنا کرتے تھے یاروں سے وطن میں
کہ سب سے کے پوجیہ ہیں مالوی جی — ہیں ساجھی خویش و اغیار انکے دھن میں

ہیں شیخ و لالہ ایک اُن کی نظر میں
اگر ہوں ایک سے فضل و ہنر میں

یہ پوچھا آپ نے ایک اہرٹے — کدھر ہے مالوی جی کی حویلی
کہ لایا ہوں یہاں اُن کے پوجنے کو — جو ہے کی ودیا کے گرُو کی بیلی

خدا شرمائے ایسے حسن ظن کو
جو حبل اللہ سمجھے سنگٹھن کو

مغل تھے اور وہ بھی رام پوری　　　رگ گردن میں اسلامی اکڑ تھی
اِدھر بازو میں تھا زکا نہ کس بل　　　اُدھر پنجہ میں افغانی پکڑ تھی

انہیں دیکھا تو جاتی رہے مہابیر
یہ سمجھے سر پہ آ پہنچی ہے تقدیر

بھڑکے سے پکارے مالوی جی　　　نکالو اِس مسلّے کو یہاں سے
ملیچھوں کا رے پھاٹک پہ کیا کام　　　اسے پہنچاؤ آیا ہے جہاں سے

لگے سرکار کی دینے دہائی
کہ ہے یہ دہلوی غازی کا بھائی

بنارس میں مچا کہرام گھر گھر　　　لرزنے لگ گئے شدھی کے چیلے
یہی کہتا تھا ہر ہندو کہ ہے رام　　　بچا اِس کو کہ آ پہنچے رہیلے

پولس کی دوڑ پہنچی سن کے یہ غُل
کہ ہو جائے نہ شدھی کا کہیں قُل

کیا قابو بچارے میرزا کو　　　کہ شاید کوئی خنجر ہو بغل میں
تلاشی میں مگر کچھ بھی نہ نکلا　　　کھلی ساری حقیقت پل کے پل میں

فضیلت کی سند تھی یا قلم تھا
یہی ملزم کا پستول اور بم تھا

مگر بیکل تھے اب بھی مالوی جی — کسی ڈھب بندھ نہ پاتی تھی نہ ڈھارس
کہے جاتے تھے کیا معلوم تم کو — کہ یہ تغلق بھی ہو دراصل سارس

کئی دن تک رگیدا اور جھنجھوڑا
پولس نے جب کہیں مرزا کو چھوڑا

کوئی اس سادہ دل مسلم سے پوچھے — حوالات خانہ میں تھا کیا ترا کام
گیا کیوں آستان کفر پہ تو — ترے آگے تھی جب تبلیغ اسلام

نہیں قشقہ لگا سکتا جبیں پہ
تو کر صبر اپنی ہی نان جویں پہ

جون سنہ ۲۷ء

شُدھی

یکایک کی ہے گم پرماتما نے — ان اونچی کرسی والوں کی بُدھی
نہیں مسلم بھی بن سکتا ہے کافر — کبھی مومن بھی ہو سکتا ہے شُدھی

نِدا

"بھیشم" کی پھلواڑی میں پروفیسر لالہ گلشن رائے ایم۔ اے نے ۔ ارجون کو ایک نیا گُل کھلایا
اُس کی بہار ملاحظہ ہو:-

> خواجہ حسن نظامی کے اخبار میں جو یہ خبر نکلی تھی کہ "شدھ ہو جاؤ اور پسند کرو"، وہ دراصل سخت دل آزار اور ہتک آمیز تھی اور بظاہر بے بنیاد۔ وہ نکلی بھی بے سر و پا جس کے لئے خواجہ صاحب کو اپنے اخبار میں گڑگڑا کر معافی مانگنی پڑی۔ بہت ترسے گیدی کی دُم میں نِدا !

لالہ گلشن رائے اب تک نہ جانتے ہوں گے کہ ان کی لا اُبالیانہ نثر کے آخری فقرہ نے خود بخود ایک مصرعہ موزون کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جس کی ستم ظریفانہ برجستگی پر پہلا حق شاعری کا ہے کہ وہ قیامت تک ان کے حصہ میں نہیں آ سکتی۔ پھر بھی ہم ان کے الفاظ کی کورانہ موزونیت کے ممنون ہیں جس نے ذوقِ سلیم کو ذیل کا پھڑکتا ہوا ترانہ سجھا دیا۔ لالہ صاحب ناراض نہ ہوں۔ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے۔

سُندر ناریوں والی لاری — جب ہوئی ثابت اصل سے عاری
خواجہ نے فوراً کر دی تلافی — مانگ لی لالاؤں سے معافی
صبر انہیں لیکن پھر بھی نہ آیا — جاتی کا بچھڑا یوں ڈکرایا
بہت ترسے گیدی کی دم میں نِدا

اُریوں کی اس گالی کے صدقے — جاتی کی اس رکھوالی کے صدقے
خواجہ جو ہیں سچ بات کے عادی — وہ بھی نہ کردیں کیوں یہ منادی
سُن کے جسے سر پیٹ لیں لالہ — بہت ترے نخرے میں گرم مسالہ

بہت ترے گیدی کی دُم میں نڈا!

آئی ہے جب سے دیش میں شُدھی — ماری گئی سب جاتی کی بُدھی
ہے کہیں لاٹھی میں کہیں اینٹیں! — اڑتی ہیں جن سے خون کی چھینٹیں
مار ترے اِن غمزوں نے ڈالا — بہت ترے نخرے میں گرم مسالہ

بہت ترے گیدی کی دُم میں نڈا!

جاتی اگر بس خود ہی نہ ہوتی — لالہ کی دھوتی ڈھیلی نہ ہوتی!
پہلے جب اُس نے ہم کو ستایا — ہم نے بھی اُس کو ناچ نچایا
دل کا بخار اِس طرح نکالا — بہت ترے نخرے میں گرم مسالہ

بہت ترے گیدی کی دُم میں نڈا

---

۱۳ جون سنہ ۱۹۲۷ء

سپاس نامہ

دیوتا سروپ پنڈت مدن موہن مالوی کے پوتر چرنوں میں

"پرتاپ" کی زبان اور "زمیندار" کے قلم سے

اوم

(۱)

ہر سبھا میں ذکر ہے پنڈت مدن موہن ترا
نام سورج کی طرح اخبارات میں ہے روشن ترا

اس نے گویا سرب شکتی مان کا دیکھا سروپ
جس نے اٹھ کر منہ اندھیرے کر لیا درشن ترا

تو کھویا ہے تو کیا ڈر ہے دھرم کی ناؤ کو
شنکراچاریہ نے بھی سیکھا نہیں تھا فن ترا

تیر تیرا بے کماں ہے زخم تیرا بے نشاں
ناوک اندازی میں کیا ہوگا سہیم ارجن ترا

تیری جاتی تیرے احسانوں کو گن سکتی نہیں
ہندو دل پر ہو چکا قربان تن من دھن ترا

تیرے اس اپدیش نے کایا پلٹ دی ہند کی
"مشکل ایکے کے بغیر اپنے دیش ہے پالن" ترا!

کر لیا جاتی نے جب ایکا تو شکتی آ گئی
آ گئی گر شکتی تو ہو سکتا نہیں کچھ سنگٹھن ترا

ایک ہی مت ایک ہی بولی نہ ہو جب تک سبھی
لاج کے پربت پہ جم سکتا نہیں آسن ترا

دیش کے اُپدیش دے دے کر جگاتا رہ یونہی
رات دن ہانی کی ہمت کو بڑھاتا رہ یونہی

(۲)

ہند کی رونق نہ ترکوں سے نہ افغانوں سے ہے
بلکہ تجھ سے اور تجھ ایسے دیا والوں سے ہے

دیکھ وہ وقت اترا ہے اندر لوک سے کاشی میں آج
اور پیام اس کا سنا میں نے بھی ان کانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ پھیلا دو ہی سو بھارت کی ہری
جو خود آرائی میں بڑھ کر گلستانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ نام اچھلے پھر اس تہذیب کا
جس کی ہستی ہے اگر قائم تو بت خانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ شدھ ہو جائیں سارے اچھوت
گو غنی اب تک بھری جن کے افسانوں سے ہے

وقت آ پہنچا کہ اپنوں کو یہ آ جائے سمجھ
اختلاف اس ملک میں جتنا ہے بیگانوں سے ہے

ہے یہ سب پاکھنڈ پھیلا ہوا توحید کا
دیش میں جتنی خرابی ہے مسلمانوں سے ہے

مار اک پھونک اور بجھا دے مشعل اسلام کو
سونپ دے دنیا یہ مقدس کام منشی رام کو

۲۳ اپریل سنہ ۱۹۲۳ء

چند دل نشین نکتے

گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے — بڑھا دی گئی ہے مدارس کی فیس

مبارک ہو خواجہ احمد شاہ کو — اور ان کو جو ہیں خواجہ کے ہم جلیس

نہ تعلیم اب پا سکیں گے عوام — جہالت غریبوں کو ڈالے گی پیس

بہت آج کل ہے گراں نرخ علم — ہیں اشراف انیس اور اجلاف بیس

نہیں شوق امیروں کو تعلیم کا — غریبوں کو ملتی نہیں آہ فیس

ہے لڑکا زمیندار کا پا بگل — کرے کیا وہ بنئے کے بیٹے کی ریس

بڑا ہو کے چٹخائے گا جوتیاں — بنے گا کسی ناسزا کا سئیس

یہ حالت جب آتی ہے مجھ کو نظر — تو رہ رہ کے اٹھتی جگر میں ہے ٹیس

یہ گتھی جو سلجھائیں سرلوی ڈین — تو دیں گے زمیندار ان کو اسیس

ہیں تو بارہ نیول کے اس عہد میں — کہ ہم تو رعیت ہیں اور وہ رئیس

سو ہیں کچہری میں سررشتہ دار — تو ہیں سارے صاحب عرائض نویس

انہیں ہم نے جانا تھا گوبر گنیش — مگر یہ تو نکلے بڑے ہی فرنیس

آزادی اور غلامی

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کلکتہ کے موقعہ پر سائمن کمیشن کے مقاطعہ کا فیصلہ ہوا۔
اور سر شفیع کی جماعت نے اس فیصلے سے ناراض ہو کر اپنی مسلم لیگ الگ بنا لی۔

نہیں جن کو ملی توفیق اقدام عمل اب تک — ہے مرکز آج کل لاہور ان جدت پسندوں کا

ہمالے سے بھی اونچا لگ رہا ہے ڈھیر اوپر — وفاداری کے دفتر میں خوشامد کے پلندوں کا

کھلایا ان کو جب سیندور افضل حق کی منطق نے — تو دینے لگ گئے کھسیانے ہو کر طعنہ چندوں کا

کلیسا کے یہ پیوستہ آزادی کی کیا جانیں — مقام اس جذبہ کا ہے دل حرم کے دردمندوں کا

مبارک رہتی دنیا تک غلامی ان کو غیروں کی — جنہیں کٹنا نظر آتا ہے دشوار اس کے پھندوں کا

وطن کی آبرو کے یہ لٹیرے اچھی طرح سن لیں
کہ رب کعبہ کو پیارا ہے ناموس اپنے بندوں کا

۳ جنوری ۱۹۲۹ء

فاعتبروا یا اولی الابصار

نظر آتے ہیں اب تک بھی مسلمانوں کی محفل میں
کہیں شاعر کہیں ہیرو کہیں بھانڈ اور کہیں نٹی

حریف گرم رو گو کل سے چڑھ دوڑا ہے دشمن پر
مگر ان سے نہ شدھی بن پڑی یا شرک ٹلنی

خدارا ان کی آنکھیں مولوی احمد علی کھولیں
دکھائیں سنگھٹن کی ان کو لہراتی ہوئی جھنڈی

پھر ان کو لے چلیں شدھی کے جینو کی دکان تک
چلن جن کا ہے سودا تولنا اور مارنا ڈنڈی

خبیثین اور خبیثات آج کل ہیں خوب زوروں پہ
اگر ہے شامت ان کی تو شدھی ہی ہے شٹنڈی

جنہیں لینی ہو گالی لے لیں پتا پٹیالے میں
لیے بیٹھا گرو جی ہے جما اپنا کفر کی منڈی

خدا محفوظ رکھے ان دیانندی حریفوں سے
قیامت کی ہے چال ان کی ہلاکے ہیں یا گھنڈی

ہر اک بیوی کی نتھنی میں جدا تاثیر ہوتی ہے
ملا ہندو کو کاشی اور علی سلموں کو تلونڈی

---

۱۵ جون سنہ ۱۹۲۶ء

سمندِ انور

کرے گا کیا وہاں جنرل کنیوا[1] ۔۔۔ جہاں بگڑا ہو سب آوے کا آوا

پڑھاتے ہیں انہیں پٹی جبنا کی ۔۔۔ وہ پاپا جو کہ ہیں ان سب کے باوا

گلاٹی[2] نے ٹرپلی پر صد افسوس ۔۔۔ کیا شیطان کی شہ پا کے دھاوا

کیا دجال نے اٹلی میں جا کر ۔۔۔ وہاں ظلمت سے حرص و ہوا وا

چلا تازی سے لڑنے کو خرِ لنگ ۔۔۔ قضا نے اس کو بھیجا ہے بلاوا

پھٹے گا کوئی دم میں کوہِ اٹنا ۔۔۔ بہا دے گا تمام اٹلی میں لاوا

لڑائی کی خبر سن کر ہے بیکل ۔۔۔ مسلمانانِ ہند و چین و جاوا

شکستوں پہ شکستیں کھا رہے ہیں ۔۔۔ ہیں ریوٹر کی یہ سب خبریں بناوا

ہوئی پتلون ڈھیلی آبری[3] کی ۔۔۔ دیا گھوڑے کو جب انور نے کاوا

غزا کا شوق اور عشقِ شہادت
مسلمانوں کو دیتا ہے بڑھاوا

۱۹۱۲ء

---

[1] اطالوی سپہ سالار [2] وزیر اعظم اٹلی [3] اطالوی امیر البحر

محمد علی

نہ چھوڑا ابھی تک مسمّیٰ علی کو — نہ پہنچا سکے آپ میری گلی کو

یہ کہہ دے گورنمنٹ سے کوئی جاکر — خفی کو نہ ترجیح دیجئے جلی کو

سیاست کے رہبر کو لازم نہیں ہے — سڑک پر چلے اور چھوڑے گلی کو

بدولت آپ کو جانیں اور آپ ان کو — کہ پہچانتا ہے ولی ہی ولی کو

مجھے ہے تو بس اپنے قرآں سے مطلب — میں کیا جانوں صاحب کی پاتخلی کو

شکر بانٹتے آپ پھرتے ہیں گھر گھر
ترستے ہیں مصری کی ہم اک ڈلی کو

۲۵ ستمبر ۱۹۱۴ء

ہاتھی کے دانت

سوامی شردھانند کے قتل نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں جو خوفناک کشیدگی پیدا کر دی تھی، اُسے دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پنڈت مدن موہن مالوی اور لالہ لاجپت رائے نے ۲ جنوری ۱۹۲۷ء کو ہندو پریس کے نام حسبِ ذیل پیغام شائع کیا۔

"ہم ہندوستان بھر کے اور بالخصوص پنجاب اور دہلی کے ہندو اخبار نویسوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ سوامی شردھانند جی کے قتل کے متعلق رائے زنی کرنے میں نہایت ضبط اور بردباری سے کام لیں اور چند دن تک اس واقعہ کی سرکاری تفتیش کی نسبت کامل خاموشی اختیار کریں۔"

اس ہدایت کی تعمیل ملاپ نے ۱۰ جنوری کی اشاعت میں یوں کی۔

"آؤ اے ہندو بھائیو! جہاں ہم نے شری سوامی شردھانند جی کا ماتم منایا ہے وہاں ہم اس امر کی کوشش کریں کہ جس سے اُن دشمنوں کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں جنہوں نے شری سوامی شردھانند جی کو شہید کر کے یہ سمجھ لیا ہے کہ انہوں نے شدھی اور سنگٹھن کے سرکردہ رہنما کو مار لیا ہے۔ مخالفوں نے چھروں اور پستولوں کے روپ میں صاف اور واضح چیلنج دے دیا ہے۔ اب ہمارا فرض اولین ہے کہ ہم اس چیلنج کو سب سے بڑی سے ٹھکراتے ہوئے شاندار آگے بڑھتے جائیں۔ اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک اپنے تمام گمراہ بھائیوں کو شدھی کا امرت اور آبِ حیات نہ پلا لیں۔"

لالہ لاجپت رائے کے اخبار بندے ماترم میں ۲۶ جنوری والی ہدایت پہ یوں عمل کیا گیا۔

کون کہتا ہے سوامی مر گئے ہرگز نہیں! / موت کے پردہ میں مرنا اک بہانہ ہو گیا
ورنہ کرنے کیلئے شدھی گئے افلاک پر / اہل جنت کی بھی شدھی کا بہانہ ہو گیا
جنت الفردوس میں شدھی کی لہریں دیکھیو / اہل کیلاش ادھر کا آنا جانا ہو گیا
چرخ ہفتم پر بھی آخر گڑ گئے شدھی کے کیمپ / واں بھی استادہ ہمارا شامیانہ ہو گیا
نت نئی ہو کر مرتب جانے کی شدھی کی فوج / قائد سالار پہلے ہی روانہ ہو گیا

ماتی جنت والے بھی ہندو بنائے جائیں گے
سوامی شردھانند کا واں بھی گھرانہ ہو گیا!

بس ان آزادانہ خرافات سے متاثر ہو کر اشعار ذیل سپرد قلم کئے گئے۔

کوئی مالوی جی سے جا کر یہ کہہ دے / ستانے ہوؤں کو اگر تم نے چھیڑا
تو نکلے گا بے اختیار اُن کے منہ سے / کرو غرق یا الٰہی شدھی کا بیڑا
نہیں پاؤ گے کچھ بجز اس کے آپ لڈو / جنہیں آپ سمجھے ہیں متھرا کا پیڑا
سلا دو گے جاتی کی چوہلی کو کس سے / اگر تم نے ایک ایک ٹانکا ادھیڑا
کدال ایک لائیں گے اجنبی تو جب بھی / اگر کوئی مردہ جو تم نے اکھیڑا

جہانگیری دینِ حق کی زد سے بچے گا نہ بھارت کا کوئی بھی کھیڑا

ہیں ہم تم سے خوش اور ہمارا خدا خوش
اگر چھوڑ دو سنگٹھن کا بکھیڑا

۸ جنوری ۱۹۲۷ء

فکاہات

عشائے ربانی

ملوکیت کی ربانی عشا میں شرابِ ناب ہے پنجاب کا خون
یہ ہے وہ مسیحا کی حقیقت بتا دیں گے ملک زیرِ فرماں لون
کیا کرتے تھے قربانی کی تلقین جنہیں ازبر تھے آزادی کے مضمون

مگر جب امتحاں کا وقت آیا
تو ڈھیلی ہو گئی یاروں کی پتلون

جان بل کا حشر

لگا جب سنکھ بجنے سنگٹھن کا
پھٹے جب کان اس کے شور و غل سے

تو ایوانِ حکومت میں پہنچ کر
کہا بدھو میاں نے جان بل سے

مری اک عرض سن لو بندہ پرور
اگر فرصت ہو تم کو جان بل سے

جسے تم چھیڑ دیں سمجھے ہے دیپک
نہ تم کو بھی کہیں تان اس کی جھلسے

کریں گے مالوی جی تم کو محروم
کسی دن اختیارِ جزو و کل سے

پکڑ کر کان شردھا نند جی پھر
گزاریں گے تمہیں شدھی کے پل سے

لہکتا دیکھ لو گے لالہ کا باغ
جو پھولے گا تمہاری فصلِ گل سے

ہمیں تو کچھ نہ کچھ پھر بھی ہے امید
نزولِ رحمتِ ختمِ رسل سے

مگر تم ان مہا بیروں کی ہاتھوں
بچو گے کس طرق اور کس سبل سے

چندہ کا صحیح مصرف

لکھا ہے "خلافت" نے کہ چندہ کی ضرورت — ہرگز نہیں قندھار کے اربابِ وفا کو
قندھار کو جانا بھی نہیں مصلحتِ وقت — کیا جانیے منظور ہو کیا اُن کی ادا کو
مانا کہ فرح بیز ہے غزنی کی فضا بھی — کیا پہنچے کی چوپائی کی جاں بخش ہوا کو

چندہ ہی اگر آپ کو دینا ہے تو صاحب
دلوائیے کچھ آج خلافت کے گدا کو

۲۳ مارچ سنہ ۲۹ء

آئینہ

پوچھا انہوں نے ہنس کے یہ مجھ سے براہِ طنز — جب کرنے آئے جیل کا اک دن معائنہ
کیسی ہے اور کہاں ہے حکومت کی شیطنت — میں نے کیا جواب میں پیش اُن کو آئینہ

لیڈر کی نوعیت

لیڈر کیسے اور کس قسم کے ہونے چاہئیں؟ شاعرانہ تخیل کی دنیا سے اس سوال کا جواب سن لیجئے :-

جناب بسمل کا قول ہے :-

لیڈر تو نام ہے مسلم احتساب کا　　لیکن مسلم میں لغزش مستانہ چاہئے

سی۔ آئی۔ ڈی کا ارشاد ہے :-

لیڈر وہی ہے جس کو ہو سی۔ آئی۔ ڈی کا ڈر　　خوفِ خدائے پاک سے اصلا نہ چاہئے

کبیدہ خاطر معتقدیان قوم فرماتے ہیں :-

فرزانگی کی قدر نہیں اس زمانہ میں　　لیڈر اس اعتبار سے دیوانہ چاہئے

مسلم لیگ کے ریزولیوشن متعلقہ ذبیحہ گاؤ کے نکتہ چینوں کا گروہ از راہ تعریض پکارتا ہے :-

لیڈر وہ ہے جو گائے کی سیوا کیا کرے　　لیڈر کو گھاس چاہئے دانہ چاہئے

ایک ہندو آواز کہتی ہے :-

ہے لیڈری کا لازمہ دعویٰ ہوم رول　　گیسوئے لیڈری کو یہی شانہ چاہئے

ایک مسلمان آواز کا دعویٰ ہے :-

لیڈر وہ ہے جو دینِ محمدؐ پہ ہو نثار — لیڈر نبیؐ کی شمع کا پروانہ چاہیے

عوام الناس کا خیال ہے :-

جو ڈر گیا جو قید سے اور تازیانے سے — لیڈر ہماری قوم کو ایسا نہ چاہیے

بونزلا کی منطق

شرابِ مغرب کا ساقی ادھر بھی ایک گنڈلا — ادا کہ جس کے خم سے خم ہوئے سرشار بونزلا

مجھے کے جام میں منظور ہے تجھ کو جہاں پینی — تو میکش کے لئے حالت ہے کا سہرا

رسولؐ اللہ کے دربار میں گر نذر دینی ہو

تو مسلم کے جگر سے دل اور آنکھوں سے گو سہرا

وطن پرست اور سائمن پرست

سرکار میں ہے مرتبہ جن کا بڑھا ہوا
احرار کی نظر میں ہیں سب گھٹے ہوئے

اغیار کا مقابلہ کیا جب ہمارے دل
ہوں ایک دوسرے کی طرف کے پھٹے ہوئے

آیا ہمارا نام تو سرکار کے غلام
بولے کہ بدمعاش ہیں یہ سب چھٹے ہوئے

ہم نیک بخت نہیں، نہ سہی، نیک بخت تو ہیں
میدان جنگ میں ہیں ابھی تک ڈٹے ہوئے

وہ سائمن پرست ہیں ہم ہیں وطن پرست
ان دو پرستشوں کے ہیں حلقے بٹے ہوئے

کیا کم ہے یہ شرف کہ سبق جی حضور کا
کچھ ان سروں کی طرح نہیں ہم رٹے ہوئے

---

۱۷ فروری سنہ ۱۹۲۸ء

بچپن کی لٹس کا فسانہ

پہلے بہلایا یہ کس بہانے سے — مجھے دلوائے سارے زمانے سے

ہوتا بھی نہیں اب بہانے سے — مانا بھی نہیں اب منانے سے

میں باز آئی دل کے لگانے سے

میری آنچل میں سب لٹا تو گیا — اپنے دامن کو مجھ سے چھڑا تو گیا

میرے سکتے پر منہ چھپا تو گیا — سو ہنستا گیا اور رلاتا گیا

میں باز آئی دل کے لگانے سے

سکھیو میں سیکھ گئی چھپانے کا فن — چھپ دل کے یہ پیڑ دل ملانے کا فن

بے بادل کو دو آنکھیں دکھانے کا فن — آنسو دو اس سے آنکھیں ملانے کا فن

میں باز آئی دل کے لگانے سے

---

۳۰ اکتوبر سنہ ۱۹۳۱ء

انقلاب

انقلاب زمانہ دیکھے گا
کل جو تھے دوست آج ہیں دشمن

قطع رشتے ہوئے اخوت کے
بھائیوں کا بگڑ رہا ہے چلن

جھک گئی تھی جو بار احساں سے
ب اب اکڑی ہوئی وہی گردن

میرے دامن نے دی پناہ جنہیں
ہاتھ ان کا ہے اور مرا دامن

مجھ پہ چلنے لگی مری ہی سناں
اب وہ ہیں گھیو اور میں ہوں پشن

ہوتی آئی ہے یوں ہی دنیا میں
رسم ہے روزگار کی یہ کہن

خوب فرما گئے ہیں سعدیؒ
کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

۱۸ جنوری سنہ ۶۹ء

صلائے خاص

ایک انگریزی کی صلائے عام کے جواب میں

کام جلسوں سے چلے گا نہ ریزولیوشن سے
ہم نشیں کاٹ ہے آہن کی فقط آہن سے

ہم نے آندھی میں کبھی چلتی نہیں دیکھی اب تک
خواہ کشتی ہو بنا دی گئی ہو دامن سے

بوزنہ کرمک شب تاب کو آتش سمجھا
کیا یہ آگ ہے جلاتے ہو تم گلخن سے

جلوۂ یار کے مشتاق نہیں مشتاق ہیں ہم
کب نکلتے ہیں یہ زنبور بھری روزن سے

ہفت خواں ہے یہ بیابان غنیمت جانو
دولت اسلام کی بچ جائے اگر رہزن سے

غلغلہ گنبد افلاک میں ڈالو تم بھی
بلبل آئی ہے یہ پیغام لئے گلشن سے

درخور ہمت مسلم ہے جہاں کی تائید
لازم امداد ہے اسلام کی تن من دھن سے

چاہیے رستے ہوئے زخم کو پھاہا بھی ضرور
مرہم لطف لگا دے یہ کہو کرزن سے

جان مجمع کی دہائی ہے کہ ڈاکٹر ہے
آپ سے دور یہ کہتے ہیں مرے شیون سے

فقط اللہ کے بندے ہیں مسلمان تمام
اس لئے ضد ہے اس انگریز کو اس قدغن سے

کیا نہیں آپ کی ملت بھی رعایا اس کی
خوشہ چیں کیا نہیں انگریز بھی اس خرمن کے

اس کے شہزادہ کا لازم ہے گردوں کے نزول
ظالموں پہ ابھی بجلی گرانا چاہئے

بندہ کہتا ہے زیارت کی ابھی ساعت ہے وہ
ہم کو یہ سب وہ ابھی کچھ دن بچانا چاہئے

ہمتِ مسلم تو ہے چوتھے فلک سے بھی بلند
اس سے بھی اونچا مسلمانوں کو جانا چاہئے

ضامنِ امن و اماں ہے مصطفےٰ کا نامِ پاک
بس ہمیں اس نام کا ڈنکا بجانا چاہئے

روضۂ اقدس پہ جا کر ہم کو با صد درد و کرب
حالِ زارِ اسلام والوں کا سنانا چاہئے

وہ جو یثرب میں پڑا سوتا ہے میٹھی نیند سے
مسلمِ بیکس کے نالوں سے جگانا چاہئے

ایک ڈبکی مارنی لازم ہے گنگا میں ہمیں
ایک غوطہ آبِ زمزم میں لگانا چاہئے

گلشنِ اسلام میں فصلِ بہار آنے کو ہے
[illegible] چاہئے

بندۂ مسلم کے ہمراہ بت پرستاں آن مل
جشن دونوں کو خلافت کا منانا چاہئے

۲ جنوری ۱۹۲۰ء

صوبہ آگرہ و اودھ کی اندر سبھا

فاخر کو دلہن چاہئے پیرانہ سری میں — موقع ہے گورنمنٹ مشاطہ گری کا
نقال سے ہراساں نہ ہو گلفام ہمارا — وصل اس کو میسر ہے جہاں سبز پری کا

بلدیہ کوئی جا کے کہے خان بہادر — اے تو کہ خداوند ہے خشکی و تری کا
راجاؤں کو تسخیر کیا ڈال کے ڈورے — شہرہ ہے جہاں میں تری جادو نظری کا
اک تیرے کرشمے سے ہے محمود ایاز آج — انعام ملا باز کو بے بال و پری کا
بس چل نہ سکا کس لئے تیرا املا پر — الزام دیا ان کو جو شوریدہ سری کا

جب تو ہے کہ فاخر کو بھی تسخیر کرے تو
ہم کو بھی یقیں آئے تری باخبری کا

---

۱۲ مئی سنہ ۱۹۳۰ء

فلسفۂ فرنگ

قامت شرق پہ بھی راست آئے تو ایک بات ہے ——— یوں تو ہے جامہ دیدہ زیب فلسفۂ فرنگ کا
رشتۂ سوزن یقیں درخور دفو نہیں ——— ورنہ قلیل ادھیڑ ہے بخیۂ قبائے تنگ کا
مجھ کو کیا ہے بائیکاٹ صوفی نقشبند نے ——— کھینچ کے نقشہ رکھ دیا مغربیوں کی جنگ کا

گوہر شاہوار لو موج ہزار رنگ سے
گر ہو نکالنے کا شوق خوف نہ کر نہنگ کا

---

۱۰ نومبر ۱۵ء

لاہور میں سر جان سائمن کا استقبال

سواگت ہے نرالا سائمن کا ——— تماشا آتے ہی لولا دکھائی من کا
یہ گولا اسکو لا ہم نہیں ہے ——— مگر نیت چہرہ بھی کم نہیں ہے

گانے اور باجے پہ ہی موقوف ابھی صلح و جنگ
پوچھنا کیا ہند کی تعت دیرینہ رنگ کا

سہرے دیئے جاتی کے گھر میں اکبر منجی نے لکھ
مالوی جی نے لگایا داغ تہذیب و سنگ کا

اس کے غل اور شور میں دب جائے گا بانگ اذاں
ہے یہ مقصد کہ رہے ساز بلند آہنگ کا

بانٹیوں سے جھٹ نکل آئے سبھی ست گورو کے
بین کی جھنکار سے گونجا جو ساحل گنگ کا

پرش جانے یوں کہ ہیت اور انکی استریاں ست
ویس ہم کا جب کہیں ہند و سبھا کے ڈھنگ کا

اور یوں کی طرح اپنوں سے بھی کمتی ہو جو شبہ
ہم نشیں تو بھی چڑھا جا اک پیالہ بھنگ کا

ناچتے ہیں یا جو مسلمان ہند و دل سے تاپیہ
دل نہ راضی و جان ستاں ہے زمزمہ ان کے چنگ کا

لالہ جی یورپ گئے اور لیتے آئے امتحاں
افترا سے ہیچ و مذہب ہائے ننگ کا

نخوت آلچہ اگر لندن کو ارزانی ہوئی
یاد ہے کاشی کو بھی ڈھیلا بھرا اور رنگ کا

ہم بھی دے سکتے تھے میٹھی اور سلونی گالیاں
پاس اگر بس کو نہ ہوتا اپنے نام و ننگ کا

صفحہ صفحہ ہے یہاں مانی کی کلا آرائیاں
نقطہ نقطہ ہے مرے خامہ کا نقش ارژنگ کا

۳ نومبر ۱۹۳۲ء

دار التکفیر بریلی

اودھ کر حامد رضا خاں آئے بدعت کا لحاف
ذات ان کی ہے مجدد بات اُن کی لام کاف

مانچسٹر کے کفن بسازوں سے لایا ہے ادھار
شرک کی اٹنی بریلی کا یہ بڈھا نو باف

بیچ میں کھٹمل بھرا گودڑ ہے پھیلا ہوا
گرچہ آتا ہے نظر اعلیٰ "رضائی" کا غلاف

پیکر طاغوت ہے یا ہے "رضائے مصطفیٰ"
باپ تھا اس لاش کا سر اور بیٹا اُس کی ناف

شغل ان کا ہے تفسیق مسلمانانِ ہند
ہے وہ کافر جس کو ہو اُن سے ذرا بھی اختلاف

جب سے پھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی
دید کے قابل ہے اس کا انکسار و انعطاف

سید احمد خاں پہ سب دشنام کی بارش کہیں
اور کبھی علامۂ شبلی کو گالی واشگاف

جو حریف اسلام کا ہو آپ ہیں اس کے حلیف
اس کے دشمن آپ ہیں جو ہو نصاریٰ کے خلاف

کاٹ دی کیوں نجد کے خنجر نے زنجیر حجاز
یہ وہ ناگہ جرم ہے جو ہو نہیں سکتا معاف

ہم مٹا دیں گے زمانے سے نشان اسلام کا
بندہ پرور کہہ نہیں دیتے یہی کیوں صاف صاف

زندگی اُس کی ہے ملت کے لیے پیغام موت
کر رہا ہو جو بنائے کعبۂ دل کا طواف

چو کی لفظی تحقیق

شیخ اور برہمن کی جھڑپ

اشنان کرنے گھر سے چلے لالہ لال چند
اور آگے آگے لالہ کے اُن کی بہو گئی

پوچھا جو میں نے لالہ للائن کہاں گئیں
نیچی نظر سے کہنے لگے وہ بھی "چو" گئی

میں نے دیا جواب انہیں از رہِ مذاق
کیا وہ بھی کوئی چھت تھی کہ بارش سے چو گئی

کہنے لگے کہ آپ بھی ہیں مسخرے عجیب
اب تک بھی آپ سے نہ تمسخر کی خو گئی

"چو" ہوشیارپور میں ندی سے ہے مراد
بی بی تمیز بھی وہیں کرنے وضو گئی

میں نے کہا کہ "چو" سے اگر ہے مراد "جو"
پھر یوں کہو کہ تا بہ لبِ آب جو گئی

کیوں اینٹھتے ہیں ماش کے آٹے کی طرح آپ
دھوتی سے آپ کی نہیں ہلدی کی بو گئی

لطفِ زباں سے کیا ہو سروکار آپ کو
دامن کو آپ کے نہیں تہذیب چھو گئی

ہندی نے آ کے جیم کو چے سے بدل دیا
"چو" آئی اور بہار میں گلشن سے "جو" گئی

لہجہ ہوا درشت زباں ہو گئی کرخت
لطفِ کلام و شستگیِ گفتگو گئی

معنی کو ہے گلہ کہ ہوا سب خراب میں
شاکی ہے لفظ کو کہ مری آبرو گئی

افسوس ملک میں نہ رہی فارسی کی قدر
مستی اڑی شراب کے پھولوں سے بو گئی

۲۹ اگست ۱۹۱۷ء

انوارِ معرفت

شعرائے یمانی کا طلوع

اوڑھنی سالوس کی پردیمانی ہو گئی — یہ مثل مشہور شعری کی زبانی ہو گئی
صوفیوں نے شاعروں کو درسِ قرآں دے دیا — یاد ان کو بیت بعضہم کی کہانی ہو گئی

کوزہ بھی ہے کوزہ گر بھی ہے گلِ کوزہ بھی ہے
بس اسی پر ختم ان کی لن ترانی ہو گئی

۳ نومبر ۱۹۱۷ء

قصوری کی ملتجی کابل کے سر دے

ازبر تھی جب تک کنز اور قدوری — اور ان کی مزیں ہیں السطوری
ہر شرط ایمان ہوتی تھی پوری — اب بھی ہوں مومن لیکن قبوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

مجھ کو جب اپنا بیمار سمجھا — عیسیٰ مرض کے اسرار سمجھا
تیمار میرا دینار سمجھا — تم سے رہے ہے شریعت بزوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

ہے لاٹ صاحب کا یہ اشارا — کٹ جائے رشتہ میرا تمہارا
بس کر چکا میں تم سے کنارا — تم ٹھہروالی ہیں جی حضوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

میری کمائی ہندو نے کھائی — حق میرے چھیننے لٹس مچائی
انگریز کی میں دوں گا دہائی — جو خود جج ہے اور خود ہی جیوری

یا شیخ عبدالقادر قصوری

نادر پرستی ہے میرا آئیں، وہ شیر بالیں ہیں شیر قالیں،
مگر میں نہ گاؤں گن اُن کے رنگیں رہ جائے گی یہ حسرت یا صوری
یا شیخ عبدالقادر قصوری

محتاط سائیں

کون کہتا ہے کہ حزم آئیں ہے سرکار کا — اور دیا ہے اس کو درس احتیاط ابلیس نے
اب ملاقاتیں ہوئیں سرکار کی گاندھی سے بند — مشورہ اچھی طرح جب کر لیا دس بیس نے
ڈر یہ تھا شاید کہ کونسل سے نکل کر یک بیک — پھر نہ یہ شوریدہ سر لگ جائیں چکی پیسنے
اصطبل کے اندر آ کر چور گھوڑا لے گیا
بند پھاٹک جب کہیں جا کر کیا سائیس نے

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا
وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا

ہڑتال کیا ہوئی یہ تو بھونچال ہو گیا

ایجنٹ ریلوے سبھی دستہ توڑ کے چلے
کہنے لگے کہ ملک تباہ حال ہو گیا

فعّال ماتحت ہیں مفعول من یراد
منہ دیکھتا ہے نائبِ عمّال ہو گیا

محنت سے جس کے سرمایہ تو سرنگوں ہوا
مزدور قوم کے لئے یہ سال ہو گیا

انجن الٹ گیا مری گاڑی کا یک بیک
ہڑتال کیا ہوئی یہ بھونچال ہو گیا

گوروں نے اپنے ہاتھ میں لی آ کے دھونکنی
کالوں کا ورکشاپ میں جب کال ہو گیا

سرمایہ سرخرو ہے کہ محنت نے آج اسے
مارا طمانچہ ایسا کہ منہ لال ہو گیا

کالے ہوئے بغیر کوئلے کے گورے گورے گال
ڈائر کا یہ بھی نامۂ اعمال ہو گیا

پنجابیوں کے روز نکلنے لگے جلوس
پنجاب بھی نمونۂ بنگال ہو گیا

انگریز ہو کے مجھ سے جدا ہو گیا مگر
دنیا مرے لئے وہ جی کا وبال ہو گیا

رنگت کو مٹی سفید گر خون بھی ہے سفید
رشتہ ہمارا ان سے یہ جنجال ہو گیا

بُت نے دیا جواب کہ روتے ہیں آپ کیوں　　ہم پر جو فضلِ ایزدِ متعال ہو گیا

انلاں ہند بن گئے دلیلِ کشور کار　　آپ اپنی مشکلات کا حلال ہو گیا

ہاں ایک بات کی ہے شکایت ہمیں ضرور　　ہندوستان آپ کا نقال ہو گیا

اب سبز باغ دیکھنے میں آئیں گے کہاں

افسوس پا بگل خرِ دجال ہو گیا

---

۱۱ مئی سنہ ۱۹۲۰ء

پُھلجھڑی

بھری محفل میں یہ مصرع پڑھا میں نے شرارت سے　　نہیں یہ مولوی خالی ہوا اب تک حرارت سے

ملی ہے ایک چندناسی ہیں حضرت کو شملہ میں　　کم از کم فائدہ یہ تو ہے ندوہ کی سفارت سے

نہیں باقی کے اشعار اس لئے لکھے یہاں میں نے

کہ سنسر شپ میں آ جائے گا میری عبارت سے

حدیث المایدہ

سرجان سائمن علیہ الرحمۃ

سرجان سائمن پہ کلیسا کی رحمتیں ‏ بپتسمہ ذوالفقار علی خاں کو دے دیا
جس سلطنت میں ڈوب نہ سکتا ہو آفتاب ‏ اُس میں اجارہ کفر کا ایماں کو دے دیا
لاہور آئے اور بوقت نماز عصر
حق روزہ کھولنے کا مسلماں کو دے دیا

ن والقلم وما یسطرون

قرآں کا ہے یہ حکم کہ فیروز خاں ہوں نون ‏ اور خامہ انقلاب کا ہو شرح والقلم
جب تک نہ سرنگوں ہو نہ دونوں کو آئے چین
ساگر لال خاں کے ہاتھ میں ہو قوم کا قلم

"انڈین" کا چالان

اس جرم میں کہ دشمن ابنائے ہند ہے
رات "انڈین" کا خواب میں چالان ہو گیا

کہنے لگا کہ میری ضمانت تو دیجیے
لیکن میں جان بوجھ کر انجان ہو گیا

موجود پاس ہی تھے محمد شفیع بھی
لیکن یکایک ان کو بھی نسیان ہو گیا

سنتے ہی غل "خذوہ فغلوہ" کا ہوا
اور "انڈین" حوالۂ شیطان ہو گیا

۱۰ جون ۱۹۲۰ء

"شدھی" کی برات

صنم خانہ میں صدیوں سے پڑا تھا قفل غزنی کا
پکار اٹھا بنارس شدھی اس تالے کی ہے کنجی

کرم کے نام پر دھوتی سنبھالی مالوی جی نے
دھرم کے نام پر لٹھ لے کے دوڑے ڈاکٹر منجے

برات آئی ہے شدھی کی مگر یہ کیا تماشا ہے
کہ نکٹا ہے سسر لنگڑا ہے دولہا اور دلہن لنجی

مالوی جی کا بھٹہ

جو بلی بن چکی جب سنگٹھن کی — تو پہنچا مالوی جی کو بلاوا
کہ آ کر ہندوؤں کی ٹھونکئے پیٹھ — اور ان کو دیجیے یدھ کا پڑھاوا
اب اس گھوڑے کی چل پل دیکھیے — دبا کرتے تھے جن کو آپ کا دا
کوئی تقریر گرما گرم کیجے — پٹاخے سے کے منہ میں چڑھاوا
کھڑی ہو وہ گھڑی سر پر کہ اک ساتھ — مسلمانوں پہ بولا جائے دھاوا
ہوئے ڈنڈ پیل کر تیار ہندو — پھر ہی کشتگا ہے بت کے علاوہ

کہا یہ مالوی جی نے کہ پہلے — بناؤ ایک اینٹوں کا پژاوا
بہت ہی سخت اسکی کھوپڑی ہے — ہے اینٹ اسلام کے سر کا مداوا
بہت سی جمع کر لو گھر میں اینٹیں
چڑھا رکھا ہے میں نے بھی الاوا

کانگرس کیلئے ایک نیا عقدہ

مس میو کی روح

اک نیا نکتہ گورنمنٹ کو اب سوجھا ہے
جس کا میں نے کیا حل بڑی دشواری سے

پہلے دیتی تھی یہ الزام وہ اخباروں کو
کہ دکان ان کی چمکتی ہے دل آزاری سے

گالیاں دے کے کماتے ہیں یہ روزی اپنی
رشتہ ان کا ہے پرانا کسی بھٹیاری سے

جس قدر فاصلہ برطانیہ کا ہند سے ہے
دور اتنے ہی یہ مفسد ہیں رواداری سے

جب اس الزام سے حاصل نہ ہوئی دل کی مراد
اک نیا حیلہ تراشا بڑی عیاری سے

سامنے آ گئی سرکار کے مس میو کی روح
نکل آیا یہ گزٹ شملہ کی الماری سے

اشتہارات ہیں سب فحش ان اخباروں کے
خطرہ اخلاق کو ہے ان کی خریداری سے

ایسے اخبار ہیں اس طرح نمائندۂ ملک
جو نہیں بڑھ کے کسی شاہد بازاری سے

ست جنے کہیں رونا یہ کمیشن میں نہ روئیں
ہے توقع تو یہی ان کی وفاداری سے

بیٹھے ہیں ختم ہوئے فتنہ کا جلدی ہی علاج
یاد ہے عرض یہ سب ذوالنصاری سے

الٹا ہوا ٹاٹ

اخبار پڑھ رہے تھے وہ بنگلے میں پاٹ پر
اور سوچ رہے تھے چیں بجبیں بائیکاٹ پر

البتہ اس خیال سے تھے مطمئن کہ لیگ
ٹک ہی گئی ہے بارہ مسالہ کی چاٹ پر

یہ فکر ساتھ ساتھ تھی پیکن لگی ہوئی
کچھ شور سے ہیں اور ہی مرادی کے گھاٹ پر

اور نقشہ کھینچتے ہیں کسی گول میز کا
لیٹے ہوئے ٹہلا تیتے اپنی کھاٹ پر

مل کر الٹ نہ دے کہیں سارا وطن اسے
آنکھیں جمی ہوئی ہیں کمیشن کے ٹاٹ پر

---

۲۴ ر دسمبر ۱۹۲۷ء

مالوی جی کی یادیں

دیکھ کے حال ملک کا آ گئے یاد مالوی
روح عناد مالوی جانِ فساد مالوی

جن کو لقب دیا گیا پوجیہ پاد مالوی

تفرقہ کی زمین میں بغض کا بیج ڈال کر ‏ ‏ فتنہ کے کھیت کیلئے بن گئے کھاد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

لاد کے اپنی پیٹھ پر جو یہ سنگ و خشت کو ‏ ‏ مسلم خستہ پہ چلے کرنے جہاد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

کی ہے کھڑی وہ یا بچھا تا کہ ہو کانگریس تباہ ‏ ‏ مانگ رہے ہیں قوم سے کام کی داد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

دوست سے دوست ہے الگ بھائی سے بھائی ہے جدا ‏ ‏ ملک میں پھوٹ ڈال کر ہیں ہوئے شاد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

نیر دیدہ ور نے گر بات کوئی کھری کہی ‏ ‏ اس پہ وہ ہیں بگڑ پڑے کور سواد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

کاٹ کے لی جو دم ہلا سے ماش کی دال کھائیے ‏ ‏ ہم بھی کہیں جو آپ کو پوجیہ پاد مالوی

پوجیہ پاد مالوی پوجیہ پاد مالوی

یکم اکتوبر سنہ ۱۱۱۶ء

[illegible]

مطائبات

اگر بالشت بھر داڑھی ہی ایماں کی علامت ہے
تو پھر فرمایئے سکھوں کو مومن کیوں نہ سمجھیں ہم

سوار ہیں مفتیٔ دہلی پہ ہاتھی ایک مجمع میں
جناب لارڈ ارون کو پڑھاجن کیوں نہ سمجھیں ہم

زمیں انگریز کی اور حکم بابا سے خلافت کا
اندھیرے کو اُجالا رات کو دن کیوں نہ سمجھیں ہم

بحکم شرع ہی ہیں مسنون ڈاڑھی جب بڑھے ہوں
تو پھر ان [illegible] کو محاسن کیوں نہ سمجھیں ہم

لگے ہیں ڈھونڈنے کے واسطے محبت حضرت اعظا
پھر اس بڈھے کو اک معشوق کم سن کیوں نہ سمجھیں ہم

نصاریٰ ہیں جنہوں نے رشتہ جوڑا ہے بنیا اُن کو
مسلمانوں کی بربادی کا ضامن کیوں نہ سمجھیں ہم

ہیں جانبدار لیکن غیر جانبدار بنتے ہیں
پھر ایسے سنگدل کو تیرہ باطن کیوں نہ سمجھیں ہم

۱۲ اپریل سنہ ۱۹۲۹ء

بابائے خلافت اور کامریڈ شوکت عثمانی

اک طرف جلوہ نما شوکت نصرانی ہے
اک طرف چہرہ نما شوکت عثمانی ہے

اک طرف کیک کی اک قاش ہے اور چائے کا دور
اک طرف خون دل اور آنسوؤں کا پانی ہے

اک طرف روح میں خوشنودیٔ تثلیث کا ذوق
اک طرف قید نصاریٰ کی گرانجانی ہے

اشتراکیت اور اسلام کے اس معرکہ میں
دیکھنا کس نے حلیفوں کی فراوانی ہے

بمبئی سے کہیں لے جائے نہ بازی میرٹھ
سائمن کے لئے اتنی ہی پریشانی ہے

---

۲۸ مئی ۱۹۲۹ء

مولانا شوکت علی اور احرار پنجاب

اسلام کے احرار بکے ہندوؤں کے ہات
بابائے خلافت کی یہ ہے تازہ خرافات

اس جھوٹ کا بدلہ انہیں مل جائے گا الآن
دنیا میں ہے جاری اگر آئین مکافات

گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے کرتے ہیں پرہیز
ظاہر ہو نہیں لاہور میں یہ آپ کی عادات

انگریز کی صورت سے بھی بیزار ہیں لیکن
انگریز کے اقبال سے کرتے ہیں موالات

گاتے ہیں شب و روز شفیع اُن کے مناقب
تھا جن کے مثالب کا کبھی مشغلہ دن رات

اُلجھے گا پسینہ کی کمائی سے وہ تا چند
چندوں پہ بسر ہوتی ہو جس شخص کی اوقات

بدنام ہوئے مفت میں سادات بچارے
بابائے خلافت ہی سے ہیں سارے فسادات

بھولے سے بھی اس خطہ کا رخ اب نہ کریں آپ
بدلے ہوئے ہیں کشور پنجاب کے حالات

کام آئیں گے نہ اقبال نہ مہر اور نہ سالک
محفل میں بخاری نے کہیں کی جو مدارات

اور یوں تو تواضع کو ہیں پہلے ہی سے موجود
بابائے خلافت کے لئے [illegible]

۳۰ نومبر ۱۹۲۸ء

لیکن یہ باتیں بعد میں غلط ثابت ہوئیں

پاپائے خلافت

اقبال کے مہماں ہیں پاپائے خلافت
ہے تابش نو شان سے اعضائے خلافت

توحید کی تثلیث سے ہوتی ہے موالات
پاپا سے خلافت ہوئے پاپائے خلافت

لاہور میں ہوتی ہے حریفوں کی لبس گرم
یہ بھی ہے شتر غمزۂ لیلائے خلافت

پاپائے خلافت ہوں اگر قافلہ سالار
پہنچا دیں نہ کیوں راہ میں کالائے خلافت

آئینۂ امروز میں ہم دیکھ رہے ہیں
تصویر زبوں حالی فردائے خلافت

ڈر ہے کہیں اس نام سے ہو جائے نہ بیزار
پنجاب جو اب تک بھی ہے شیدائے خلافت

شوکت سے یہ کہہ دو کہ خلافت سے نکل جائے
ہے ورنہ یہی ڈر کہ نہ مٹ جائے خلافت

۱۴ نومبر ۱۹۲۸ء

گوری بلا

امریکہ کے بت خانے سے اندور کی خاطر — لائی ہے ترشوا کے ہوس ایک خدا اور
ہے کوئی جو اس بت کے پجاری کو بتا دے — مشرق کی ہوا اور ہے مغرب کی فضا اور
اک کالی بلا سے ابھی پیچھا نہیں چھوٹا — ساتھ اپنے لگا لائے وہ اک گوری بلا اور

ممتاز نے چھنوائی تھی اندور کی گدی
اب دیکھئے سوغات ملا لائی ہے کیا اور

١٩ جنوری ١٩٢٨ء

روزہ کا صلہ

سائمنی افطار

روزہ داری کے صلے میں ہے نظیر — کیوں نہ قائل اس کے ہوں برنا و پیر
رکھنے والے کا تو جنت ہے [illegible] حق — تو نہ رکھنے والے بھی ہو سکتے ہیں نظیر

مسکرا دیتے ہیں گاندھی دیکھ کر یورپ کا حال
ایشیا میں جس کی ہر تدبیر تلپٹ ہو گئی

ٹاٹ مغرب پہ بچھ گیا سرمایہ داروں کا اُلٹ
کھاٹ مزدوروں کی مشرق میں چھپرکھٹ ہو گئی

توپ کی دوں دوں پہ بھی جھپکے گئی لندن کے چھپٹ
بیٹھ کر پٹخے لگا چرخہ چول پہ جیوٹ ہو گئی

چوسنی آئی ہے جو سرکار کے راون سے کبو
پیچ وہ کام [illegible] کا [illegible] ٹپ ٹپ ہو گئی

بسکہ رگڑی سو برس تک ٹوڈیوں نے اپنی ناک
بے نشاں سرکار کے بنگلے کی چوکھٹ ہو گئی

تیز تھی پہلے ہی کیا کم قادیاں کی ناوبال
ایڈ اردن کا بنیا ناچنا کہ فرسٹ ہو گئی

ٹیڑھیاں گر وہ سناتے ہیں تو یہ تہذیب ہے
کانگریس نے بات سیدھی کی تو منہ پھٹ ہو گئی

ڈاکٹر اقبال کی تقریر الہ آباد میں
جینا اور جینا کے سمجھوتے کا مرگھٹ ہو گئی

دخترِ رز جب پہلے بھی غضب کی تھی شریر
پٹ کے بھولا رام کے گھر اور نٹ کھٹ ہو گئی

کس طرح یہ دیر رہ سکتا ہے غیروں کا غلام
ہر زباں پر جاری آزادی کی جیپ رٹ ہو گئی

قید سے جس دن رہا ہوں گے اسیرانِ فرنگ
دیکھ لینا تم کہ صلح اپنوں میں جھٹ پٹ ہو گئی

میری پھلواڑی میں لالہ بھی نازباں تک ہے
جس کی آرائش چمن سے تا بہ ساحت ہو گئی

[illegible] ۱۹۳۰ء

ہیکلِ تفریح کے پرستار

اس درجہ نصاریٰ کی وہ تعظیم کریں گے
خود اپنی شریعت ہی میں ترمیم کریں گے

رکھیں گے روا دین کے ناموس کی توہین
انگریز کے آئین کی تکریم کریں گے

کہہ دیں گے جو اغیار کہ اسلام ہے ناقص
بے چون و چرا اس کو وہ تسلیم کریں گے

دنیا کے کسی مسئلہ پہ ہوگی اگر بحث
قرباں یہ وہاں دین کی تعلیم کریں گے

پاپائیوں سے بھی جو ابھی تک نہ ہوا تھا
وہ کام کہ فرزند براہیم کریں گے

مل جائے گی ان کو بھی تفریح کی خرافات
جب عالم کی میراث کو تقسیم کریں گے

جس قوم کی فطرت ہی سے آگاہ نہیں ہیں
کیا خاک یہ اُس قوم کی تنظیم کریں گے

---

۱۹ اکتوبر ۱۹۲۹ء

سلام کا جواب ککڑوں کوں

چوبِ نقارۂ باطل پہ پڑی دھلی یوں
پردۂ گوش سے ٹکرائی اس کی ڈوں ڈوں

میں نے لکھا تھا "زمیندار" میں اک "تازہ سلام"
جس سے رہ رہ کے ٹپکتا تھا مرا سوزِ دروں

اس پہ "ہمدرد" کے علامہ و فہامہ مدیر
بادۂ ترش نشے اس درجہ کہ کیا عرض کروں

گالیوں پر اتر آئے کہ بغیر از شبوات
کبھی آتا نہیں حضرت کی طبیعت میں سکوں

لکھنؤ کی کسی بھٹیاری نے بھی آج تلک
نہ کیا ہو گا شرافت کا اس انداز سے خوں

صبح کے وقت دعا مانگی تھی میں نے اک دن
کہ مری دولتِ ایماں ہو الٰہی افزوں

آپ کو سوجھی ہے اس پر یہ انوکھی پھبتی!
کہ میں مرغوں کی طرح بانگ دیا کرتا ہوں

گر صحافت میں ہے تہذیب کا معیار یہی
کہ دعا کو بھی کوئی کہنے لگے "ککڑوں کوں"

تو عجب کیا ہے کہ ان جیسے زباں والے
آدمی زاد کو کہنے لگیں ڈھینچوں ڈھینچوں

۲۸ نومبر ۱۹۲۶ء

علماءِ اُمت مولانا محمد علی کی نظر میں

الم نشرح حقیقت عالمانِ دیں کی ہے مجھ پر
یہ ذرّے خاک کے ہیں ماہ و پرویں ہو نہیں سکتے

قدوری اور بخاری چاٹ لینے سے ہے کیا حاصل
کتابوں کے یہ کیڑے عالمِ دیں ہو نہیں سکتے

ہر استفتا پہ فتوے اپنے ڈھب کے جب یہ دیں اُن
مرے قانون کی مسندان کے آئیں ہو نہیں سکتے

ہزیمت بارہا دی ہے انہیں میری عزیمت نے
مری مانند یہ عصفور شاہیں ہو نہیں سکتے

دبانا چاہتا ہوں ان کی دکھتی رگ کو چھو چھو کر
یہ منشی مجھ سے ہرگز بر سرِ کیں ہو نہیں سکتے

پہنچ سکتے ہیں کب مجھ تک لنگی یہ چال اُلٹی
پیادے اپنی ان چالوں سے فرزیں ہو نہیں سکتے

پڑیگا منہ میں گھمسان کا رن جب تو دیکھو گے
حریفِ رستمِ دستاں یہ گرگیں ہو نہیں سکتے

میں جب چاہوں گا تیغ کے الٹوا کا کام دیدوں گا
کہ ہرگز بے اثر میرے فرامیں ہو نہیں سکتے

نہ توحید ہی کیا ... کتاب اللہ و سنت بھی
عروسِ کوچۂ چیلاں سے کابیں ہو نہیں سکتے

۸ نومبر ۱۹۲۶ء

ٹوڈی کی آمد آمد

حق کی تلوار کو کھینچے ہوئے اسلام آیا
خیلِ باطل کے لئے موت کا پیغام آیا

سالک و مہر و حبیب ایک ہیں جن کا مذہب
نت نئی اُن کو سکھاتا ہوا دشنام آیا

مہر صاحب جو مقطع ہیں تو سالک ہیں منشو
میل اِن دونوں کا برطانیہ کے کام آیا

صلہ پائے خلافت کو ملا "سائل" کا
زکریا کا مرے حصہ میں انعام آیا

افقِ ہند کے ڈوبے ہوئے تارو! نکلو
کہ وہ خورشید جو رخشاں بقالب بام آیا

بزمِ احرار میں مستِ دھوم کہ آیا ٹوڈی
کاسہ لیسوں کے لئے زہر بھرا جام آیا

۱۲ مئی ۱۹۲۹ء

تقدیر کے گھڑیال کی ٹن ٹن

خدا گر عقل دے ہندو سبھا کے رہنماؤں کو
تو رخ اپنا بدل لیں دیکھ کر چلتی ہواؤں کو

فضا میں دھجیاں اک روز انکی اُڑنے والی ہیں
ہمارے خوں سے کر دیکھیں وہ سُرخ اپنی قباؤں کو

سلامت بچ نکلنا تھا اگر جاتی کو طوفان سے
تو کی تھی ناؤ کیوں اس نے سپرد ان ناخداؤں کو

بجز اس کے کہ پھوٹے انکی تقدیر اور ہماری بھی
ہوا حاصل نہ کچھ بھی سنگٹھن کے دیوتاؤں کو

ٹپکتا ہے زباں سے شہد رستا زہر ہے دل سے
سمجھتے خوب ہیں ہم مالوی جی کی اداؤں کو

انہیں ٹھکرا دے گا رائل کمیشن آ کے لندن سے
کہ ٹھکرایا انہوں نے کانگرس کی التجاؤں کو

اگر کر لیں مسلمانوں سے مل کر کوئی سمجھوتا
تو اب بھی ٹال سکتا ہے خدا ساری بلاؤں کو

---

۱۰ نومبر ۱۹۲۰

سیواجی اور شوکت علی

دل علی دل کی جلن کا ماجرا کہنے لگے　　تھیں جو ان کہنی وہ باتیں برملا کہنے لگے

جس پہ کھلتی تھی زباں منہ پر وہ بات آج آ گئی　　اے خدا اب تجھ کو ہم اپنا خدا کہنے لگے

مصلحت میں بیٹھے پڑتے ہیں جن کی جان کو　　رند عالم سوز انہیں منہ پر برا کہنے لگے

جی حضوری ہو گئے یا ست بچن بن گئے　　آپ کیا کہہ کر گئے تھے اور کیا کہنے لگے

کانگرس پر جب سے غالب آ گئی ہندو سبھا　　مالوی جی کو وہ اپنا دیوتا کہنے لگے

اس پہ پیرد کو جو لندن لے کوئی کیا کہے　　دیوتا زاد دل کو جو احمق گدھا کہنے لگے

جب سے سیواجی کو اپنانے لگے شوکت علی
ڈاکٹر منجے انہیں اپنا چچا کہنے لگے

---

۲۷ مئی ۱۹۲۷ء

فکاہات

جواہر لال نہرو کی گرفتاری مبارک ہو
وطن کو جنگِ آزادی کی تیاری مبارک ہو

شراب خانہ ساز آئی ہے مشرق کے خمستاں سے
قدح خواروں کو اس صہبا سے سرشاری مبارک ہو

نمک غیروں کے گھر کا کھائیں بیشک شوق سے کوئی
ہمیں اب اپنے گھر کی نمک خواری مبارک ہو

کسی کی آنکھ کی رونق ہو سرمہ خاکِ دہلی کا
کسی کو خاکِ لندن کی پرستاری مبارک ہو

چلو لندن میں جا کر سائمن کی ہیر کے بیٹے
تمہیں آدھی مبارک ہو ہمیں ساری مبارک ہو

مبارک باد دو جا کر ان رجعت پسندوں کو
تمہیں ٹھیکرا مبارک ہو ہمیں لاری مبارک ہو

لڈو

چنا خوانِ تخیل رات نعمت خانِ عالی نے ۔۔۔ اور اس پر چن دیئے نزدیک کے اور دور کے لڈو

صلا پھر اس طرح دی سر شفیع اور انکی ٹولی کو ۔۔۔ سمجھتے ہو جنہیں تم لوگ موتی چور کے لڈو

تصور میں مزے لیتے رہو چند اور دن ان کے ۔۔۔ کمیشن خود بتا دے گا کہیں یہ بور کے لڈو

لئے متھرا کے پیڑے ہم نے لڑ کر مالوی جی سے
نمک خوارانِ لندن کو ملے کافور کے لڈو

---

۱۵ دسمبر ۱۹۲۷ء

جنرل ڈائر کی یادیں

نثر خود گفتہ حالا نظم من شنو

ولایت میں کھلا جب نامۂ اعمال ڈائر کا ۔۔۔ طراز نامہ تھا نامِ گرامی اوڈوائر کا

خرِ عیسیٰ

دی مولوی داؤد کو چڈی جو پولس نے | احباب نے پوچھا بہ تعجب کہ یہ کیا ہے!
کیوں لد کے چلے دوشِ حکومت پہ حضور آج | حضرت کی سواری کا طریقہ یہ نیا ہے!
فرمانے لگے بس کہ ہمیں عالمِ دیں ہوں | اور مرتبہ سرکار میں عالم کا بڑا ہے
اس واسطے مرکب کے عوض فرطِ ادب سے | خود اپنے تئیں پیشِ حکومت نے کیا ہے

ہے فخر یہ بندہ کو کہ مری ران کے نیچے
خود حضرتِ عیسیٰ کی سواری کا گدھا ہے

مارننگ پوسٹ لندن

مارننگ پوسٹ نے بھیجی ہے یہ پتی دھمکی | آپ کی گردن اڑا سکتے ہیں تلوار سے ہم
مدعیِ سلف گورمنٹ کے ہیں جو احرار | انہیں تعبیر کیا کرتے ہیں اشرار سے ہم

ہند کی شوخیٔ تقریر کا معقول جواب — دب گئے اور دیتے ہیں تلوار کی جھنکار سے ہم

نہیں شوریدہ سروں سے ہمیں کچھ بھی سروکار — کام رکھتے ہیں رعایائے وفادار سے ہم

مارننگ پوسٹ کو پہنچے یہ ہمارا بھی پیام — ڈر نہیں سکتے کسی آپ کی للکار سے ہم

ہم رعایا ہیں خدا کی جو ہے رحمان و رحیم — نہ ڈریں گے کسی سفاک ستمگار سے ہم

ہے پیمبر کی غلامی ہمیں سرمایۂ ناز — پا رہے ہیں، وظیفہ اسی دربار سے ہم

درس عبرت کبھی قیصر نے پڑھایا ہم کو — سن چکے ظلم کا انجام کبھی زار سے ہم

بات جو حق ہے زبانوں سے وہ نکلے گی ضرور — باز آئیں گے حقیقت کے نہ اظہار سے ہم

"وعدہ اللہ" اگر سچ ہے اور اس میں نہیں شک — تو نکالیں گے یہ مہرہ دہن مار سے ہم

"لا تخف" کی ہے تیا نیت دوش مسلم — نہیں اب تک پھرے اس عہد اس اقرار سے ہم

رشتۂ مہر و وفا سا نہ ہی اس کے لیکن — توڑ سکتے نہیں اسلام کی سرکار سے ہم

گر خلافت کی صیانت میں خلل آئے ذرا — نہ ڈرے ہیں نہ ڈریں گے رسن و دار سے ہم

جس میں اسلام کی اجڑی ہوئی شوکت کام آئے — کام رکھتے نہیں اس قیصر طلا کار سے ہم

جام ٹوٹا ہے تو کیا جام سفالیں ہی تو ہے — اور لے آئیں گے اسلام کے بازار سے ہم

ہند میں رشتۂ اسلام ہے اس سے محکم — پھر نہ کس واسطے مانوس ہوں زنار سے ہم

آپ تلوار کی دھمکی ہمیں کیوں دیتے ہیں — خوب واقف ہیں گورنمنٹ کے اسرار سے ہم

جبر کا عہد گیا وقت مدارا آیا! — اور سنتے ہیں یہ باتیں در و دیوار سے ہم

جلیانوالہ کا افسانہ ہُوا خواب و خیال　　خوں کے دریا کی نکل آئے ہیں منجدھار سے ہم
نشتر میں آپ دکھاتے ہیں چمک خنجر کی　　کھولتے ہیں رگ جاں نشترِ اشعار سے ہم
آپ کیا چیز ہیں اور آپ کی منطق کیا چیز
مہرباں آج سے باز آئے اس اخبار سے ہم

یکم مارچ ۱۹۳۰ء

محافظین حقوق اسلام

اسلام کے حقوق کی مٹی خراب ہو　　گر کفر سے نہ دست و گریباں ہو انقلاب
سب سے بڑا یہ حق ہے کہ یوم النشور تک　　فارغ ہو احتساب سے پنجاب میں شراب
فیروز خاں نون حکومت کو ساتھ دیں
جب لاٹ سے وہ ملک کو دے بات کا جواب

معارف

توقع خیر کی رکھو نہ لبرل سے نہ ٹوری سے
کبھی آٹا نکل سکتا نہیں چوہے کی بوری سے

رسن سازان مغرب گرچہ اپنے فن میں یکتا ہیں
نہ سیکھا باندھنا ہم کو مگر احساں کی ڈوری سے

دگر بھی ہو وہی لاٹھی بھی اب تک ہے وہی اس کی
حکومت کیا کرے معذور ہے آنکھوں کی کوری سے

گلی میں آگ لگنے کا تجھے لندن نے غم کیا
کہ تنا آگ لگتے ہی نکل جاتا ہے موری سے

پٹ انگاری جو ملتاں اور قیصر پہ سنگی ہے
چرا لائے ہیں شاید مالوی جی چورا چوری سے

یہ دولت مانگنے سے آدمی کو مل نہیں سکتی
گر آزادی کی خواہش ہے تو چھینو سینہ زوری سے

بین الاقوامی انجمنیں

روس زخمی ہے تو المانیہ ہے بے پر و بال
رہا اٹلی سو ہے بیماری کی اکھڑی ہوئی سانس

پڑ نہیں سکتی جھپٹنے پہ چچا سام کی زد
جس سے اندیشہ ابدا ہو وہ طاقت ہے فرانس

شیر برطانیہ اب سب کو کہیں سنتا ہے
نہ جگر میں ہو جو اٹکی ہوئی اسلام کی پھانس

خیل نمرود کو ڈر ہے تو فقط اتنا ہے
کہ کہیں دجلہ کی دلدل سے نکل آئیں نہ ڈانس

پھرتے ہیں اہل فلسطین کئی باندھے ہوئے لٹھ
اور بریلی سے چلے جا رہے ہیں بانس پہ بانس

قادیانی خرافات

کاتب عبدالجبار مست گوندوی

قادیانی خرافات

آسماں پر یوسف نجار کا بیٹا کہاں
کیا دھرا اس نیلے نیلے گنبد بے در میں ہے

جا بسا تھا بھاگ کر کنعاں سے وہ کشمیر میں
آخری بن کا ٹھکانہ بھی اسی کشور میں ہے

عیسیٰ مریم کی اس توہین کا سودا لئے خام
ایک مدت سے سمایا قادیاں کے سر میں ہے

چھپ رہے ہیں جس کے اندر محشرستاں سینکڑوں
اے مسلمانو وہ فتنہ خود تمہارے گھر میں ہے

جس کی زد میں آچکا ہے غیرت دین مبیں
وہ صلیب افروز چنگاری اسی مجمر میں ہے

آج انصاف اس ستم کا جو ہوا اسلام پہ
دست رب کعبہ میں یا دست پیغمبرؐ میں ہے

جن پچاس الماریوں پہ تھا غلام احمد کو ناز
حشر ان کا کاتب تقدیر کے دفتر میں ہے

"انقلاب" "الفضل" کی ڈھولک بجائیں شوق سے
خیر کی رونق کا ساماں ہی ہجوم شر میں ہے

ہم کو ان آتش زنوں ہیزم کشوں سے ڈر نہیں
نوبہار ابراہیم کا شعلۂ آذر میں ہے

رک نہیں سکتی مرے خامہ کی لاہوتی اڑان
طاقت جبریل تک اس کے بال و پر میں ہے

مرزائیت

فی البدیہہ

کل نسیم سحر خبر لائی — ہیں بڑے ہی خبیث مرزائی
"الحکم" کی ہے ذات میراثی — تو ہے "الفضل" قوم کا نائی

اِن رذیلوں میں کچھ شریف بھی ہیں
سبزہ کے ساتھ مل گئی کائی

قادیاں

خدا آباد رکھے قادیاں کو پھر غنیمت ہے — کہ مضمون غیب سے کوئی نہ کوئی آہی جاتا ہے
بشیر الدین محمود اس دبستاں کے معلم ہیں — ارسطو جس میں فرطِ عجز سے گردن جھکاتا ہے

یکم ستمبر ۱۹۱۷ء

قادیانی پروپیگنڈا

اپنی جیبوں سے رہیں سارے مسلمان ہشیار
کچھ ہو آتے ہیں مہاجرین کو چندے کیلئے

شاہ برطانیہ کی سالگرہ ہے اس دن
یہ اشارہ ہے ہر اللہ کے بندے کیلئے

گردن ملت مرحوم کو پھیرنا کا ہے
نام تو ہے یہ تثلیث کے پھندے کیلئے

قادیاں کو غرض اسلام کی تبلیغ سے کیا
یہ تگ و دو ہے فقط پیٹ کے دھندے کیلئے

اب بھی کیا دیجئے گا چندہ بشیر الدین کو
شیر مال اور کباب اور پسندے کیلئے

الحذر

تم اپنے جبر پہ نازاں ہو وقت سے پہلے
تباہ ہے جبر کی افتاد ناگہاں سے بچو

بچا لیا تمہیں توپوں نے اور تفنگوں نے
مگر تو اب ہے زد مظلوم کی فغاں سے بچو

خدا نے تم کو بصیرت اگر عطا کی ہے
تو قادیانیوں کے تیرِ بے کماں سے بچو

دشمنوں سے خطرناک تر ہیں اندیشے
گر ان کی ایسے بچو ہو تو ان کی آل سے بچو

جو بات بات میں تم کو حرامزادہ کہیں
ہر ایسے سفلۂ بداصل و بدزباں سے بچو

بچو فرنگ کے چیلوں کی سب بنا ہی سے
اُس طریق سے جس طرح قادیاں سے بچو

نہیں پسند غلامی اگر نصاریٰ کی
تو "انقلاب" اور "الفضل" و "الاماں" سے بچو

نہ لاؤ دل میں وہ ظن جس سے شرع منع کرے
گناہ جس سے ہو پوشیدہ اس گماں سے بچو

اگر عزیز ہے آزادیٔ وطن تم کو
تو سر شفیع کے گمراہ کن گماں سے بچو

پیام دے کوئی احباب کو یہ جا کے مرا
لبِ سبیل پہ بیٹھے نہ اترو اس امتحاں سے بچو

نہیں ہے خونِ شہید اس لئے کہ مفت بہے
خدا کے واسطے ایثارِ رائگاں سے بچو

بچو خدا کے غضب سے تو ایک بات بھی ہے
یہ کیا کہ خطرۂ خشمِ خدائیگاں سے بچو

نبی کی غصہ میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈرو
عتابِ حضرتِ آقائے دو جہاں سے بچو

خدا ہیں اور بھی احباب تا کہاں تک میں
بتائے جاؤں یہ تم کو فلاں فلاں سے بچو

۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء

سطوتِ کبریٰ کے حریفوں کا انجام

قادیاں خوش ہو کہ بر آئی ترے دل کی مراد — آخر آہی گئی کشمیر میں فوجِ انگریز

اگر انگریز ہے دولہا تو ہے تو اُسکی دلہن — مل گیا تجھ کو ہری سنگھ کی دولت کا جہیز

کیوں نہ اب اُڑنے لگے تیری نبوت کا سمند — چھیڑتی ہے جسے یورپ کی صلیبی مہمیز

خوانِ اسلام سے چندہ کا نہ کر لقمہ طلب — جبکہ بچھا دی گئی ہو تیرے لئے کفر کی میز

چاک کر شوق سے ایماں کا گریباں کہ ہوا — بالکل آزاد تر از دستِ گریباں آویز

دھجیاں نامۂ سالارِ دو عالم کی اُڑا — لے کہ تجھ کو نہ رہا یادِ مآلِ پرویز

ہر وہ قوت جو ہوئی سطوتِ کبریٰ کی حریف — اُس کو میدانِ فنا سے نہ ملی راہِ گریز

آج تک خاک میں ملتی چلی آئی ہے
ہر وہ طاقت جو مسلماں سے ہوئی گرمِ ستیز

---

۹ ستمبر ۱۹۳۱ء

ذَالِکَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْم

دیا گیا ہمیں پیرایۂ ظرافت سے
ملا جناب کو سرمایۂ سخافت ہے

ہے آپ کے لیے مسندِ مجددیت کی
مگر ہمارے لیے کرسیٔ صحافت ہے

مضاف الیہ جو امروہہ ہے تو آپ مضاف
یہ بیچ میں ہیں تو قادیاں اضافت ہے

"اگر پیالہ ہے کبریٰ تو ہے سبو صغریٰ"
وہ کہہ رہے ہیں کہ تجدید ہی خلافت ہے

"پیامِ صلح" اُدھر ہے تو ہے اِدھر "تشحیذ"
نبی کی شرع کے حق میں ہر ایک آفت ہے

دورِ جاہلیت کی یاد

زنداں کی تنہائی میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی یہ اپنی گنہ گاری اس طرح گنگناتی ہوئی سُنی گئی:-

بشیر الدین محمود اس لئے مجھ پر بگڑتے ہیں
کہ دورِ جاہلیت میں مرا دل اُن پہ مائل تھا

زکوٰۃِ حسن دینے میں ذرا وہ بخل کرتے تھے
مگر میں بے سلیقہ ملتا نہ تھا ایسا ہی سائل تھا

وہ ٹھکراتے رہے اپنے سراپا سے مجھے لیکن
مرا ہاتھ اُن کی نور افروز گردن میں حمائل تھا

نگاہِ رشک سے دیکھا مجھے الفضل نے برسوں
میں اُن کے ابروئے خمدار کے خنجر کا گھائل تھا

انہیں ہے قادیاں میں آج کل دعویٰ خدائی کا
بتوں کی اس خدائی کا میں پہلے ہی سے قائل تھا

۱۳ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

قادیاں کا تھیٹر

قول فیصل

إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

ترجمہ:۔ اگر تم ہمارا مضحکہ اڑاتے ہو۔ تو ہم تمہاری تضحیک تم پر الٹ دیتے ہیں تمہیں جلد معلوم ہو جائیگا۔ کہ رسوا کرنے والا ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے۔ ہم پر یا تم پر

اے طبع رسا آج ترا رنگ جما دوں	اور شوخیٔ تحریر کا اعجاز دکھا دوں
پہلے سبق حق تجھے قرآں سے پڑھا دوں	تنہا تجھے پھر لشکر باطل سے لڑا دوں
جو حیلہ نہ سوجھا ہو کبھی تجھ کو سجھا دوں	جو چال نہ چلنی تجھے آتی ہو سکھا دوں
انساں کی بازی پہ اگر جان لگا دوں	شطرنج میں طاغوت پرستوں کو ہرا دوں
گرمیٔ طیش سے غیرت کو ہوا دوں	اک پھونک میں طاغوت کی مشعل کو بجھا دوں
گر برقِ ہیبت کو تڑپ کر میں گرا دوں	اک آگ خرافات کے خرمن میں لگا دوں
اسلام کے انعام یہیں سارے گنا دوں	دیں کے لیے کیوں عقدِ ثریا کو ہلا دوں

کچھ فرق بروز اور تناسخ میں نہیں ہے — انکار ہو جن کو انہیں اقرار کرا دوں

جن کو نہ ہو کچھ پاس پیمبر کے ادب کا — چن چن کے میں اس قوم کو مٹی میں ملا دوں

اسلام سے جس قوم کو ہے کچھ بھی محبت — میں اس کے لیے راہ میں آنکھوں کو بچھا دوں

غصہ آئے لیکن آ جائے مجھے پیار — دشنام وہ دے مجھ کو تو اس کو میں دعا دوں

لیکن جنہیں اسلام کی تضحیک ہے منظور — کس طرح میں اُس قوم کی باتوں کو بھلا دوں

پھر کس لیے دریائے معانی نہ رواں ہو — جس میں انہیں مثل خس و خاشاک بہا دوں

انگشتِ شہادت سے ضلالت و ہبل کی
مسند ابد الآباد اشارے سے گرا دوں

یکم نومبر ۱۹۱۷ء

سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اُنکے دیرینہ نور نظر

کس ناز سے فرماتے ہیں امیر شریعت — یارب کا دشمن ہے یہ کمبخت بخاری

بھیجا یہ بخاری نے نہ ہیں ارشاد پیغام — معشوق جو دیتا ہے تو گالی بھی ہے پیاری

۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

احادیث قادیاں بروایت بخاری

خدا شرمائے اس ظالم ثناء اللہ کو جس نے ۔۔۔ نہ چھوڑا قبر میں بھی قادیانیت کے بانی کو

خدا نے عقد خود باندھا تھا جس کا اپنے باوا[1] سے ۔۔۔ اڑا کر لے گئے غیر اس عروسِ[2] آسمانی کو

نشاط افروزیاں رودِ بیاس اور اس کے ساحل کی ۔۔۔ دوبالا آج دن کرتی ہیں لطفِ زندگانی کو

دبستانوں میں درسِ مثنوی فی النوم آج ملتا ہے ۔۔۔ شبستانوں میں دہراتے ہیں اس رنگیں کہانی کو

بخاری نے جسے تاکا تھا دورِ بدایت میں ۔۔۔ وہ شانِ کودکی پہنچی ہے اب اپنی جوانی کو

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے ۔۔۔ مرے گر کعبہ میں لندن میں گاڑو قادیانی کو

مری تخییل کی جولانیاں بھی دیکھتے جانا
اگر دیکھا تو کیا دیکھا سمندر کی روانی کو

---

۱۵ جولائی ۱۹۳۱ء

[1] انا منک وانت منی بمنزلة اولادی
(مرزا غلام احمد قادیانی کا الہام)

[2] محمدی بیگم

حدیث قادیاں

رواہ بخاری

حقیقت قادیاں کی پوچھیے ابن جوزی سے — نکوکاری کے پردے میں سیہ کاری کا حیلا ہے
یہ وہ تلبیس ہے ابلیس کو خود ناز ہے جس پہ — مسلمانوں کو اس رندے نے اچھی طرح چھیلا ہے
پلی ہے مغربی تہذیب کے آغوشِ عشرت میں — نبوت بھی رسیلی ہے پیمبر بھی رسیلا ہے
نصاریٰ کی رضاجوئی ہے مقصد اس نبوت کا — اور ابطال جہاد انجاح مقصد کا وسیلا ہے
بیاں اور اس کی موجیں لے اُن کی تیغ غمازی — کہ پوتا قادیاں کے رب اکبر کا رنگیلا ہے

کیا صاد اس پہ ایک گل پیرہن کی آپ بیتی نے
بخاری کی یہی اب تک روایت تھی کہ ڈھیلا ہے

[illegible]

۱۷ جون ۱۹۲۹ء

قادیانی ایجنٹ کا جواب تو قبیصی تھپیڑ

"الفضل" قادیان مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۱ء میں ایک شاعر نے مجھے یوں مخاطب کیا:-

بُری طرح قادیاں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ظفر علی خاں
سمجھ پہ کیوں پڑ گئے ہیں پتھر یہ کیا فتنہ اٹھا رہے ہیں!

جناب محمود کو بُرا کہہ کے کیا ملے گا سوائے ذلت
یہی نا، جو کچھ رہی تھی عزت اُسے بھی دل سے گنوا رہے ہیں

وہ اپنی مسجد الگ چنیں گے ہزار دنیا بنے مخالف
انہیں یہ ضد ہے کہ کیوں مسلماں ایک مرکز پہ آ رہے ہیں

نفاق کی آندھیوں سے اک دن اڑا کے رکھ دیں گے قصرِ مسلم
کبھی تو ملت بنا رہے ہیں کبھی تو کافر بنا رہے ہیں

وہ کانگرس پہ فدا کہیں گے بقول مقبول کی شریعت
وہ اپنے کاندھوں پہ آج مسلم کا جنازہ اٹھا رہے ہیں

وہ کانگرس جس کا مقصدِ اولیں مٹانا ہے نامِ مسلم
اُس کی حرمت پہ کٹ رہے ہیں اُس کی عزت بچا رہے ہیں
بڑے بڑے کانگرس کے بندے ہیں آج مسلم کے خون کے پیاسے
یہ گیت ہندو کا گا رہے ہیں یہ الٹی گنگا بہا رہے ہیں

اس کا جواب ذیل میں دیا گیا:-

یہ فتنہ پرداز قادیانی نئے نئے گل کھلا رہے ہیں
اُدھر رقیبوں سے مل رہے ہیں اِدھر ہمارے گلے آ رہے ہیں
منافقوں کی یہ ہے نشانی زباں پہ دیں ہو تو کفر دل میں
اسی نشانی سے قادیانی تعارف اپنا کرا رہے ہیں
یہ ہیں جو "سیرۃ النبی" کے یہ رہزنِ عشقِ مصطفیٰؐ کے
جنہیں سمجھتے ہیں رات کا رہزن انہیں کو محافظ بنا رہے ہیں
ہماری تذلیل شریعت کے نام پر دیں سبھی نہ دھوکا
اسی شریعت کی آڑ لے کر وہ سب کو الو بنا رہے ہیں
پڑا ہے چھینٹے کا بیج پھندا گلے میں ان قادیانیوں کے
بانی کی حسرت بجا ہے کہ یہ لہو سے دکھلا رہے ہیں

بقیہ بر صفحہ ۶۷۳

قادیانی بھٹیاری

اے کہ ہے اپنی رواداری پہ تجھ کو فخر و ناز
قادیاں میں کافروں کی مومن آزاری بھی دیکھ

خواجۂ اجمیر کی درگاہ دیکھ آیا ہے تو
اب بہشتی مقبرہ کی چار دیواری بھی دیکھ

ترمذی کو اور بخاری کو رٹا تو کیا ہوا
قادیاں جا اور غلام احمد کی الماری بھی دیکھ

تو نے اپنی فوج کی دیکھی قواعد مدتوں
اب نصاریٰ کے رضاکاروں کی تیاری بھی دیکھ

کاٹنا مقصود ہے اسلام کا جس سے شجر
قادیاں کے لندنی ہاتھوں میں وہ آری بھی دیکھ

مشیٔ فی النوم اور اس کے فلسفہ پر کر نظر
قادیاں کی نازنینوں کی طرح داری بھی دیکھ

سن لے اپنے کان سے "الفضل" کی گالی گلوچ
لکھنؤ شرما گیا جس سے وہ بھٹیاری بھی دیکھ

آج آتا ہے نظر گر تجھ کو باطل سربلند
اپنی آنکھوں سے کل اس کی ذلت و خواری بھی دیکھ

---

۲۱ ستمبر ۱۹۳۲ء

فتنۂ آخر زماں

اَلْقَادِیَانُ مَا الْقَادِیَانُ وَمَا اَدْرٰیکَ مَا الْقَادِیَان

اے قادیاں اے قادیاں تجھ سے یہ شکوہ ہے مجھے
پیدا کیا کرتا ہے جو ہر شب نبی اک حور کو

جس نے ہنسایا تاج کشمیر اور میسور کو
جس کی ریش خونی کی میو کو اور اچھور کو

نکلوں دمشق کو رخ سیا اندلس کی وادیاں

اے فتنۂ آخر زماں اے قادیاں اے قادیاں

پیشہ ترا ایمان ہے گالی تری پہچان ہے
جنس نفاق و کفر سے چمکی تری دکان ہے

بہتاں خدا پہ باندھنا تیرے نبی کی شان ہے
الہام جو بھی ہے ترا آوازۂ شیطان ہے

یہ بھی خدا کا آخری اسلام پہ احسان ہے
لقمان کی کشتی میں گر پوشیدہ تیری جان ہے

اے قادیاں اے قادیاں

اے دشمن اسلامیاں

اے فتنۂ آخر زماں

فکاہات

قسم ہے قادیاں کے گلرخوں کی گل عذاری کی
غلام احمد کی الماری پٹاری ہے مداری کی

پرستاں کو نہ شرمائے بھلا قصرِ خلافت کیوں
کہ فصلِ گل ہے اور آمد ہے ابرِ نوبہاری کی

بشیر الدین اور کشمیر کی ہمدردیاں چھوڑیئے ؟
نظر نخچیر سے تم پھیرتے ہو اک شکاری کی

جوابِ "الفضل" کا اُن کی ہنر کی نے تو دیں ہم بھی
آتاریں کیسے لیکن نقل اصواتِ حماری کی

مرے ہر شعر کی زد وہاں سر پہ پڑتی ہے
نہ لائے گا کبھی محمود تاب اس ضربِ کاری کی

یہ مانا بھول جائے قادیاں میرے تحائف کو
مگر کیا بھول سکتا ہے وہ سوغاتیں بخاری کی

---

۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء

"زمیندار" بزبانِ انگریزی

نکل آیا "زمیندار" آج انگریزی زباں میں بھی ؛ یہ جنسِ شرقی پہنچی ہے مغرب کی دکاں میں بھی

پڑا ہے اک نئی آفت سے استعمار کو پالا ؛ پڑی ہے کھلبلی آئی نئی جس سے قادیاں میں بھی

سمجھا ہو تو اب سمجھے گا انگریز اس حقیقت کو ؛ کہ زور اسلام کا ٹوٹا نہیں ہندوستاں میں بھی

کیا تھا جس کی گیرائی نے تسخیر ایک عالم کو ؛ وہ قدرت تو ہے اس خامۂ معجز بیاں میں بھی

سنا ہے تم نے میری شرقی فریاد کو برسوں ؛ یہی جادو ہے میری مغربی طرزِ فغاں میں بھی

نہاں ان میں ہے ہر حرف میرا جاں گزیں ہوگا ؛ وہ فتنہ جو نہیں اغیار کے وہم و گماں میں بھی

ترا فضل و کرم شامل رہا ہر آزمائش میں
الٰہی مجھ کو کر دے کامیاب اس امتحاں میں بھی

۲۵ ستمبر ۱۹۳۲ء

فحاشِ زمان میر قاسم علی قادیانی

یہ چند اشعار فحاشِ زمان دشنامِ دوراں میر قاسم علی قادیانی کے نامِ نامی و اسمِ گرامی سے معنون کئے جاتے ہیں۔

محمد غوث کی مسجد میں کل شب ادھر میں پڑھ رہا تھا سورۃ الناس
اُدھر اپنے شقی مقتدی سے ہیں یہ سازش کر رہے تھے چند خناس
کہ جس کو قادیاں سے دشمنی ہو کرو سب مل کے اس کا ستیاناس
ہمارے ہاتھ سے بچنے نہ پائے کوئی "نقاش" ہو یا کوئی "عکاس"
مغلظ گالیاں دو دو انہیں دو کہ بھولیں اپنی نستعلیق بکواس
جب ان سودائیوں کو میں نے دیکھا لگا کر حکمتِ یثرب کی کمپاس
تو بھیجا اُن کے پاپا کو یہ پیغام علاج اس غلط کا بھی ہے مرے پاس

کھلاؤں گا تمہیں پہلے میں گلقند
پلاؤں گا تمہیں پھر میں اناناس

۱۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

تنگ جب آ گئے شیخ عبداللہ — میرے چبھتے ہوئے سوالوں سے

تو کہا مجھ کو اختلاف نہیں — میرِ واعظ کے ہم خیالوں سے

میں بھی پیتا ہوں اُن کی طرح شراب — رات دن شیرلی پیالوں سے

مذہباً قادیاں سے ہوں بیزار — خوب واقف ہوں اُس کی چالوں سے

ہوں سیاست میں لیکن اُن کا مرید — اور یہ رشتہ ہے چند سالوں سے

میں کلیسا سے لڑ نہیں سکتا — ضد ہے مجھ کو فقط شوالوں سے

"شیر کشمیر" بن گیا ہوں میں — فقط "الفضل" کے مقالوں سے

آہ کیا انقلاب ہے اے شریف — گلے ملنے لگے رذالوں سے

تماشات ہیں زمانے کے

شیر ڈرنے لگے شغالوں سے

۱۱ نومبر ۱۹۳۲ء

قادیاں کی نبوّت

بروزی ہے نبوت قادیاں کی
برازی ہے خلافت قادیاں کی

عداوت حق سے باطل سے محبت
ہے اتنی ہی حقیقت قادیاں کی

ہیں احمق جس قدر ہندوستاں میں
ہے آباد ان سے جنت قادیاں کی

نصاریٰ کی پرستش کے سب اسرار
سکھاتی ہے شریعت قادیاں کی

دمشق اور اندلس کے بھاگ جاگے
بٹی جس وقت لعنت قادیاں کی

مسلمانوں کی آزادی ہو نابود
الم نشرح ہے نیت قادیاں کی

لگے رونے بشیر الدین محمود
بنائی میں نے وہ گت قادیاں کی

حضرت پاپائے قادیاں کے حضور میں

مسرت کی تانیں اڑاتے چلا جا
محبت کی پینگیں بڑھاتے چلا جا

غنیمت سمجھ فرصت عاشقی کو
حسینوں سے آنکھیں لڑاتے چلا جا

تری بات پر گر نہ ایمان لاوے
مسلماں کو کافر بناتے چلا جا

سنا جاہلوں کو نبوت کی باتیں
پیمبر کا رتبہ گھٹاتے چلا جا

بھلاتے چلا جا خدا کے غضب کو
شریعت کی بنیاد ڈھاتے چلا جا

ترے مقبرے کے بہشتی بھی سن لیں
میرے شعر تیجے سے گاتے چلا جا

افسوس کہ [illegible]
تمام کلام [illegible]

خبر ہم نے جس کی دی تھی وہ فتنہ اٹھا ہے قادیاں سے بقیہ صفحہ ۶۶۷
خلیفہ محمود قادیانی اسے قیامت بنا رہے ہیں
ظفر علی خاں کی آبرو پر نہ حرف آیا نہ آ سکے گا
خدا نے دی ہے جب اس کو عزت تو آپ کیوں تلملا رہے ہیں
وہ کانگرس کا ہے گرچہ حامی خدا نہیں لیکن اس کا حامی
یہ وہ خدا ہے کہ قادیانی گن اس کے دن رات گا رہے ہیں

---

۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء

جواہر ریزے

قادیاں کے ایک الہامی قصیدے میں کبھی
بندھ گیا قافیے کی بندشوں میں نام زار

زار کی لفظی رعایت نے سجھایا تھا یہ قول
"زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحال زار"

اس گھڑی کا تھا یہ مطلب خود بقولِ میرزا
اور اس مطلب کی ہے تفسیر ان کا اشتہار

آئے گا اک زلزلہ کانپے گی جس سے کائنات
جس کے جھٹکوں سے گھر گھر میں پڑیگا خلفشار

لیکن اس بھونچال کے آنے کی یہ بھی شرط تھی
سرکش ہو اس سے خود ملہم کی چشمِ انتظار

ان کے جیتے جی تو یہ بجلی نہ گردوں سے گری
پھونکتی جو آدمی کا خرمنِ صبر و قرار

بعد مدت اتفاقاً چھڑ گئی جنگ فرنگ | رنگ لائی مدتوں میں گردش لیل و نہار
زار سے چھنوا دیا قسمت نے اسکا تخت و تاج | کیونکہ قسمت کا نہیں دنیا میں کچھ بھی اعتبار
ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے دولت کسی کی بھی نہیں | صبح کو وہ ہیں گدا جو شام تک تھے تاجدار
ہونی آئی ہے کہ جو راجا تھے پرجا بن گئے | سنتے آئے ہیں کہ آقا ہو گئے خدمت گذار
حال اسی کو غیب کے اسرار کا معلوم ہے | بادشاہی اور گدائی پر ہے جس کا اختیار
لیکن ان باتوں سے مطلب قادیاں والوں کو کیا | جن کی اپنی منطق نے کیا دامان دانش تار تار
موسیو محمود کہتے ہیں کہ زار روس پہ | ان کے والد کی پیشگوئی کی پڑی ہے آکے مار
کوئی ان حضرات سے پوچھے ہو گر ایسا ہی تو کیوں | آپ ولیم کو نہیں دیتے ہیں گدی سے اتار
فرزند اس وقت تک کیوں محو دنیا میں ہے بقید | آپ ہی نے مانتے ہیں باپ کا بھی قصر زرنگار
زار کی تو آپ نے پہلے ہی دے دی تھی خبر | بلجیم کا قادیاں نے کیوں نہ بانٹا اشتہار
مانٹی نگرو کی نسبت کیا ہے ارشاد آپ کا | غیب دانی آپ کی اس کی ہوئی کیوں پردہ دار

اب بھی کر [illegible] پیشینگوئی ہو جائے
ورنہ سمجھو [illegible] اپنا جاتا [illegible]

۷ اکتوبر ۱۹۱۷ء

قادیاں لندن میں

عناد اور بغض کی تصویر بن کر
گئے لندن بشیر الدین محمود

یہ مقصد آپ کا ہے اس سفر سے
کہ سرحد پہ بچھا دی جائے بارود

دکھائی یورپ نے آ کر اس کو جنت
جہنم کی لپیٹ جس میں ہو موجود

یہ ساری سرزمیں پھر بھاپ سے اڑ جائے
اور افغانوں کی جمعیت ہو نابود

کوئی اس دیس کے دشمن کو سمجھائے
کہ ساری کوششیں تیری ہیں بے سود

بھلا برطانیہ کو کیا پڑی ہے
کہ دوزخ میں تیری خاطر پڑے کود

ہے تو بھی کیا کسی کرنیل کی میم
بھگا کر لے گئے ہوں جس کو مسعود

قطعہ تاریخ وفات

شیخ علی احمد جمعدار غفران مکان ولد شیخ غلام نبی مرحوم قانون گوی وو ہیڑہ کاردار عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ ساکن گجرات۔ پنجاب۔

آج اک بزرگ قوم جہاں سے گذر گیا — چاروں طرف بلند ہے واحسرتا کا غل

اس واقعہ سے ہیں متأثر سب اہل شہر — اس غم میں سوگوار ہیں شیخ اور شاب کل

ہر دلعزیز تھا وہ خواص و عوام میں — ازبسکہ اس بزرگ کا مسلک تھا صلح کل

محفل کی رونقیں علی احمد کے دم سے تھیں — ساقی جب اٹھ گیا تو نہ مینا رہا نہ مُل

تاریخ ملہمانہ ہے اس کی وفات کی

گجرات کا چراغ ہوا آہ ہائے گُل

۱۳۱ ۳ ۱۹

۶ جنوری ۱۹۳۲ء

نوح

وہ بیکسوں کے واسطے بنتا رہا سپر — اور سرکشوں کے حق میں وہ اک تازیانہ تھا

تھا مقدرت سے بسکہ وہ بڑھ کر کشادہ دل — کچھ جمع اپنے واسطے اس نے کیا نہ تھا

سمجھے ہوئے تھے اہلِ وطن پیشوا اُسے — سرکار سے خطاب اُسے گو ملا نہ تھا

دہقاں کی ناؤ موج میں تھی ڈگمگا رہی — جب تک کہ اس سفینہ کا وہ ناخدا نہ تھا

کی اس نے آ کے غیب سے اس قوم کی مدد — جس کا بجز خدا کے کوئی آسرا نہ تھا

اس قوم بے زباں کی بنا آ کے وہ زباں — جس میں سے ایک شخص بھی نطق آشنا نہ تھا

وہ پاک نفس تھا غرض اپنی مثال آپ — ذکر اس کا آج خلق میں یوں غائبانہ تھا

شہباز پر پریدہ رہِ آسماں گرفت
مرغے نہ بستہ است کہ دیگر تواں گرفت

یکم جنوری سنہ ۱۹۱۰ء

حبیب نور علیہ الرحمۃ

مرے جگر پہ بھگت سنگھ کا ہے داغ نہاں — نہیں میں بھول سکا ہوں حبیب نور کو بھی

خدائے پاک کی شامل ہوں رحمتیں اس کو — اور اس کے ساتھ شہیدانِ کانپور کو بھی

۱۶ مئی سنہ ۱۹۳۱ء

داغ مرحوم

نقشِ سراب ہستیِ ناپائیدار ہے
شکلِ حباب زندگیِ مستعار ہے

گر عمرِ نوح بھی ہو میسر تو ہمیں کیا
آخر کو ہم ہیں اور وہی کنجِ مزار ہے

بلبل عبث ہے باغ میں ہنگامہ گرم کن
عہدِ خزاں ودیعتِ فصلِ بہار ہے

منزل پہ آ کے راہ روِ جادۂ فنا
دامن کشاں ہو قاعدہ روزگار ہے

باتیں یہ سب درست بجا یہ تسلیاں
تسکینِ دل یہیں پہ کسے اختیار ہے

بچھڑا ہے ہم سے داغ ہمیشہ کو واسطے
دل داغدار ہے مژہ خوننابہ بار ہے

یہ داغ وہ نہیں کہ مہ و لالہ جس کا ہو
اس غم میں شمسِ بازغہ بھی داغدار ہے

ہوتا ہے آج حوصلۂ دل کا امتحاں
زور آزمائے من و زباں کا فشار ہے

ہوتی ہے اس کی مرثیہ خواں آج شاعری
ماتم میں اس کے آج غزل سوگوار ہے

جس کا کلام نازک و رنگین و دلفریب
اردو زباں کو مایۂ صد افتخار ہے

اردو میں جس نے شانِ تغزل وہ دی دکھا
سو جان سے جس پہ طرزِ نظیری نثار ہے

غالب سے نکتہ سنج جسے دادِ شعر دیں
اس کے سخن وروں میں مرا کیا شمار ہے

سونا پڑا ہے باغ کہاں ہے کدھر ہے آ | اے عندلیب گل تو ترا کہاں ہے
تصویر حسن و عشق کی کھنچوائیں کس سے ہم | پردیس میں مصور جادو نگار ہے
کیونکر کسے گا حسن خود آرائیوں کی مشق | مشاطہ کے کرشمہ پہ جس کا مدار ہے
نازاں ہو اسے دکن کہ ترے اشتیاق میں | دہلی سے اڑ کے آئی وہ مشت غبار ہے
دہلی کو جس پہ فخر ہے ہندوستاں کو ناز | جس کے تلامذہ میں ترا شہریار ہے

بزم سخن کی شمع رہے گا کلام داغ
جب تک فلک پہ شمس و قمر کو قرار ہے

مارچ سنہ ۱۹۰۵ء

محمد اکبر خاں مرحوم

المتوفی سنہ ۱۳۲۳ھ

میں آج سنانے کو ہوں حشر نشاں کی زبانی | پہلو میں گداز جگر و دل کی کہانی
دشمن کا کبھی دل جس نے بہانہ نگاہ سے بھر آئے | اس غم کی مجھے آج ہے تصویر دکھانی
سیل آنسوؤں کا آج گذر جائے گا سر سے | گریاں ہی رہے گی مری خونناب فشانی

کرنا ہے مجھے آج جواں بھائی کا ماتم
بنیاد فلک ہے مجھے منظور ہلانی

یہ روز سیاہ بھی مری قسمت میں لکھا تھا
کرنی پڑی اکبر کی مجھے مرثیہ خوانی

رونق مرے گلزار کی تھی جس سے دوبالا
کیا ہو گئی اس سرو خراماں کی روانی

وہ شمع کہ جس سے تھی مری بزم کی زینت
ہر صبح کو نہ لازم تھی سر شام بجھانی

کچھ شک نہیں اس میں کہ یہ دنیا ہے دو روزہ
یہ امر مسلم ہے کہ انسان ہے فانی

لیکن جگر خستہ کے اڑ جاتے ہیں پرزے
یاد آتی ہے اکبر مجھے جب تیری جوانی

چھبیس برس کی بھی نہ ہوئی تھی تیری عمر
کیوں تو نے جدائی کی اس وقت میں ٹھانی

کمبخت قضا سے کوئی شکوہ ہی کرے کیا
اس کو تو مساوات ہے پیری و جوانی

چھٹتے ہوئے توڑ گئے ہو میرا بازو
اچھی مجھے دی تو نے اخوت کی نشانی

ہم جلتے ہیں یہاں سوزندہ غم میں
لازم نہیں جنت میں خوشی تم کو منانی

بیاہے ہوئے کس واسطے تم جان برادر
کس دن کے لئے تھی یہ تمہاری ہمہ دانی

گل باندھ کے سہرا ترے سر آج دریغا
چادر تری تربت پہ پڑی مجھ کو چڑھانی

دیکھو تو ذرا اٹھ کے قیامت کا نمونہ
بالیں پہ تمہارے ہے بپا حشر ثانی

اکبر ترے مرنے کا مٹے گا نہ کبھی داغ
اس پھول کو سینچے گا مرے اشک کا پانی

رونے نہیں ہم ہی ہمیں روتا ہے فقد
کم ہم پہ بپا کی ہیں زیادہ نہیں آدانی

جس قوم سے اٹھ جائیں جواں تم سے ہنر ور
تقدیر کو منظور ہے وہ قوم مٹانی

نئی زندگی اور نیا پیغام

زندگی بخشے جب اغیار کی بیداد مجھے
لاجپت رائے کی موت آئے نہ کیوں یاد مجھے

میری اک آہ سے جل جائے گا ہر حلقۂ دام
پھانستا اس پہ ہے بے فائدہ صیاد مجھے

دل کی بستی کو جو ویراں ہے بس آگ اس میں
اے خدا ہند میں کرنا ہے جو آباد مجھے

وطن و اس کی روایات پہ جس سے حرف آئے
باعث ننگ ہے وہ شیوۂ فریاد مجھے

جو کسی سے نہ دبی ہے نہ دبے گی ابداً
ہو مبارک یہ مری فطرت آزاد مجھے

خود وہ مٹ جائیگا جو مجھ کو مٹانا چاہے
دے رہی ہے یہ شہادت مری اُفتاد مجھے

صبر سے جبر کو میدان میں دوں گا میں شکست
جبر سے یوں نہ ڈرائیں ستم ایجاد مجھے

بیڑیاں میری غلامی کی ٹوٹیں گی کس وقت
خوب معلوم ہے یہ غیب کی میعاد مجھے

اس میں خود جارج ہوں یا ارون و ویجوڈ بن ہوں
دینے والے ہیں مرے عزم کی سب داد مجھے

---

۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء

مفتی محبوب علی شہید

تیرے خوں نے جس سے دہلی کی زمیں ہے لالہ رنگ
ہند میں اسلام کو بخشی حیاتِ تازہ ہے

کفر کے حق میں ہے طوفانِ نوح کا اس کا بہاؤ
اس کی سرخی ملتِ بیضا کے رخ کا غازہ ہے

کلمہ پڑھتا تھا نبیؐ کا اس لئے مارا گیا
تیری مظلومی کا فرش و عرش میں آوازہ ہے

خنجرِ قاتل کلیدِ قفلِ جنت بن گیا
کھل گیا تیرے لئے فردوس کا دروازہ ہے

اینٹ پتھر تک بھی چلنے لگے ہیں آجکل
سنگ فگنیوں کے جنوں کا جوش بے اندازہ ہے

ہر طرف سے ہے مسلمانوں پہ اعدا کا ہجوم
جانتے ہیں منتشر اس قوم کا شیرازہ ہے

منزلِ مقصود پہ آخر پہنچ ہی جائے گا
مصطفےٰ جس کے [illegible] پہ دو بتازہ ہے

---

۱۸ فروری ۱۹۲۷ء

گرامی مغفور

تازہ تھا ابھی دل میں غمِ شررؔ کی رحلت کا
اب خبر یہ آئی ہے چل بسے گرامیؔ بھی

نغز گو ہو بیشک تم اے عجم کے فرزندو
تم سے کم نہ تھی لیکن اُس کی خوش کلامی بھی

شستہ تھی زباں اُس کی پختہ تھا کلام اُس کا
تم دکھا نہیں سکتے اس میں ایک خامی بھی

مہر کی تجلی تھی ہر غزل کے مطلع میں
ماہ کی تمامی تھی جس کی ناتمامی بھی

نغمہ گرچہ ہندی تھا لے مگر تھی شیرازی
سنتے اور سر دُھنتے طالبؔ و امامیؔ بھی

گنجِ شائگاں پاتا اس کے گنجِ معنے کو
خاک گنجہ سے آتا اٹھ کے گر نظامیؔ بھی

جانشیں کوئی اُس کا اب نظر نہیں آتا
کرتے ہیں اسے محسوس میرے جیسے عامی بھی

فارسی کی قدر اٹھی جب سے آئی انگریزی
کیسی سخت آفت ہے ہند کی غلامی بھی

---

۹ جون سنہ ۱۹۲۷ء

مرثیہ آنریبل سید محمود مرحوم و مغفور

اے پارۂ دل آنکھ سے خوں ہو کے نکل جا — اے دیدۂ تر چشمۂ خوں بن کے ابل جا

اے آہِ شرربار کلیجے کو جھلس دے — اے نالۂ جاں سوز سوئے چرخ زحل جا

اے سینہ دمِ سرد کا طوفاں بپا کر — اے مغز تپ سوزش پنہاں سے پگھل جا

اے کوہ الم ٹوٹ پڑا احباب کے دل پر — اے آتشِ حسرت سرِ اعضا پہ پھیل جا

اے برق فنا پھونک دے ارمان کی خرمن — اے کشتِ مراد دلِ حسرت زدہ جل جا

لازم نہیں کرنی تجھے ضد اے جگر اس وقت — رو رو کے نہ اس طور سے مژگاں پہ مچل جا

برپا ہے جہاں میں ترے بدلے کی قیامت — اے حشر ہمیشہ کے لئے آج سے ٹل جا

تجھ سے نہیں کچھ زور ہے اے پنجۂ تقدیر — برگ گل امید کو چٹکی میں مسل جا

باز آئے ہم اس زندگی مرگ نما سے — اے افعی غم تو ہمیں سارا ہی نگل جا

باتوں سے چڑھی ندی اتر جائے گی گویا — ناصح کا یہ فرمان ہے طبیعت کو سنبھل جا

لیونا نہ بنا عشق جو بھلا آج ہم سا! -

محمود ہمیشہ کے لئے ہم سے سدھارا۔

سر سید مرحوم کا وہ نورِ نظر تھا — اس سے بھی سوا ہند کی نظروں میں مگر تھا

تھا قوم حزیں کے لئے سرمایۂ نازش — از بسکہ وہ گنجینۂ صد فضل و ہنر تھا

چھانے ہوئے تھے اس کے معانی یا دقائق — مخزن تھا فضائل کا معارف کا وہ گھر تھا

قانون کے اسرار و غوامض کو خصوصاً — اس کی ہمہ دانی سے تھے مقابل نہ مفر تھا

دل اور دماغ اس کے تھے مافوق حوالی — اپنوں میں نہ موجود تھا مثل اس کے اگر تھا

بیگانے تھے اپنوں سے سوا اس کے ثناخواں — اس درجہ قوی اس کے فضائل کا اثر تھا

عظمت کبھی محسوس نہ اپنی ہوئی اس کو — باطن میں فرشتہ تھا وہ ظاہر میں بشر تھا

میراث میں نانا کی تھا اس کو ملی تھی — ہم سنگ خزف اس کے لئے نقرہ و زر تھا

حصے میں شہر کے سب بستان کہن بھی — پہلے وہ یہیں آ کے کھلا غنچۂ تر تھا

اس باغ کا اک پھول تھا وہ تازہ و خوش رنگ — اس شاخ کا وہ ایک گراں مایہ ثمر تھا

محمود کے مرنے کی ہے دشوار تلافی

ہے صبر کا یہ صدمہ لب جاں کاہ منافی

خوں روئے گا یہ دیدۂ گریاں کوئی دن اور — رکھے گی تری یاد پریشاں کوئی دن اور

جیتی میں تجھے تربت کے پہلوئے پدر میں — جاں کھوئیں گے ہم سوختہ ساماں کوئی دن اور

کچھ گذری ہے اور ہو گی بسر کچھ ترے غم میں — اس مرحلے کے ہم بھی ہیں مہماں کوئی دن اور

پیچھا پدر سے لوٹ گیا تقدیر ہمیشہ — کر لیں ترے ماتم میں فغاں کوئی دن اور

اس سن میں تری موت قیامت سے نہیں کم | رکھتا تجھے روشن تھا یہ زنداں کوئی دن اور
محفل کی ضیا جس سے دوبالا تھی نہ بجھتی | اے کاش کہ وہ شمع فروزاں کوئی دن اور
نوخاستہ بیٹے کو دیا داغ یتیمی | اس سے تو نہ تھا توڑنا پیماں کوئی دن اور
لے دے کے فقط ایک تجھی پر تھا ہمیں ناز | پھر تجھ پہ نہ کیوں ہم رہے نازاں کوئی دن اور
جو قوم میں اچھے ہیں وہ یوں جاتے ہیں مٹتے | مہماں ہیں دنیا میں مسلماں کوئی دن اور
تو قوم کی خدمت میں رہا باپ کا پیرو | یاد آئیں گے ہم کو ترے احساں کوئی دن اور

مرحوم کو دے خلد میں خالق اکبر
نعم البدل سید محمود عطا کر

جولائی ۱۹۰۳ء

مستقل نظمیں!

عید الفطر

١٣٤٤ھ

عید آئی لیکن اس کی کیا خوشی پنجاب کو
چھڑ رہی ہے جب کہ ماتم کی صفیں بنگال میں

کیجیے قسمت سے دعویٰ ہیں ہم مسلمانانِ ہند
مل نہیں سکتا خوشی کا ایک دن بھی سال میں

کب دکھا سکتے ہیں کھا کر گوشت سر عبدالرحیم
جو کرامت مالوی جی نے دکھائی دال میں

شکر شیعوں سے نہ چھوٹے ہاتھ ابھی بکھیڑوں میں گیا
حال سے جو بچ نکلیں گے جا کے استقبال میں

طور سینا اور تھا کاشی کی وادی اور ہے
آئے موسیٰ یہاں خود سامری کی چال میں

—

ایک ہیں جو لطف لیتے بادۂ رنگیں سے کم
بے تکلف ناچتے رہتے ہیں شب بھر بال میں

ایک ہم ہیں پاس بھی پنسل کا بے ملتے اگر
حکم ہوتا ہے ڈبو دو ان کو بھی تال میں

—

مسلم تھا درد و بین کر کر پڑا آنسو کی طرح
کچھ نہ ذوق آیا مگر کافر کے استقلال میں

کاٹ کر پیپل کی شاخیں شیخ جی خوش ہو لیے
یہ نہیں سوچا کہ ہیں اس کی جڑیں پاتال میں

سب سے بڑھ کر ہے انہیں کو دشمنیِ اسلام سے
آج ہے جن کا شمار اقطاب اور ابدال میں

صورت آدم کی مگر سیرت میں رشکِ اہرمن
نام کو انساں مگر ابلیس ہیں اعمال میں

اتقا سے بعد و ہجر اور اس پہ یہ دعویٰ کہ ہم
ہیں حضورِ سرورِ کون و مکاں کی آل میں

مطلقاً بے بہرہ ہے دینِ حجازی سے یہ قوم
حصہ جس کا ہے مسلمانوں کے جان و مال میں

میں کہاں اور وہ کہاں لیکن جھلکتا دیکھ لو
رنگِ فخر الدین رازی میرے استدلال میں

مبارکباد عید صیام بہ معاونینِ "زمیندار"

عید جو ہے روزہ داروں کی مسرت کا نچوڑ
ہو مبارک قدردانانِ "زمیندار" آپ کو

آپ کے گھر عید جن خوشیوں کو لے کر آئی ہے
سال بھر خوشیاں یہی دکھلائے دادار آپ کو

رکھے تا عید تک ساقیِ دوراں کا کرم
کامیابی کی مئے گلگوں سے سرشار آپ کو

دوست ہو جو آپ کا ہو سربلند و ارجمند
اور معاند آپ کا آئے نظر خوار آپ کو

کوکب بخت آپ کا ہو نقطۂ وسط السما
طالع حاسد نظر آئے نگوں سار آپ کو

آپ کے پہلو میں جو دل ہو اور ہو اُس دل میں درد
دیکھوں ان آنکھوں سے میں لذت کا غمخوار آپ کو

ہر عنایت ہے جو مجھ پر صرف ہے پروردگار
رکھے اس اخبار کا ہر سو خریدار آپ کو

اس کا ہر مضمون ہو گلزار اور دستِ قلم بلبل مرا
اور ہو دل میں اشتیاقِ سیرِ گلزار آپ کو

قدرداں گو قدر فرماتے ہیں اس اخبار کی
فخر ہے اس قدردانی کا سزاوار آپ کو

واں رفعت سے یہ ہے بہرہ خدمت ملی تم کو فقط
اس حقیقت سے نہ ہوگا شاید انکار آپ کو

ہے تعلق آپ کا اور اس کا ربطِ جسم و جاں
آپ سے ہے اس کو پیار اور اس سے ہے پیار آپ کو

کیجئے اس کو بلند آواز ہے یہ آپ کی
آپ کی خاطر ہی میں لکھتا ہوں ہر بار آپ کو

ذوقِ ملا لی بہت جبتک شغلِ شہود ہے
یوں نہیں تکلیف دوں گا صبح چار دنا آپ کو

---

۲۴ ستمبر ۱۹۱۱ء

عید رمضان

۱۳۴۶ھ

بدلا ہے عجب رنگ مسرت نے جہاں کا
ہر پیر پہ ہوتا ہے گماں آج جواں کا

اک لہر تھی برقی کہ گئی دوڑ رگوں میں
گردوں پہ یکایک جب شام کو جھانکا

جیتے تھے اس امید پہ مشتاق یہ جیسے
حاجب نہ ہوا دل کوئی چشم نگراں کا

ہر رنج ہے دنیا میں باندازۂ راحت
ہر شوخ یہاں بدرقہ ہے ساز عیاں کا

انعام طرب لائی ہے شوال کی پہلی
گزرا ہے جو صد آلام مہینہ رمضاں کا

توپوں کی شلک سے گئی شانہ بہ شانہ
کھولا ہے مگر رعد نے قفل اپنے دہاں کا

بچے ہیں نہا دھو کے سویرے سے جو تیار
بدلے ہوئے تیور ہیں انداز ہے ناز کا

آنکھوں میں ہے سرمہ تو لبوں پہ ہے تبسم
قدرت کا یہ جلوہ ہے کرشمہ ہے یہاں کا

ہیں سرو و سمن گوش بہ گلبانگ عنادل
باہر ہے یہ پر شور مسلمان اذاں کا

یہ طنطنہ ہے دین کی شوکت کا ترانہ
یہ غلغلہ پیغام ہے عید رمضاں کا

آرائش بزم و دل اسلام ہے اس سے
یہ عید اک انعام ہے اللہ میاں کا

میری بھی طبیعت میں ہے آج ایک نیا جوش — پھونکوں گا فسوں نظم میں آج اپنی زباں کا
دریائے معانی پہ سرادائی امواج — شرمندۂ احسان ہے مری طبع رواں کا
دیکھی نہیں تصویر فصاحت کی جنہوں نے — وہ دیکھ لیں انداز مرے حسن بیاں کا
امڈی چلی آتی ہیں مضامیں کی گھٹائیں — برسیں یہ جو قلم پائے اشارہ جو بناں کا

تھی عید گہ اک آئینہ جس میں نظر آیا — جلوہ مجھے اسلامیوں کی شوکت و شاں کا
ہر شاخ دل ایماں کے پھولوں سے لدی تھی — اس باغ میں قبضہ تھا نہ بہاراں کو خزاں کا
چرچے تھے اخوت کے زبان و دہن پر — تھی لب لباب آج مساوات بیاں کا
بیٹھے تھے امیر اور فقیر ایک ہی صف میں — ٹوٹا تھا طلسم آج فلاں ابن فلاں کا
اس بزم دل افروز میں ہوتا نہ گذر کیوں — مجھ سے کس و بے مایہ و گم نام و نشاں کا

جیسے ہی دوگانے سے فراغت ہوئی مجھ کو — چہرہ نظر آیا مجھے اس جان جہاں کا
بجلی سی کوئی کوندی آنکھوں کے آگے — غارت ہوا سرمایہ مری تاب و تواں کا
ٹوٹا یہ شکیبا ہوا اور دل سے ہوئی پار — چشم غلط انداز میں تھا زور سناں کا
تھا غمزۂ جفا کیش لب لعل دہن گوش — وہ امن کا دشمن تو یہ ضامن تھا اماں کا
اُٹھا دو جگہ سوز نہ ہی اُف دل سے — دعویٰ تھا کچھ مجھے ضبط فغاں کا

سوچا یہ مگر ساتھ ہی، کس طرح ہے ممکن — نظارہ حرم میں نگہ ناز بتاں کا
کیا ہو گئی مسجد بھی کلیسا کے برابر — دیتی ہیں جہاں کام مسیں حور جناں کا
کانوں میں ترنم کسی غارتگر دیں کا — آنکھوں میں تصور کسی آفت گر جاں کا
مسجد میں غرض شرم سے آب آب ہوا میں — اور دامن غیرت سے وہیں چہرہ کو ڈھانکا
اس سے یہ کہا میں نے کہ اے خال رخ حسن — دربار ہے یہ بادشہ کون و مکاں کا
وہ خود ہے جمیل اس لئے آنکھوں سے نہاں ہے — بے پردہ جو تم ہو یہ سلیقہ ہے کہاں کا
اس قید سے آزاد ہوئیں آپ یہ کیوں کر — بی بی کو اشارہ یہ ہوا کب سے میاں کا
مسجد میں جو تم آئی ہو بے برقع و چادر — کیا تم کو یہی حکم ہے اللہ میاں کا
ہے خانہ برانداز حیا یہ نئی تہذیب — اس نے تمہیں رکھا نہ یہاں نہ وہاں کا

سن کر مری باتیں یہ، کہا اس نے بگڑ کر — سب بی بیاں آزاد ہیں اب پردہ کہاں کا
تم کون ہو پردہ کا جو دو مشورہ مجھ کو — کیا تم کو بھی منصب ہے کسی شیخ زماں کا
معنی یہی تم سمجھے ہو غض بصر کے — آنچل سے جمال رخ پر نور کو ڈھانکا
عارض پہ ہے جب بار ہو داماں نگہ تک — کیونکر متحمل ہو وہ اس بار گراں کا
میں پھرتی ہوں اور پھرتی رہوں گی کھلے بندوں — کچھ اس میں اجارہ نہیں بہمان و فلاں کا
میں جانتی ہوں تجھ کو کہ پہلے ہی سے میرے — دل پہ ہے اثر تیری جراحات لساں کا

ہاں بے سرافراز تو عالم ہے نگوں سار — واللہ عجب بھاؤ ہے قسمت کی دکاں کا
گالی ہو بھری منہ میں مگر لب پہ دعا ہو — یہ نکتہ سمجھ لو یہ سبق سود و زیاں کا
کڑوی ہو کسیلی ہو چڑھا جائے نہ انکار — فرمان یہ تسلیم کرو پیر مغاں کا
حالت مری ہو جائے خلوت میں مبدل — ہو گی جو ذریعہ مرے نام اور نشاں کا

اک گوشہ میں بیٹھا ہوا دنیا سے الگ میں
سیکھوں گا سبق عافیت و امن و اماں کا

عید اضحیٰ[۱]

۱۳۴۹ھ

عید اضحیٰ آئی ہے کہ اخوت کا پیام — دو جہاں میں لہرائی محبت کی شمیم
تازہ پھر ہوتی ہے سنت آج ابراہیمؑ کی — ہو رہا ہے آج پھر حل عقدۂ ذبح عظیم
رولتے ہیں آج وہ موتی گدایان حرم — جن کو آیا تھا لٹانے ایک مکہ کا یتیم

ہند میں ایثار و سربازی کا ہے آج امتحاں
اے مسلمانو! تمہارا تو یہ مسلک ہے قدیم

لندن

لیلیٔ شب نے مانگ سواری — آدھی عمر اسی میں گزاری
بجتے ہیں پہلے بارہ ٹن ٹن — چپ ہو جاتا ہے گجر کا ارگن
چاند کی پھیلی پھیلی کرنیں — پیاری پیلی پھیلی کرنیں
سقفِ فلک پہ ناچیں چھم چھم — صحنِ زمیں پہ اتریں جھم جھم
دیتی ہیں تاروں کو ہچکولے — نور کے لٹکاتی ہیں ہنڈولے
پگھلی ہوئی چاندی کا سمندر — سب جگ کا باہر اور اندر
جس نے ملمع اپنا چڑھایا — اور بدلی اس شہر کی کایا
جو کہ ہے غداری میں بابل — کہتے ہیں سب ملکوں کا جسے دل
یعنی عروسِ دنیا لندن — شاہدِ دلکش و زیبا لندن

قلعہ، کوہ و دشت و بیاباں — ہامون، دریا، وادی، میداں
سب پہ تری آبادی پھیلی — ہو نہیں سکتی جس کی گنتی

تیرے عرصۂ دل کے اوپر — تیرے محلّۂ جاں کے اندر
کیسے کیسے جذبے ہیں پویاں — کیسے کیسے بھرے ہیں ارماں

اے دنیا کے شہروں کے افسر — سب سے افضل سب سے برتر
حشمت والے شوکت والے — نشۂ دولت کے متوالے
صنعت اور تجارت والے — دولت اور حکومت والے
دانش والے حکمت والے — فلسفہ والے ہیئت والے
ہنڈیوں والے نوٹوں والے — فائدوں والے ٹوٹوں والے
برجوں اور میناروں والے — باغوں اور بہاروں والے
ہالوں والے پارکوں والے — لانوں والے پارکوں والے
ریلوں والے تاروں والے — برقی موٹر کاروں والے
قصروں اور ایوانوں والے — ہوٹلوں اور میخانوں والے
وسکی والے الکشا والے — لیمنڈ والے سوڈا والے
مرغیوں والے انڈوں والے — ریزنوں اور امنڈوں والے
توپوں اور بندوقوں والے — عاشقوں اور معشوقوں والے
تنکے چننے والوں والے — سر کے دھننے والوں والے

گورے گورے گالوں والے | بھورے بھورے بالوں والے
پیاری پیاری جبینوں والے | ابھرے ابھرے سینوں والے
چوری کرنے والوں والے | جیب کترنے والوں والے
لقوں والوں لچوں والے | شہدوں اور اچکوں والے
کیسے کیسے گند اور بدیاں | ہیں ترے دل کے اندر پنہاں

دیکھنا ہو گر تم کو تماشا | اچھی طرح سے کبھی لندن کا
دانز لو کے پل سے دیکھو | وقت پہ صبح صادق کا ہو
پہلی شعاعیں سورج کی جب | چاک ہوں کرتی دامان شب
وہ دامن کہ ٹکے ہیں یکسر | جس میں کروڑوں کوکب و اختر
گیسو جیسکہ نگار سحر کے | شبنم کے قطروں سے ہوں بھیگے
گزرا دا گر اس پل پہ دھارا | دیکھو لو لندن کا نظارا
یہ کا اصلی وقت یہی سب | یہ وہ گھڑی ہے جس میں چھپی ہے
یعنی عہد شباب لندن | ناز و ادا و حجاب لندن
تب ۲ وقت حسن افزا ہے | جوبن اس کا پھٹا پڑتا ہے
تن کے ہے چہرے میں نکھرتی | ندی پہ آکر پانی ہے بھرتی

بجیسے کوئی دلبر خنداں | کرتا نقاب سے ہو اٹھکیلیاں
ویسے ہی لنڈن نور کے تڑکے | اپنی جبین نور فشاں سے
بادل مست اور جھومنے والے | پیشانی کے چومنے والے
ایک طرف کو ادا سے ہٹا کر | ناز سے شرما کر اٹھلا کر
چہرہ کی تاب دکھا دیتا ہے | سورج جس کو جلا دیتا ہے

ایسے میں دیکھے کوئی لنڈن | اس کے قصر و بام و برزن
گرجا دیکھے مندر دیکھے | دریا دیکھے بندر دیکھے
دیکھے دریا کی موجوں کو | دیکھے پارکوں میں فوجوں کو
کشتیوں کے مستولوں کو دیکھے | شاخوں پہ پھل اور پھولوں کو دیکھے
رونق دیکھے بازاروں کی | کثرت دیکھے نظاروں کی
پردۂ عبرت پر پھر کھینچے | اپنے تصوّر کے رنگوں سے
اگلوں کے آثار کا نقشہ | پچھلوں کے دربار کا نقشہ
منعم کے اقبال کی صورت | مفلس کے جنجال کی صورت
دل کی فراخی و تنگی دیکھے | بخت کی زنگار نگی دیکھے
دیکھے غرض یہ سب تصویریں | شان خداوندی کی نظر یں

لندن کا آوازۂ عظمت — سنتی کب سے آئی ہے خلقت
اس نے ایک زمانہ دیکھا — صدیوں کا آنا جانا دیکھا
سیل حیات بہے جاتی ہے — اندھی موج چلی آتی ہے
صبح کو جب سورج ہے نکلتا — نور کا اک چشمہ ہے ابلتا
دیکھو پھر وہی شکل مثالی — اور وہی فانوس خیالی
دل کی لگی سینہ میں دکاں ہے — وہ دکاں جس میں ہر ساماں ہے
بیم و رجا و حسرت و ارماں — ساز عیاں و سوزش پنہاں

ہے کہیں فقر کہیں ہے تنعم
قسمت کا برپا ہے تلاطم

سنگم

پریاگ میں ملی ہے جمنا سے آ کے گنگا — گہرا سا ہوا یہ نیلا بہتا ہوا وہ ہیرا
ان کی جدائیوں نے کھینچا ہے نقش جوڑا — ان کی روانیاں ہیں شان خدائے یکتا

شنکر کی سیڑھیوں پہ موتی لڑھک رہا ہے

سرنگاپٹم

سلطان ٹیپو کے مزار پر دو آنسو

اے سرنگاپٹم! اے گنجِ شہیدانِ کرام — آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود

تیری آنکھوں میں ہے اپنوں کا عروج اور زوال — تو نے دیکھا ہے پرائیوں کا ہبوط اور صعود

کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دہلی — تیرے ذرّوں نے بچھا دی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج — مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود

سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر — مایۂ ناز تھا ملت کے لئے جس کا وجود

قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت — اس کی دولت کے دعا گوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے ہیں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے — اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

اس کے اٹھتے ہی مسلماں کا گھر بیٹھ گیا — تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا — جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے حیاتِ یک روزہ ملی — یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

دل حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج اُس کے مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود

پھر گئی آنکھ میں فردوس بریں کی تصویر ظلِ ممدود میں تھا عابدۂ سدرِ مخضود

اس کی دہلیز سے لپٹی ہوئی تھی رحمتِ حق چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملائک کے جنود

آئی گنبد سے ندا اے کہ تری پیشانی رات دن درگہِ دادار پہ ہے وقفِ سجود

بر سرِ تربتِ من چوں گذری ہمت خواہ

کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود

میں نے کی عرض کہ اے عظمتِ آزادی کی روح تو ہی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود

سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

تطہیر یثرب

داخل ہوا مدینہ میں ابنِ سعود آج
پھر جوش پر ہے رحمتِ ربِّ ودود آج

توحید کا عرب میں علم سر بلند ہے
قائم ہوئی ہیں شرعِ نبیؐ کی حدود آج

ہیں غازیانِ نجد ہمہ تن کے پاسباں
یثرب میں خیمہ زن ہیں خدا کے جنود آج

آتے ہی مسجدِ نبوی میں پڑھی نماز
کیا لطف دے گیا ہے رکوع و سجود آج

منکر بتائے جاتے تھے جس نام پاک کے
اُس پر یہ لوگ بھیج رہے ہیں درود آج

اس چھوٹ کا کہ گنبدِ خضرا ہوا شہید
سلطان نے بکھیر دیا تار و پود آج

ہم کو ہے پاس عہد کہ ابن سعود کو
کس کو ہیں یاد ازل کے عہود و عقود آج

کل جس کے نام سے بھی نہ عالم تھا آشنا
ہم اُس کے پاس لے کے چلے ہیں وفود آج

رگ رگ میں موج خون سلف دوڑنے لگی
مٹنے لگا ہے تفرقۂ ہست و بود آج

قبرس میں ہے حسین تو فیصل عراق میں
نابود ہے حجاز میں ان کا وجود آج

اک رہ گیا علی سو اسے دیکھ دیکھ کر
یاد آ رہی ہے مجھ کو حدیثِ ثمود آج

جدہ سے بھاگ لے فلسطیں ہی تو ہو
جو بن رہا ہے جائے پناہ یہود آج

اسلام کے ہیولا پہ کل تک تھے نقش لیٹ
جلتے ہیں دیکھ دیکھ کے اس کا عروج آج

۲۲ ستمبر ۱۹۲۵ء

ایک ناتمام قصیدے کے چند اشعار

اے کہ تو زینت تاج و نگیں   تجھ سے ہے آرائش دنیا و دیں
تو اس امانت کا ہے تعہد دار   جس کے تھے حامل روح الامیں
غیب کی تائید ہے تجھ پر سدا   اِنَّ اللّٰہَ مَعَ المُحْسِنِیْن
آئی ہے تیرے لئے عیدِ صیام   اُزْلِفَتِ الْجَنَّۃُ لِلْمُتَّقِیْن

اَیَّدَکَ اللّٰہُ بِنَصْرٍ مِّنْ عِنْدِہ
وَفَّقَکَ اللّٰہُ لِمَا یَرْتَضِیْ

تصویر آرزو

میری جاں پہ چھاتی جاتی ہے فنا کی آرزو	اور زباں پہ آ ہی جاتی ہے لقا کی آرزو
میں جب حسن بتاں کی یوں داستاں گم ہو گیا	میری آنکھوں سے ہے پھر نقش پا کی آرزو
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں اسلام کو لے کر چراغ	کافر مسلم نما کو ہے خدا کی آرزو
صدق میں صدیق اکبر سے الگ ہے یہ عشق	لیکن اس پر بھی صداقت کے لوا کی آرزو
عدل میں فاروق اعظم سے جدا ہیں شعار	لیکن اس پر بھی خلافت کی قبا کی آرزو
شرم و حیا میں ضد ہیں شان عثمان کی	لیکن اس پر بھی شان حیا کی آرزو
دست و پا شل ہیں پھر بھی مرے دل میں ہی	زور بازوئے علی مرتضیٰ کی آرزو
آنکھ ما زاغ البصر سے مری بیگانہ ہو	جبکہ ہے پھر بھی ہو اس کو ما طغیٰ کی آرزو
لیس للانسان الا ما سعیٰ کو بھول کر	آرزو میری بھی ہے کیسی بلا کی آرزو

اے مسیحا لو یہ سنت اپنی ورثہ میں دعا	بلکہ خود خلاق اکبر کی رضا کی آرزو
اللہ کہ ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج	ملت بیضا کو ہے تیری دعا کی آرزو

یا کمال اس دن منا سکتا ہے جشنِ خرمی — جن کا اپنا ملک ہے اور اس میں اپنا راج ہے

یا جما سکتا ہے عشرت کی بساط ابنِ سعود — کر چکا جو اپنے گھر سے غیر کا اخراج ہے

عید اُن کی ہے جنہیں ہے پاسِ ناموسِ وطن — عید اُن کی ہے جنہیں دینِ ہدیٰ کی لاج ہے

تو ہی کر انصاف ہم کیا اور ہماری عید کیا — جن کی آزادی کی دولت ہو چکی تاراج ہے

جن کے اجڑے گھر میں بھونی بھانگ تک ملتی نہیں — جن کی جان اغیار کے بیداد کی آماج ہے

تو چمک کر منہ چڑاتا ہے ہمارا کس لیے

اور نویدِ عید لاتا ہے خدارا کس لیے

"میر تقی خیال"
لاہور

محبت کی راہ

محبت کی گلی میں سر کٹا جانا بھی ہوتا ہے — صنم کی آستاں پر سر کا ٹھکرانا بھی ہوتا ہے

مگر بیں بس کا رہ رو کے اٹھانا شرط ہے اس کی — تڑپنا بھی یہاں ہوتا ہے تڑپانا بھی ہوتا ہے

مقدر عشق بازی کا ہے ہجر کی یار کی سہنا

اور اس پہ عدو کے گالیاں کھانا بھی ہوتا ہے

حریفوں سے دو دو باتیں

جن سے مقابلہ ہے وہ ہیں نام کے حریف
میداں میں اب تک نہ اُسکے کام کے حریف

"پرتاپ" اور "ملاپ" کو ہم کیا جواب دیں
ہم ہیں حریف بذلہ وہ دشنام کے حریف

دشمن وہ ہیں خدا کے اور اُس کے رسولؐ کے
اور ہم ہیں ہردوار کے اصنام کے حریف

کوٹھوں پر چڑھ کے پینگ لیں غنیں تو کیا ہوا
جب بے ہنرا کہ رن میں صمصام کے حریف

وہ اور کوئی ہوں گے جنہیں "تیج" سے "نازم"
بتلا رہا ہے لالہ منشی رام کے حریف

تھا جاؤ ایک ساغرِ دل کا مزاج ہند
اگلے سے اب کہاں وہ مئے و جام کے حریف

ہم کو بھی شکوہ ہے کہ مسلماں کیوں ہٹے
شدھی کے آفتاب لب بام کے حریف

تاروں کو رکھ کے دیکھ لیں سورج کے سامنے
ہیں بر شمار اگر اسلام کے حریف

---

۶ جون سنہ ۱۹۲۷ء

دیکھنے اور سننے کی توقع ان سے کیا — پیٹ ہی میں ماں کے جو کور اور کر پیدا ہوئے
انتخاب ہفت کشور خطۂ پنجاب ہے — اس میں کیا کیا نکتہ سنج اور نکتہ ور پیدا ہوئے

حاسدان تیرہ باطن کے جلانے کیلئے
تجھ میں اے پنجاب اقبال و ظفر پیدا ہوئے

---

۱۰ جولائی ۱۹۱۲ء

ذکاہات

مرے مخدوم مولانا عمادی — مزین جن سے ہے بزم افادات
فضائل کو ہے جن کی ذات پہ ناز — معارف کو ہیں جو وجہ مباہات
لکھے کچھ یہ مجھ سے نثر میں جب — کئے نثری سے میں نے اقتباسات
کہ شعری سے خطا ایسی ہوئی کیا — نہیں اس پر جو حضرت کی عنایات
چمک سکتی نہیں ہرگز صحافت — نہ جب تک نظم کے ہوں اس میں لمعات
تنقل کے لئے خوان سخن پر — مناسب ہے کہ چن دیجے ذکاہات
کہا میں نے کہ فرمانے میں سچ آپ — ہے بیشک طرفہ قاضی حاجات

مگر لاؤں سلیقہ وہ کہاں سے — کہ نکلے بے تکلف بات میں بات
نہ مجھ میں بو نواسی بذلہ سنجی — کہ دُہرا دن کو وہ دن شب کی حکایات
نہ مجھ میں دو پیازہ کی ظرافت — کہ اکبر خوش ہو اور ہو بیربل مات
بہر حال آپ کو اصرار ہے جب — تو حاضر ذیل میں ہے کچھ خرافات

ب

نہیں اپنوں سے امیدِ مدارات — تو کیا غیروں سے ہو چشمِ مراعات
محبّت کا نتیجہ ہے عداوت — نرالی ہے عمل کی یہ مکافات
جگر پھٹتا ہے بھرتا ہوں اگر آہ — زباں کٹتی ہے کرتا ہوں اگر بات
زمانے کا ہے یہ برتاؤ مجھ سے — کہ اُٹھتے جوتیاں ہیں بیٹھتے لات
مکدر کوبِ حوادث ہو رہا ہوں — ہیں میرے ہی لئے شاید رب آفات
سوا جس وقت سو خلوت گزیں ہوں — زمیں ہے سخت اور دور آسماں سات
مرے دل کی ہے بستی جن سے آباد — نہیں ہوتی ہے اُن سے بھی ملاقات
ستاروں سے کیا کرتا ہوں باتیں — گذر جاتی ہے باتوں میں مری رات
کسی کی زلفِ عنبر بو کی مانند — پریشاں کیوں نہ ہوں میرے خیالات
ہوئے ہیں منکشف مجھ پر یہ اسرار — پڑھی ہیں میں نے جب قرآں کی آیات
کہ کرتا ہو کسی پر گر بھروسا — تو ہے وہ اک فقط اللہ کی ذات

سہانا وقت

وقت آ گیا کہ باغ میں بلبل ہو نغمہ سنج | اور شاخِ گُل کو مژدۂ فصلِ بہار دے
وقت آ گیا کہ پھولوں سے لد جائیں ٹہنیاں | اور ہر شجر لباسِ خزاں کا اتار دے
وقت آ گیا کہ آنکھ کو بازارگانِ صبح | بیعانہ نقدِ وقت لیل و نہار دے
وقت آ گیا کہ ساقیِ خمخانۂ بہار | بھر بھر کے پیالہ زمئے مشکبار دے
وقت آ گیا کہ رات کٹے اور پو پھٹے | وقت آ گیا کہ نورِ شفق پھیر تار دے

اے شمعِ صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

---

۱۲ فروری ۱۹۳۸ء

چشمِ جاناں

ملا حسن سے نے غازۂ مشاطہ بن کر
ضیا اور شفق کا عذارِ سحر پر

بناگوشِ سنبل میں شبنم کا قطرہ
لٹکتا ہے یوں جیسے موتی کا زیلہ

بھرا ہے لبالب مئے ارغواں سے
ایاغِ گلِ نازکِ لالۂ تر

معطر مشامِ رواں ہو رہا ہے
بسی ہے ہوا مشک میں بس کہ عبیر

فسوں سازی و سحر بازی میں نہ ہوں گے
کبھی چشمِ جاناں کے ہمتا و ہمسر

ہے چشمِ صنم مظہرِ شانِ ایزد
نیاز اس کا مرکز ہے نازاں مقدر

۱۰ اگست ۱۹۱۵ء

غزل

میرے سرو کا گلستاں اور ہے — میرے چاند کا آسماں اور ہے

سناتے ہیں قصے محبت کے لوگ — مرے عشق کی داستاں اور ہے

وہ ابروئے پیچاں صید دل ہر گھڑی — لیے ہاتھ میں اک کماں اور ہے

ہر اک نوک تیرے پلک کی صنم — سپہ تیرہ جاں اک سناں اور ہے

نہاں کام دے گی نہ زاہد تری — بیاں عشق کا بے زباں اور ہے

جگر دوز ہے تیر غازی نگہ — خدنگ مژہ کی کماں اور ہے

ہر اک تن میں ہے جان سے زندگی
میں زندہ ہوں پر میری جاں اور ہے

سیرِ کہسار

حسبِ فرمائش ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

گذاری میں نے تابستاں کی فرصت کوہساروں میں
دل افروز آبشاروں میں دل آرا مرغزاروں میں

ہم آغوشِ صبا تھی نکہتِ گل کی سیہ مستی
جنوں پرور تھے نغمے طائروں کے شاخساروں میں

کھنچی تھی سامنے زنجیر سرحیوں پہاڑوں کی
فلک تھا بوسہ افشاں جن کی نیلی قطاروں میں

نسیم آئی فضائے خلد سے اور بے حجاب آئی
کرن سورج کی ناچی ہو کے عریاں جوئباروں میں

منازل ارتقا کی کر رہے ہیں بستیوں پہ سے
نقاب ذروں کے جدا جو دیو داروں میں

الٰہ العالمین معبود ہے ہم بے نواؤں کا
جناب مالوی ہیں آپ کے پروردگاروں میں

---

۲۱ جولائی ۱۹۲۷ء

نوائے سروش

آج ہوا ہے اجتماع قدس میں اہل راز کا
رنگ دکھاؤں میں تمہیں بزم کے سوز و ساز کا

جھوم رہے ہیں نشہ میں جن و ملائک و بشر
جوش ہے کائنات میں نغمکدۂ حجاز کا

غلغلہ ہے مچا ہوا فرش سے بام عرش تک
مسلم دلفگار کے نالۂ جاں گداز کا

غیرت حق کی بجلیاں کوند رہی ہیں ہر طرف
ترک فلک کو حکم ہے اک نئی ترکتاز کا

ہند ہو یا حجاز ہو مصر ہو یا عراق ہو
حیلہ نہ چل سکا کہیں جان بہانہ باز کا

مشرقیوں کے واسطے سایہ ہی عین آفتاب
فلسفہ ہے یہ مغربی نور نظر نواز کا

کعبہ میں آ گئے صنم بتکدہ بن گیا حرم
قبلہ ہی وہ نہیں رہا رخ کدھر ہے نماز کا

زہر بھرا پیالہ ہے لیکن اسے پیو ضرور
ہم کو یہی اشارہ ہے اُن کی نگاہ ناز کا

تاب نہیں کہ سُن سکوں کیجئے اس کو مختصر
قصہ بہت طویل ہے کفر کی حرص و آز کا

مژگاں کی سناں کے عوض اب سنتی ہے محفل
کانٹوں کی کتھا برہنہ پائی کی زبانی

لذت وہ کہاں لعل لب یار میں ہے آج
جو دے رہی ہے پیٹ کے بھوکوں کی کہانی

گلشن میں نوا سنج ہو کیا مرغ خوش الحاں
صیاد کا جب مشغلہ ہے ریشہ دوانی

بدلا ہے زمانہ تو بدلیئے روش اپنی
جو قوم ہے بیدار یہ ہے اس کی نشانی

گر شعر ہی کہنا ہے تو اس گرز گراں سے
بنیاد ہمیں چاہیئے دنیا کی ہلانی

اے ہم نفسو یاد رہے خوب یہ تم کو
بستی نئی مشرق میں ہمیں کو ہے بسانی

---

۱۲ فروری سنہ ۱۹۲۹ء

چوروں کا گیت

افسانہ لندن

ہم ڈاکہ ڈالنے والے ہیں ہم چوری کرنے والے ہیں
ہم چھاپہ مارنے والے ہیں ہم جیب کترنے والے ہیں

ہم پانے کار لٹیرے ہیں ہم مشاق اٹھائی گیرے ہیں
ہم دے کر چھیننے والے ہیں ہم لے کے مکرنے والے ہیں

آنکھوں میں پولس کے جھونکتے ہیں ہم مٹھیا خاک کی بھر بھر کر
اور ایسا ہی موقعہ آن پڑے تو مار کے مرنے والے ہیں

سن پاتے ہیں نام ہمارا جب تو خوف سے کانپ اٹھتے ہیں سبھی
مفلس محتاج روپے والے سب ہم سے ڈرنے والے ہیں

پی کے وسکی سلگا کے چرٹ ہم بیٹھتے ہیں اور گاتے ہیں
اس طرح سے ساری ساری رات بسر ہم کرنے والے ہیں

شہر آشوب

آج جو رسوا ہیں کل ہوگا انہیں کا احترام

(حکیم ناصر خسرو علوی خراسانی کی ایک نظم بلباس اردو)

اے صبا جا کر مدینے کو مرا پہنچا سلام — وہ مدینہ جس میں ہے ارباب حکمت کا مقام

پھر بتا مجھ کو کہ سب احباب ہیں کس رنگ میں — دے چکے جس وقت جا کر اُن کو یہ میرا پیام

عہد و پیماں پر زمانہ کے نہ بھولو دوستو! — نقض عہد اس کی ہے عادت بیوفائی اس کا نام

اس دیار علم ہی کی پائمالی دیکھ لو — آسماں نے جس سے رہ رہ کر لیا ہے انتقام

غرہ دنیا کی حکومت پر تو کرتے ہو مگر — یاد ہے اسلام کا تم کو جلال و احتشام

کانپتے تھے جس کی ہیبت سے فریغونی امیر — جس کی صولت نے بنایا تھا ہزاروں کو غلام

خاک ختلاں روند ڈالی جس کے پیل مست نے — ہند تک پہنچا تھا جس کا توسن محشر خرام

تم خوشامد سے کہا کرتے تھے اُس کے سامنے — دے خدا اے پاک سلطاں کو حیات مستدام

گو چھپانا چاہتا تھا کوئی لوہے کے چنے — شاہ کے اقبال سے ہکتن وہ بنتے تھے تمام

غزل

ہے میری کل کائنات اک دل امیدوار — اس پہ بھی لیکن نہیں آہ مجھے اختیار

زندۂ جاوید اسے کہتے ہیں اہل نظر — سر میں سمایا ہوا جس کے ہو سودائے یار

کیا ہے بجز صبر و شکر چارۂ دردِ فراق — یا بجز اشک دو چشم حاصل عشق نگار

حاصل عمر عزیز ہے فقط اتنا کہ ہوں — میں نظر دوست میں منفعل و شرمسار

گردِ الم سر پہ لوٹ تیر ستم دل کو چھپے — ہے سر و سینہ مرا وقف جفائے نگار

عشق سے کرتے ہو منع بات تو کہتے ہو سچ — حضرت ناصح مگر دل پہ کسے اختیار

سینہ میں دل غرق خون آنکھ میں دنیا سیاہ — کیوں نہ ہوں منت کش لعل لب و زلف یار

لازم و ملزوم ہیں راحت و رنج جہاں — کیف مئے خوشگوار کا ہے نتیجہ خمار

ہیچ مرزی میری کام میرے آگئی — خاک در یار ہوں گرچہ ہوں حشمت شعار

ہے علم افراز عشق بے نعرہ فروز حسن — برق تجلی گری طور ہوا بے قرار

عمر گنوا دی یونہیں کرتے تمہارا کہا
اے سر بیہودہ گرد اے دل بیہودہ کار

غزل

وہ کافر آج دل کا لینے کو امتحان ہے — تنتے ہوئے بیاں پہ وہ چڑھی ہوئی کمان ہے

کس کام کی وہ الفت جو جان کو سے چھوڑے — ہم تو ہیں اس کے قائل ہے جان تو جہان ہے

اس نازنین کے دل پہ نالہ کا کب اثر — بام وصال اونچی اور پست نردبان ہے

پیہم جلے ہو تو دل کی تو ہو راکھ میں بھی — بجلی گری ہے جس پہ پھر اپنی آشیاں ہے

ہنسنے تیرے درد سوا کا ایک یہ کرشمہ — لوگوں نے جس کو سمجھا ابھرے ستو آسماں ہے

تجھ کو کس طرح کی اس سے نہیں شکایت — آنکھوں سے وہ نہاں ہے دل میں مگر عیاں ہے

دیکھو تو شوخ چشمی یار عدو سے آ کر — بیٹھے ہیں دل میں ڈھونڈا اس شوخ کا نشاں ہے

داغ جگر کے لالے کھلیں گے عمر بھر تک
یہ ہی بہار وہ ہے جس کی نہیں خزاں ہے

Very Good

عید

لاہور یکم شوال المکرم ۱۹۴۸ء

ماتم کدۂ ہند میں اے عید نہ آ تو
ہم سوگ میں ہیں نغمۂ شادی نہ سنا تو

ہم غم زدہ ہیں کیا ترے آنے کی خوشی ہو
افسردہ دلوں کا نہ مذاق آ کے اڑا تو

عید ان کی ہے جو قید نصاریٰ سے ہوں آزاد
کیوں چل کے غلاموں کے گھر آئی ہے بھلا تو

جس ملک میں کھانے کو فقط روزہ ہو یا غم
کیا اس کو دکھائے گی سویوں کا مزا تو

اس چاند سی صورت پہ کبھی ہم بھی فدا تھے
بستے ہیں جہاں اب ترے عاشق وہیں جا تو

گر عرش سے اتری ہے تو لے راہ عرب کی
یا رونقِ اناطولیہ کی جا کے بڑھا تو

بام و درِ کابل پہ بکھیر اپنی تجلی
طہران میں [illegible] کی عشرت کی صدا تو

دہلی میں نہ آ اور اگر آئی ہے تو اے عید
ہم بیکسوں کے نالوں کو بھی سننے سے بچا تو

شاہِ دوسرا کا ہمیں دے جا کوئی پیغام
بگڑی ہوئی اسلام کی تقدیر بنا تو

زخمهٔ چنگ رودکی

دیده وران متفق هستند که هیچکس از سخن سرایان عجم به پایهٔ رودکی نه رسیده چنانکه نصر بن احمد را اگر آب جیحون تا بیان آورده، همان اثر ترانه اش بود. که تاج الشعرا امیر معزی هم از نظیرش عاجز گشت. من هندی نژاد و کج مج زبان کجا باشم، که جواب رودکی نویسم. این چند ابیات که از کلک من فرو چکیده پاسخ آن باد بدر ترانه ریز نباشد. اما الغزه الیست مستانه که علی سبیل اضطرار از دل درد مند بجست۔

ساقیا برخیز و مے در جام کن — فصل گل در بوستان آید همی

باد نوروزی وزید اندر چمن — نغمه اش عنبر فشان آید همی

مسلم از خواب گران بیدار شد — انقلاب اندر جهان آید همی

زود بینی وفد ما از لوندره — شاد و کام و کامران آید همی

باش تا برقے ز رخشد از حجاز — غیرت حق در میان آید همی

باش تا موصل برآرد شعله — تابش اندر استخوان آید همی

باش تا از پردهٔ مشرق بدر — حجت اسلامیان آید همی

کفر را غوغا بپا پیدا ز نهاد — مهدی آخر زمان آید همی

اُدھر جمعیتِ خاطر سے نقشہ بند ہستی کا
ادھر دل کی پریشانی سے صورت زلفِ برہم کی
کوئی مسرور ہوتا ہے کوئی رنجور رہتا ہے
کبھی اک حال میں دیکھی نہیں اولادِ آدم کی
دسہرے اور محرم میں ہے قدرِ مشترک اتنا
عداوت وہ ہی شکر کی تو شیرینی یہ ہی سم کی

خوشی ہے ہندوؤں کو اس لئے یہ فرض ہے اُن کا
کہ دنیا کو دکھائیں شان اک دل سوز ہمدم کی
مسلمانوں سے اس غم میں کریں اظہار ہمدردی
بنیں تصویر اس تقریب پر خلقِ مجسم کی
مسلمانوں کے زخمی قلب کو صدمہ نہ پہنچائیں
جو ممکن ہو کریں اس کے لئے تدبیر مرہم کی
مسلمانوں کے غم میں دخل دینے کی ہے کیا حاجت
کہیں پیدا نہ جنت میں ہو کیفیت جہنم کی
مسلماں بھی نہ ان کے عیش و عشرت میں مخل ہوں
یہی اک کارگر تدبیر ہے اخلاص باہم کی

مسلماں اور ہندو پیشتر تھے متفق دونوں
یہ ناچاقی کہاں سے بیچ میں کمبخت آ دھمکی
اسی نے امن کا شیرازہ درہم کر دیا یکسر
اسی نے مجلس عیش و طرب یک لخت برہم کی

دسہرہ اور محرم کا فقط ہنگامہ ہو اک دن
یہی غایت تو ہے دیکھیں اس تقریب اعظم کی
ان کی حقیقت پہ
یہ زمیں ایک مدت سے چلی آتی ہیں کیوں چمکی

فسانہ رام چندر جی کا سب کو یاد ہے ازبر   انہوں نے کس طرح بنیاد حق و صدق محکم کی

شدائد اور مصائب میں ہوئے وہ مبتلا برسوں   کسی تکلیف کی اس راہ میں پروا بہت کم کی

شہید کربلا نے جان دی حق کی حمایت میں   نہیں باطل کے آگے اپنی گردن عجز سے خم کی

رہ حق میں رہیں ثابت قدم ہندو ہوں یا مسلم

یہی تعلیم ہے لیں اس دسہرے اور محرم کی

۲۵ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء

معصوموں کی بھولی صورت میں
کیا تم نے نہ دیکھا مرا مکھڑا

بچوں کی بھولی آوازوں میں
کیا تم نے مرا نہ راگ سنا

اب دیکھو مجھے میں جاگی ہوں
کہلاتی ہوں لفظ کا میں ترڑکا

اب دیکھو مجھے میں آئی ہوں
لائی تمہارے دکھ کی دوا

کرتے نہیں کیوں ڈھونڈتے مجھے
کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا

وہ وعدہ میں تم سے کر گئی تھی
کیا بیٹھے ہو تم اس کو بھلا

میں سینے کے ملک سے آتی ہوں
سب درد تمہارے دوں گی مٹا

کیا اب بھی تم اس کے منکر ہو؟
کہلاتی ہے سانپ کی جو ماتا

خیالستان

اک جہان رنگ و بو خود مرا خیال تھا
گوشۂ قفس مجھے عالم مثال تھا

رات شاہبازِ فکر لے گیا کہاں کہاں
خود تو میں شکستہ پر اور گسستہ بال تھا

چھپ چکا تھا آفتاب ضوفشاں تھا ماہتاب — کائنات کا مزاج روبہ اعتدال تھا

کوہ و دشت بام و در غرقِ موجِ نور تھے — بسکہ ماہِ نیم ماہ بن چکا ہلال تھا

چاک تھی قبائے گل بے نقاب تھے نجوم — بے حجاب ہر طرف حسنِ لایزال تھا

دیکھتا تھا میں جدھر سر بسجدہ تھے شجر — ڈال ڈال پات پات ذکرِ ذوالجلال تھا

عرش و فرش مست تھے اپنے اپنے رنگ میں — کیا کہوں مگر کہ کیا میرے دل کا حال تھا

وہ زمانہ پھر گیا یک بیک نگاہ میں — جب ہر ایک حق پرست بوذر و بلال تھا

جب نبیؐ کے نام پر جسم و روح تھے نثار — جب خدا کی راہ میں وقف جان و مال تھا

جامِ جم سے بے نیاز تھی شراب خانہ ساز — بے کسوں کا چارہ ساز ساغرِ سفال تھا

باغ میں وہی بہار پھر بھی آئے گی کبھی؟ — حاملانِ عرش سے یہ مرا سوال تھا

ہم زباں نہ تھے مگر میں سمجھ گیا مراد
میری بات کا جواب مصطفےٰ کمال تھا

کتے سے پڑھو سبق وفا کا

اپنے ریوڑ کو ایک چرواہا
دامنِ کوہ میں چراتا تھا

کہ ہوا ناگہاں بلند اک غل
اس نے کچھ دور ایک شور سنا

لومڑی سے جیسے چھنتی ہو کوئی
بھونکتا یا ہو جس طرح کتا

رک کے کہسار میں گڈریے نے
آنکھ اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھا

اور گھنی جھاڑیوں کے پتوں میں
ایک کتا اسے نظر آیا

اس علاقے کے سارے کتوں سے
نسل اس کی جدا تھی ذات جدا

ہر قدم پر ذرا سے کھٹکے سے
چونکتا تھا وہ اور جھجکتا تھا

اس کی آواز سے بھی وضع سے بھی
درد اور اضطراب تھا پیدا

پیش و پس راس و چپ فراز و زیر
متنفس نہ تھا کوئی اس جا

نہ سنے کوئی گونج سیٹی کی
نہ کسی کے پکارنے کی صدا

ہوئی چوپاں کو تب تو حیرانی
کہ یہ کتا یہاں سے کرتا کیا

غار تھا اک یہاں وسیع و فراخ
جس میں یخ موسم دسمبر کا

جمع رہتا تھا جون تک پیہم — گرمی آتی نہ تھی یہاں گویا

اس کے نیچے تھی جھیل اک گہری — اس کے اوپر تھا اک پہاڑ اونچا

جھیل ہیلون کے بیچوں بیچ — یہ خطرناک غار واقع تھا

نہ یہاں پر تھی کوئی آبادی — نہ کہیں آدمی کا نقش پا

مچھلیاں جھیل پر یہاں لیکن — بھرتی تھیں گاہ گاہ سر اپنا

کوّے کرتے تھے کائیں کائیں کبھی — اور اسے ٹیلا تھا دہراتا

کبھی قوس و قزح یہاں آتی — کبھی ابر سیاہ جہاں چھایا

آکے تانا یہاں کہر نے بھی — تیرہ اور تار سائبان اپنا

کبھی خورشید کی شعاعوں نے — آکے اپنا یہاں علم گاڑا

لوٹ آتی تھی گونج کر آواز — ایسا صعب المرور تھا یہ درّہ

دیکھی حالت یہ جب تنوریشی نے — اس کے دل میں ہوا تھا کھٹکا

جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے — ٹیلوں اور ٹیکروں کو طے کرتا

اس کڑاکے سے پہنچ گیا وہ یہاں — بھونکتا تھا کھڑا ہوا الٹا

نہ گیا تھا ابھی زیادہ دور — لیکن اس نے راہ میں پایا

لاشہ اک آدمی کا بوسیدہ — رہ گیا تھا فقط ڈھانچہ جس کا

دیکھ کر واقعہ یہ ہیبت ناک — خوف دل پر شیاں کی چھایا

نیچے اوپر نگاہ دوڑا کر
اُس نے اپنا قیاس دوڑایا

کہ یہ کس آدمی کا لاشہ ہے
اور مرا کس طرح یہ بیچارا

سامنے پُر خطر چٹان تھی جو
اس سے یہ شخص تھا پھسل کے گرا

اب حقیقت کھلی گڈریئے پر
اب وہ سارا یہ ماجرا سمجھا

یک بیک یاد آ گیا اُس کو
اک مسافر کا نام اور پتا

جو کہ اس راہ سے فلانے روز
ایک کُتّے کے ساتھ تھا گذرا

طرفہ ایک ماجرا سنو لیکن
میں نے جس کے لئے یہ قصہ لکھا

لوح جاں پر اگر آب زر سے اسے
کھینچئے نقش تو نہ ہو بیجا

ابھی تک بے قرار ہو ہو کر
تھا وہ کُتّا کھڑا ہی بھونک رہا

ہو گئے تھے اسی مہینے تین
رہتے تھے یہاں صباح و مسا

یہی کہسار اس کا مسکن تھا
یہی ویرانہ اس کا تھا ملجا

اس میں کچھ شک نہ تھا کہ جس دن سے
گر کے یہ بد نصیب شخص مرا

سگ اصحاب کہف کے مانند
اس جگہ سے یہ باوفا کتّا

نہ ہلا ایک دم بھی اور کہیں
اس کے لاشہ کو چھوڑ کر نہ گیا

پہرہ دیتا رہا وہیں شب و روز
اپنے آقا کو جان کر سوتا

گر یہ پوچھو کہ اتنی مدت تک
اس بیاباں میں اس نے کیا کھایا

در پردہ آپ رکھتے ہیں پاپا سے رسم و راہ
کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا رو سیاہ

تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے

ان کو اطالیہ میں ہوس رانیوں سے کام
ہم کو طرابلس میں پریشانیوں سے کام

دونوں کو اپنی اپنی خود افشانیوں سے کام
دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام

کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

---

۱۵ فروری ۱۹۱۲ء

غریب الوطن شاعر کا خطاب اپنی بی بی سے جو وطن میں ہے

برزمِ دل میں جب کے روشن شمعِ یادِ یار ہو
ہے اسے سب ایک ویرانہ ہو یا گلزار ہو!

کس لقب سے یاد تجھ کو اے مری بی بی کروں
مونس و ہمدم کہوں دلبر کہوں جاناں کہوں

تیری عصمت کی قسم تیری محبت کی قسم
لوحِ دل پہ ہے ترے احساں کا نقشہ مرتسم

غم کدہ میرا تیرے ہونے سے عشرت خانہ ہو
تیری پیاری پیاری صورت زینت کاشانہ ہو

تو چراغِ منزلِ امید ہے میرے لئے
تو خدائے پاک کی تائید ہے میرے لئے

دیکھ کر دل میں تری تصویر روح آسا کو میں
بھول جاتا ہوں غمِ دنیا و مافیہا کو میں

متفرق نظمیں!

لاہور میں مہارانا نصر اللہ خاں نو مسلم کا ورود مسعود

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا

کاشیانہ اڑی نسیم آئی گل و نسریں بدوش — رات کو تھا بے کے صحن چمن کے سامنے

سجدہ میں سر ہے مسلمانوں کا اس احسان پر — درگہ پروردگار ذو المنن کے سامنے

بج رہی ہیں شادیانے جاءَ نصرُ اللہ کے — صبح ہے اسلامیوں کی انجمن کے سامنے

ہاتھ سے جاتا رہا بھوان ناہر سنگھ سا — جائے کیا منہ لے کے شدھی سنگٹھن کے سامنے

ساری جاتی آ گئے نصر اللہ خاں کو دیکھ لے — آنا ہے آیا ہے پر دین دہن کے سامنے

پانچ لاکھ اسلام کے شیدائیوں کی گردنیں — جھک گئیں اسلاف کی رسم کہن کے سامنے

آج کے دن راجپوتوں نے کیا ہے سرخرو — تُلت بیٹھا کو ہر کالی چرن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ کٹ کر خوف قید و بند سے — جا ٹھیں پنڈال لے پر شاد اہیرن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ ہوں تکبیر کے نعرے بلند — تنکہ دل کی راہ پر دار و رسن کے سامنے

وقت آ پہنچا کہ ہر دل ہو رعب اسلام کا — خس بدنداں کفر ہو دین حسن کے سامنے

دیکھنا اس روز جاتی کی پریشانی کا حال — بال جب کھولے گی شدھی سنگٹھن کے سامنے

کیا تماشا ہے کہ نکلے گوکلی بالشتیے — یثربی دنگل کے گرد پہلتن کے سامنے

چیز ہی کیا ہیں بتانِ ہردوار و سومنات — غازیوں کے بازوِ خیبر شکن کے سامنے

دیدۂ خفاش باطل کا ٹھہرنا ہے محال — آفتابِ حق کی چمکیلی کرن کے سامنے

اینٹھتے تھے مالوی جی ماش کے آٹے کی طرح — سب اکڑ فوں گم ہوئی پہنچے جو رن کے سامنے

گائے کی دم تھام کر تالاب پار اترے تو کیا — لطف جب ہے ہفت قلزم ہوں بدن کے سامنے

"اوم" کا جھنڈا حرم تک گاڑنا آساں نہیں — شہسوارِ نجد جیسے تیغ زن کے سامنے

لالہ لہکا تھا مگر جمتا کہاں تک اس کا رنگ — سرخیِ خونِ شہادت کی پھبن کے سامنے

برہمن کی ہوشیاری کی لنگوٹی کھل گئی — شیخ کے بے تہمد دیوانہ پن کے سامنے

آ ملے ہم سے اگر دو چار نا ہر سنگھ اور
زمزم ابلے گا اسی گنگ و جمن کے سامنے

---

۱۵ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء

شعلۂ نافسردہ

اب بھی ہے اسلامیوں کے سر میں سودائے جہاد
اس انگیٹھی میں دہکتے ہیں کچھ انگارے ابھی

کہہ دو فیصل سے کہ گرمایا اگر ابن سعود
بل نکل جائیں گے تکلے کی طرح سارے ابھی

سبز جھنڈا ہاتھ میں لے کر رسول اللہ کا
ہونے والے ہیں مسلماں عرش کے تارے ابھی

دیکھ لو ایک شعلۂ نافسردہ کا ہے انتظار
اور بھی پھوٹیں گے اس میں خون کے فوارے ابھی

اے تفنگ تیری خوشیاں ساری قبل از وقت ہیں
زندہ ہیں توحید و سنت کے ہوا لے ابھی

---

۱۳ مارچ ۱۹۲۸ء

برار

رندوں کو میری آنکھ کا ساقی اشارہ ہو — پھر کیوں نہ محتسب کی ادا پارہ پارہ ہو

نکلا ہے ڈوب کر جو افق پر بصد فروغ — شاید یہ اے دکن نہ تیرا ہی ستارہ ہو

آثار تو یہی ہیں کہ نکلیں اجارہ دار — اور ایک قطعہ برار کا منسوخ اجارہ ہو

چھینا ہوا جو حق ہے وہ حقدار کو ملے — کتنا ہی خواہ اس میں کسی کا خسارہ ہو

ہاتھ آئے پھر یہ گم شدہ لولوئے شہوار — تاج نظام اس سے مکلل دوبارہ ہو

اپنا ہی باغباں جو گلشن کو ہو نصیب
کس درجہ دل فریب پھر اس کا نظارہ ہو

اردوئے معلی

سنگٹھنیے کہ وہ ہیں دشمن جان اردو — مٹنا چاہتے ہیں نام و نشان اردو

فارسی سے انہیں نفرت ہے جو ہے روح ادب — عربی سے انہیں ضد ہے جو ہے جان اردو

ان کے سب ہے مگر اپنے ہی ادب سے الٹے — ان کے سینوں میں ہے پیوست سنان اردو

اب پٹے گھلے جاتے ہیں اس غم میں کہ ہائے — لازمی ہو گئی پٹنہ میں زبان اردو !

تیج کے والد ماجد کو یہ حسرت ہی رہی — ناگری کو نہ میسر ہوئی شان اردو

ٹاٹ ہندی کا بنارس میں الٹ کر چمکی — آریہ دت کی بستی میں دکان اردو

ہم نے بھاشا میں سنی ہندی سمیلن کی کتھا — مگر اس میں وہ کہاں زور بیان اردو

گرچہ گن گاتے ہیں ہندی کے تلا اتیب پرتاپ — جس سے چاندی ہوئی ان کی وہ ہے دکان اردو

گالیاں کھا کے بھی ان کی انہیں ہندی بخشی — دیکھتے جاتے ہیں پنہائی خوان اردو

مالوی جی نے بہت زور لگایا لیکن
نہ تھما پہ نہ تھما سیل روان اردو

قبولی

کل مجھ کو راستے میں ملے رائے مول چند — پہلو میں آپ کے ہے دل اور وہ بھی دردمند

کہنے لگا کہ گوش نصیحت نیوش سے — سن لیجئے خاکسار کے بھی آج چند پند

میں بھی کسی زمانہ میں تھا آگ سر بسر — اور جذبۂ شباب تھا اس آگ کا سپند

اب تو مگر ہے سست بڑھاپے میں جوڑ جوڑ — ڈھیلا ہوا ہے آ کے ضعیفی میں بند بند

لاؤں کہاں سے ولولہ ہائے شباب کو — ممکن نہیں کہ شیر بنے جو ہے گوسفند

ہو پیر شصت سالہ میں کیسے نشاطِ عمر — کس طرح تیس سال کی الٹی بھروں زقند

چکھا ہے میں نے تلخیٔ دوراں کا ذائقہ — کھایا ہے زہر میں نے یہ برسوں سمجھ کے قند

ہے میرے تجربے کا بس اک نکتہ پر مدار — میری طرح جناب بھی ہوں اس پہ کاربند

دل کا شکار کیجئے لیکن یہ شرط ہے — فتراک انکسار ہو اخلاق پر کمند

(۲)

اتنی ہی آرزو ہے میرے دل میں اے خدا — اسلام کو زمانہ میں دیکھوں میں سربلند

دنیا میں سرنگوں علمِ مصطفےٰ نہ ہو — ہم خواہ خود ذلیل ہوں اور خواہ ارجمند

میدان بوقبیس سے یارب روانہ ہو — پھر قطع کائنات کو توحید کا سمند

(۳)

مسلم خود اپنے درد کی تجویز کر دوا — نازِ طبیب کا نہ کبھی ہو نیازمند
ضامن ترا ہے نسخۂ تعویذ مصطفیٰ — پہنچا سکے پھر زمانہ تجھے کس طرح گزند

خواہی کہ خاک پائے رسولِ خدا شوی
دل را بہ یاد خوانی طاغوت در مبند

(۴)

خواہش ہے ایک رند تصوف سے یہ کہا — طامات تا کجا و خرافات تا بہ چند
کیوں زاہدی کو دین طریقت دیا لیا — اس سے تو کچھ موافق شریعت ہی سودمند
گفت ایں کرشمہ نقش مشکبار دوست — پیران پارسا کہ دم از عشق می زنند

آئی فلک کے کان میں احسنت کی صدا
تیرا ابیات خشت اول کجی پسند

جگر پارے

وفود بھیج کر اُن سے پیام کرلیں گے — ہم آج فیصلۂ روم و شام کرلیں گے

ہمارے خوں کے یہ آنسو ہیں اور دامنِ قوم — لہو لگا کے شہیدوں میں نام کرلیں گے

یہ سچ ہے اس پہ خدا کا چلا نہیں قابو — مگر ہم اس بتِ کافر کو رام کرلیں گے

بجائے کعبہ خدا آج کل ہے پیرس میں — وہیں پہنچ کے ہم اس سے کلام کرلیں گے

مٹائیں گے بدعت کے تفرقے جاکر — اور اس کے واسطے کچھ قرض وام کرلیں گے

ہمارے منہ میں زباں ہے اور ہے اس میں تاثیر — اسی کو وجہِ حصولِ مرام کرلیں گے

ہمارے ہاتھ میں ہے اشہبِ قلم کی عناں — اس سمند کو محشر خرام کرلیں گے

رہی مساعدتِ بختِ نارسا سو یہ کام — جنابِ حضرتِ خیر الانامؐ کریں گے

خلیفہ چاند بھی سورج اور ہم تارے — مرتب آپ ہم اپنا نظام کرلیں گے

وہ کام جو نہ ہوا بیم اور رسن سے — محمدؐ عربی کے غلام کرلیں گے

نسیمِ وادیِ بطحا جو چل سکے نہ یہاں آ کے — تو ہم بھی اس سے معطر مشام کرلیں گے

وہ مہر جو جبینِ سحر پہ ہی ٹوٹ جائے تو رند — شکستِ توبہ کا آپ انتظام کرلیں گے

ہزار آپ کے فتوے سہی مگر مسلم
حلال چیز کو کیونکر حرام کریں گے

عرب کی خاک اڑی اور عجم ہوا برباد
ہم اب زمیں کے نیچے مقام کریں گے

وہ خاک جس میں ٹھکانہ ہے غوث اعظم کا
سنا ہے اس میں اجانب قیام کریں گے

خدا کرے کہ وہ اس خاک پاک میں ہیں
دگرنہ کام ہم اپنا تمام کریں گے

جو ڈھل کے آگیا خورشید خاوری لب بام
تو ہم ستم زدہ بھی سیر بام کریں گے

ہمارے دل میں اگر جلوہ گر ہے نور خدا
تو سومنات کو بیت الحرام کریں گے

جو مولوی نہ ملے گا تو مالوی ہی سہی
خدا خدا نہ سہی رام رام کریں گے

دکن میں جا نہ سکیں گے تو شہریار دکن
یہیں سے تجھ کو بحسرت سلام کریں گے

علی امام نے واپس دلا دیا جو برار
تو پھر انہیں کو ہم اپنا امام کریں گے

کریں جو دیں کو رسوا وہ آپ ہوں رسوا
ہم اب دعا میں یہی التزام کریں گے

---

۱۰ مارچ ۱۹۲۰ء

دُرِ منثور

نام کا رند بنے بن صنعت میں بدنام نہ ہو ظرف ہی جب نہیں عالی تو سخن شام نہ ہو

نہیں سودائے شہادت تو نہ کہلا مسلم! منہ میں ہو جب رسوائی اسلام نہ ہو

اُس سے کافر ہی مرے نزدیک ہے سو بار اچھا جس مسلماں کے پیش نظر انجام نہ ہو

آپ کہتے ہیں پرایوں نے کیا ہم کو تباہ بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو

مرغ دانا نسل اور دانہ کے لالچ میں نہ آ اس سے بچنے کہیں ہم رنگ زمیں دام نہ ہو

یوں تو ہے شرم پیمبر کی انہیں بھی لیکن جی میں ڈرتے ہیں کہ ناراض کہیں حکام نہ ہو

نکتہ چیں خوانِ صحافت کی ہیں ساری بے لطف اگر اس مائدہ میں لذتِ دشنام نہ ہو

جب خود اللہ ہی لوگوں کی زباں سے نہ بچا ہم میں پھر کون کہ ہم پہ کوئی الزام نہ ہو

نام کالوں کا زمانہ سے مٹا دیں گورے رحمت اللہ کی دنیا میں اگر عام نہ ہو

نشاۃ الثانیہ کہتے ہیں جسے کابل کی کہیں سقے کے لئے موت کا پیغام نہ ہو

کبھی ہم کو بھی وہ دن میسر ہوگا کہ نہیں صبح کی فکر نہ ہو فکر شام نہ ہو

علم بخشا ہے تو دے ذوق عمل بھی یارب عزم ہی کیا وہ جس کے لئے اقدام نہ ہو

ان عمارتوں ہی سے کر آ کے جہاد اکبر — شرع کو تجھ سے تقاضائے زر و مال نہیں

کب جنوں مصلحت اندیش ہوا کرتا ہے — آج کیوں یاد تجھے اپنے ہی اقوال نہیں

تنت کے وقت میں اپنوں سے نہ منہ پھیر کہ تو

دولت اسلام کی ہے کفر کا اقبال نہیں

غزل مرقص

عجب کیا رب کی اس قدرت پہ گر مسلم کو حال آئے — خلافت پر زوال آئے تو ساتھ اسکی کمال[1] آئے

ستاروں سے نحوست بدر کامل ہو اُدھر رخصت — ادھر پھر اوج گردوں پر نظر بن کر ہلال آئے

حکومت کا نشا اسلامیوں سے جا نہیں سکتا — جو ٹوٹے ساغر جم بزم میں جام سفال آئے

عروس دولت کابل کو ہو مشاطہ کی حاجت — کہ استنبول سے افشاں کے چننے کو جمال[2] آئے

خدا جانے ہو کیا اس وقت حالت دین اعدا کی — امان اللہ[3] خاں کو بیٹھے بیٹھے گر جلال آئے

خلافت کی کرامت ہے اگر ہندوستاں جاگے — اگر صدیوں کی اس باسی کڑھی میں بھی ابال آئے

---

[1] غازی مصطفےٰ کمال پاشا [2] غازی جمال پاشا [3] ایدہ اللہ بنصر مزید

ہندوؤں کی تہذیب

سری رام چندر سے خطاب

نہ تو ناقوس سے ہے اور نہ اصنام سے ہے
ہند کی گرمیٔ ہنگامہ ترے نام سے ہے

میں ترے شیوۂ تسلیم پہ سر دھنتا ہوں!
کہ یہ اک دور کی نسبت تجھے اسلام سے ہے

ہو وہ چھوٹوں کی اطاعت کہ بڑوں کی شفقت
زندہ دونوں کی حقیقت ترے پیغام سے ہے

تیری تعلیم ہوئی نذرِ خرافاتِ فرنگ
برہمن کو یہ گلہ گردشِ ایام سے ہے

نقشِ تہذیبِ ہنود اب بھی نمایاں ہے اگر
تو وہ سیتا سے ہے لچھمن سے ہے اور رام سے ہے

مینا اور طوطا

ہوئی کیا وہ بہار اے آریہ ورت — چمن کی زندگی تھے جس کے انفاس
وہ رنگا رنگ پھلواڑی کہاں ہے — دماغوں میں تو اب تک جس کی بو باس
وہ آزادی کدھر ہے جس سے تجھ کو — نہ آئی کوئی بھی ہو ا راس
قفس میں بند ہوتی تھی جو طوطی — تو مینا کو دیا جاتا تھا بن باس

یہ طعنہ بھی سنا تو نے کہ تجھ کو
کبھی بھی تھا نہ آزادی کا احساس

طاہر و باغ

ہم نشیں کیا دیکھتا ہے [illegible] پہ چپ نہ لو — [illegible]
پائی تھی فردوس نے جس کی فضا میں پرورش — تو نے دیکھا ہے وہ باغ اب اس کو اجڑا باغ دیکھ

عندلیبوں کا بسیرا تھا کبھی جس شاخ پر — اس کے سوکھے ٹھنٹھ پر بیٹھے زغن اور زاغ دیکھ
مکھیاں بیدہ کی تو جیتی نگل جانے کو ہے — لیکن آجائے کہیں تجھ کو نہ استفراغ دیکھ
جو کی روٹی بھی جنہیں قبروں میں مل سکتی نہیں — بمبئی میں چکھنے آئے لذت قیماغ دیکھ
آل ہاشم پاسباں تھا جس کی عزت کا حجاز — اس کی رسوائی بشکل طاہر و باغ دیکھ

اک گھٹا پھر اٹھ رہی ہے نجد کے کہسار سے — جو اجڑ کر رہ گیا تھا پھر ہرا وہ باغ دیکھ
پھر ہوئی کشت عرب سیراب ابر نو بہار — پھر چمن میں جلوہ کبک و تدرو و کلاغ دیکھ

قامت گیتی ہے اور رنگیں قبا اسلام کی
غوطہ دیتا ہے اسے کس رنگ میں صباغ دیکھ

---

۱۶ جولائی ۱۹۲۵ء

مقتل ننکانہ

خون امرت سر کی سرخی رونق ننکانہ ہے — کس قدر رنگیں ہماری بزم کا افسانہ ہے
جنس آزادی کی ارزانی مسلّم ہے مگر — خون ابنائے وطن اس جنس کا بیعانہ ہے
سر کے بل چل کر اکالی آئے مقتل کی طرف — دل میں ہے شوق شہادت اور بے تابانہ ہے

جن کے قتلِ عام کا گھر گھر میں ہے ماتم بپا — زندۂ جاوید ان کی ہمت مردانہ ہے
بے بصر سمجھے ہیں اک انبارِ خاکستر جسے — اس کے ہر ذرے میں رقصاں شوکتِ شاہانہ ہے
بت گری اس عہد میں ہے عقل و دانش کی دلیل — بت شکن اس دور میں مجنون ہے دیوانہ ہے
گردواروں پہ مہنتوں کا تسلط ہو گیا — خانۂ نانک نرائن داس کا بتخانہ ہے

اس کو محفل میں ہے اپنی جلوہ آرائی سے کام — شمع کیا جانے کہ جلتا کس لیے پروانہ ہے
کیا ہوا گر ہاتھ پر تم نے لیا ریشم لپیٹ — اس کے نیچے تو وہی فولاد کا دستانہ ہے
اک نہ اک دن صورتِ حرفِ غلط مٹ جائے گی — جو حکومت مذہبی قانون سے بیگانہ ہے

اس طرف گاندھی کی ہے شوکت علی سے رسم و رہ — اس طرف شیطان سے سرکار کا یارانہ ہے
مرغِ دانا اب نہ ان گھاتوں سے پھانسا جائیگا — راز دارِ حیلۂ دام و فریبِ دانہ ہے

معرفت کا نور ہے حق سے کبھی خالی نہیں — لطفِ ساقی اب بھی صرفِ گردشِ پیمانہ ہے
کیا ہوا بستی ہماری گر اجڑ کر رہ گئی
کل وہی آباد ہو گا آج جو ویرانہ ہے

منصور

مجھ سے ملنے کیلئے زنداں میں منصور آگیا
ڈھونڈتی تھیں جس کو آنکھیں چشمِ بد دور آگیا

جس مکاں میں تھا اندھیرا اُس میں پھیلی روشنی
چیر کر ظلمت کے پردے آنکھ میں نور آگیا

جانِ بابا اس سیہ خانے میں تم کیوں آ گئے
میں تو ہو کر اپنی اس عادت سے مجبور آگیا

اس کا رونا اس کا ہنسنا اس کی شوخی اس کی ضد
مجھ کو یاد اخترؔ ترے بچپن کا دستور آگیا

نئی نئی ضرورتیں

مجھ کو ہے تعاون نہ تعاؤل کی ضرورت
میں آپ ہوں دریا مجھے کیا پُل کی ضرورت

اے سایۂ برطانیہ! اٹھ جا میرے سر سے
اس سر کو ہے اکلیلِ توکّل کی ضرورت

ژولیدگیٔ گیسوئے مشکیں کو نہیں ہے
تکلیفِ گرہ گیریٔ سنبل کی ضرورت

جب اس چمنستاں کی فضا ہی نہیں باقی
مینا کی ضرورت ہے نہ بے مل کی ضرورت

کرتی ہے عمل خود تو تشدد پہ حکومت
اور ہم کو جتاتی ہے تحمل کی ضرورت

کیا خوب! مرے قتل پہ حیرت بھی ہے ان کو
عارف کو بھی پیش آئی تجاہل کی ضرورت

میں سوختہ ساماں ہوں مجھے برق سے کیا خوف
بلبل ہی کو پیش آئی تامل کی ضرورت

کیا وہ بھی ہنستا ہے جو ہو صبح میں تاخیر
دل سے مقدم ہوئی کابل کی ضرورت

اس تیرگی میں کچھ شک کا عمل خوب ہے لیکن
ہم لوگ ہیں جس ادبی کچھ غزل کی ضرورت

تشنگی و سیرابی

مزرع ادب کو ہے آرزوئے سیرابی
نقش آب کا لیکن ہے تو وہ بھی سیمابی

علم یہ منزل ہے [illegible]
کام چل نہیں سکتا [illegible] ہو وہ فارابی

جام ہاتھ سے رکھ دیجیے اتنا
ظرف بھی نہیں ہے بادہ ہے عنابی

خالصہ کا پیغام

خالصہ کا قول ہے دم میں تو نہال ہو
گر تری زبان پر ست سری اکال ہو

کرنے دے انہیں جفا تو مگر نہ ہاتھ اٹھا
خواہ کیسی ہی قوی وجہِ اشتعال ہو

اک جہاں کے واسطے صدق کی نظیر بن
اک زمانہ کے لئے صبر کی مثال ہو

بے تپیوں کے وار کو روکنا اگر پڑے
کینہ سے دھلا ہوا سینہ تیری ڈھال ہو

حق کی جلوہ گاہ میں شانِ کردگار بن
حق کی شاہراہ پر جا کے پائمال ہو

مسلم برشتہ جاں دیکھ تو کہ یہ کہیں
تیری ہی روش نہ ہو تیری ہی نہ چال ہو

ہم تو سر کے بل گئے قتل گاہِ عشق میں
تیز ہو چکی چھری تو بھی چل حلال ہو

فسانۂ اسلام کی ایک عبرت اندوز فصل

یاد ہیں ہم کو وہ دن بھی کہ رئیس الاحرار
پابزنجیر نظر آتے تھے زندانوں میں

اُن کو آنکھوں پہ بٹھاتا تھا جہانِ توحید
جانتا تھا کہ ہیں اسلام کے دیوانوں میں

بس کہ تھی اُن کو نصاریٰ کی موالات منظور
دھوم تھی اُن کی شجاعت کی مسلمانوں میں

آج یہ دن ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اُن کو
نائب السلطنت ہند کے ایوانوں میں

بختِ برگشتۂ ملت انہیں لے ہی پہنچا
لارڈ ارون کی حکومت کے ثنا خوانوں میں

یہی بلبل ہے کسی اور ہی بستانِ سخن
جو چہکتا تھا ہمارے چمنستانوں میں

چائے کی ایک پیالی پہ وہ بیچیں ہم کو
یہ بھی اک فصل ہے اسلام کے افسانوں میں

آل انڈیا مسلم لیگ سے سر محمد شفیع کی بغاوت

سر محمد شفیع لاہوری — اپنی ٹوپی الگ بنانے لگے
لیگ کے اقتدار کی بنیاد — اپنے ہاتھوں سے آپ ڈھانے لگے
آپ اپنے ستون قوت کو — مرکزِ ثقل سے ہٹانے لگے
ڈال کر افتراق ملت میں — زور اسلام کا گھٹانے لگے
آبرو جو رہی سہی تھی اُسے — شملہ کی خاک میں ملانے لگے
ناچ تگنی کا خود تو ناچے تھے — ہم کو بھی ساتھ ہی نچانے لگے

ایسے دیوانہ کا علاج ہی کیا
خرمن اپنا جو خود جلانے لگے

---

۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء

ستارۂ صبح

بنا ہی دائرہ ہم نے لیا معارف کا — محال ہے کہ ہمارا کوئی آوارہ نہ ہو

کہاں سے لاؤں مضامین غیب کی سرخی — علی الصباح اگر چاء کا غرارہ نہ ہو

کھل نہ سکے گی زبان عندلیب شیدا کی — بہار کا است جس وقت تک اشارہ نہ ہو

بلند ہے تری ہمت تو باز بن کے دکھا — مگر کبھی بھی کلاغ طفیل خوارہ نہ ہو

نگاہ دُور چہ نگر چیدہ بہ صنم کر جاؤ — یہ کار خیر ہے اس میں تو استخارہ نہ ہو

جمال ماہ بھی ہے اور جلال مہر بھی ہے — ستارہ ہی نہیں جو صبح کا ستارہ نہ ہو

خدا ہو ساتھ تو طوفاں زدہ دل کو کیا ڈر ہے
نظر کے سامنے دریا کا گر کنارہ نہ ہو

یکم جنوری ۱۹۱۷ء

قندھار

یک بیک اسلام کی تقدیر پلٹا کھا گئی
رنگ لے آئی نرالا گردشِ لیل و نہار

ایک سقہ مسندِ کابل کی زینت بن گیا
دیدنی ہے روزگارِ سفلہ پرور کا مدار

پھر تعصب اور جہالت کا ہُوا بازار گرم
پنجۂ باطل سے ہے حق کا گریباں تار تار

ملّتِ بیضا کی رسوائی کے ساماں ہو گئے
بڑھ گیا پھر حلقۂ مشرق میں پیروں کا وقار

دنیوی باتوں میں ہونے لگ گئے مُلّا دخیل
اور سپرد اُن کے ہُوا سب سلطنت کا کاروبار

ہر طرف رجعت پسندی کی گھٹائیں چھا گئیں
ہو گیا قائم مشائخ کا پرانا اقتدار

اُن کے ہاتھوں مغربی پھندوں میں پھنس کر رہ گئی
تھی جس آزادی کی ہر جانب سے مشرق میں پکار

ٹل ہی جائیں گی یہ گوناگوں بلائیں ایک دن
آ ہی جائے گا وہ دن جس کا ہمیں ہے انتظار

وقت آتا ہے کہ پھر ہوگا امان اللہ خاں
کامیاب و کام بخش و کامران و کامگار

پل رہی ہیں غرب کے آغوش میں وہ طاقتیں
جن کی عالمگیریوں کا نکتہ داں ہے قندھار

۳۱ جنوری ۱۹۲۹ء

تباہی ہے دراز دستی اطالیہ کی طرابلس پر
کہ آج کشور کشا وہی ہے جسے فدا مشق رہزنی ہے

ڈرا رہے جب یہ ستاں کہتے پہ وہ کہ وار کرنے کو ہیں مسلماں
دعا ہے اسلامیوں کا نیزہ اشرا سی نیزہ کی آنی ہے

خمیدگی تیغ کی جو دیکھی تو مومنوں کو یہ نکتہ سوجھا
کہ ہاتھ رہتا ہے اُن کے میدان شجاعت کا فروتنی ہے

اماں لیکن بس ہوئی مسلماں ملا اُسے حق سے نور ایماں
چراغ پایا جناب بابا عجب تماشا دیدنی ہے

ہماری کشتی کو ڈوبنے سے بچا لیا ہے تیری دعا نے
تیری توجہ سے یا محمدؐ ہماری بگڑی ہوئی بنی ہے

۱۹۱۱ء

صدرِ جمہوریہ امریکہ

صدر جمہوریۂ امریکہ ولسن ہو گیا — ہم جسے رہبر سمجھتے تھے وہ رہزن ہو گیا
کوئی پوچھے آپ کی چودہ شرائط کیا ہوئیں — سینۂ تہذیب کیا ان سب کا مدفن ہو گیا

تھیں نوازن جس چمن میں قمریاں اسلام کی
اک ہوا ایسی چلی جنگل، وہ گلشن ہوگیا

مدعی کے ہاتھ میں ہے رشتۂ زلفِ دراز
اے جنوں تو بس ہو گریباں آج دامن ہوگیا

برق بن کر آہِ مسلم عرش تک جانے لگی
مصطفےٰ کی شمع کا فانوس روشن ہوگیا

تہنیت مسلم جب ہوا نیلام بولی کے لئے
کوئی چرچل بن گیا اور کوئی کرزن ہوگیا

ان کو کیا بغداد کی حاجت جب ہے ہندوستاں
وقف ان کے واسطے تیرا اصفہان ہوگیا

کھینچتی ہے یوں ہی مسلم کو خلافت کی کشش
جذب مقناطیس میں جس طرح آہن ہوگیا

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم کو دال بھی ملتی نہیں
وہ یہ کہتے ہیں کہ مہنگا تو بس مکھن ہوگیا

بہشت ثبات سے اقتصاد مغرب اور دیو سفید
اس جل انگیز وادی کا بساون ہوگیا

---

۱۰ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

حاجی ظفر علی خاں ہندزئی نہروانی

لقب "حاجی" بھی ہے "ہندزئی" بھی "نہروانی" بھی
مرے ایماں کو آخر چاہیے تھی اک نشانی بھی

مرقع میں مری تصویر سالک نے وہ کھینچی ہے
کہ دنگ ارژنگ ہے اور پیکرِ حیرت ہے مانی بھی

صلہ میری وفاؤں کا دیا پیہم جفاؤں سے
اور اس پر مستزاد اس شوخ کی ہے بدزبانی بھی

خدا آباد رکھے مہر و سالک کی صحافت کو
کہ اس کے صدقہ میں ہوتی ہے میری قدردانی بھی

ہے اس کی نثر و نظم آئینہ جوہر ہائے ذاتی کا
مگر اس میں جھلکتی ہے شرافت خاندانی بھی

---

۹ نومبر ۱۹۲۸ء

گیانی کا ترانہ

کل شام کے وقت ایک بے حال گیانی
گلیوں میں بجاتا ہوا پھرتا تھا دوتارا

ہر نغمہ سے لگتی تھی چوٹ جب جگر پہ
ہر نغمہ سے کرتا تھا اعلان کہ وہ وہ

چین آ نہیں سکتا ہمیں جب تک نہ ہٹا لیں
مسند پہ مہاراجہ نابھہ کو دوبارا

صورت و سیرت

تمہیں صورت پہ غرہ ہے مجھے سیرت پہ نازش ہے
تمہیں پروا ہے دنیا کی مجھے ہے فکر عقبیٰ کی

کسی کے کام آنے کی اگر توفیق ہے مجھ کو
ہے تخصیص اس عبادت میں نہ ابا کی نہ آقا کی

یہ دین اسلام کی ہے کیا اجارہ آپ کا اس میں
یہ برکت ہے رسول اللہ کے دین حنیفی کی

دلوں کو بندہ پرور دیکھنے کا ہے یہاں دستور
کریں تو آپ بھی خالی ہیں اور بندہ بھی ہے خالی

---

۲ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء

رازہائے سربستہ

پوچھ لیتا ہے فرنگی بھائی سے بھائی کا راز
ایشیا میں ہے یہ اُس کی کارفرمائی کا راز

سلطنت قرباں کی گوسالۂ دنیا تو بس پہ
آشکارا ہو گیا ہے ہند کی رسوائی کا راز

کھول دے گی سالِ نو کی فردِ اعزاز ایک دن
آستانِ شملہ پر اُن کی جبیں سائی کا راز

وجد میں ہندوستاں کو لائے ہیں یارانِ نجد
دیکھ لو اسلام کے جذبہ کی گیرائی کا راز

نشۂ توحید میں سرشار ہے ابنِ سعود
ہے خدا آشنائی اُس کی شانِ دارائی کا راز

آپ سب کچھ لے لیا کچھ بھی نہ یورپ کو دیا
جدہ کا میثاق ہے سلطاں کی دانائی کا راز

بمبئی میں منتقل ہو کر مرکزیت کعبہ کی
مجھ سے چھپ سکتا نہیں کعبہ کی شیدائی کا راز

ہیں یہ نغمے میں نشاط افروز بھی جاں سوز بھی
ہے خود افشا ان نواؤں کی دل آرائی کا راز

۴، نومبر ۱۹۲۷ء

زمیندار اسٹیم پریس

خود اپنے ہی مطبع میں زمیندار چھپا آج — ہوتا ہے غلامی سے یہ اخبار رہا آج

مطبع کے نہ ہونے سے جو تھی روح کو سوہاں — یہ پرچہ اُن افکار سے آزاد ہوا آج

اپنی ہی کلیں اپنے ہی انجن سے چلی ہیں — دل اور زباں کیوں نہ کرے شکرِ خدا آج

جس درد کی مدت سے تھی خود ہم کو شکایت — اُس درد کی پیدا ہوئی صد شکر دوا آج

آتے ہیں دن اب اس کے پنپنے کے عزیزو — بیمار کو دی شافیِ مطلق نے شفا آج

پابندیِ اوقات کی صورت نکل آئی — تاخیر کا احباب کو شکوہ نہ رہا آج

اغیار کے ناز اس نے اٹھائے ہیں مہینوں — ہے باعثِ نازش اسے خود اپنی ادا آج

ہے جلوۂ پنہاں کی تجلی کی یہ تمہید — ہوتا ہے جس انداز سے یہ جلوہ نما آج

آرائشِ ہم چشم سے مشاطۂ تاریخ — نازاں نہ ہو چہرۂ شاداب پہ کیوں لطفِ رسا آج

احباب نے اس وقت تک امداد جو کی ہے
کچھ اس سے اعانت کی ضرورت ہے سوا آج

۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء

پردہ اور نہرو رپورٹ

دیندار اور کرے تائید اٹھ کر بے حجابی کی | یہ وہ الزام ہے جس پر ہماری عقل حیراں ہے
کب اس ارشاد پیغمبر سے ہم نے کی ہے سرتابی | [illegible] حیا شعبۂ ایماں ہے

۱۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء

مسلم اوٹ لک کا پیام

عالموں اور صوفیوں کا سیزدہ صد سالہ فرض | ختم ہو جاتا ہے آج اس انجمن مسلم اوٹ لک
کب روا ہے سجدہ کرنا ہے تو کر اللہ کو | پر کسی حالت میں شادی لال کے آگے نہ جھک

تیرے آگے ہے سوال [illegible] قدم

امر بالمعروف اور نہی منکر [illegible]

علی برادران اور ابوالکلام آزاد

برادرانِ علی کا سنو یہ تازہ کلام
کہ ہیں شراب کے رسیا ابوالکلام آزاد

پلا پلا کے شراب اُن [illegible]
کرا رہے ہیں ہمیں اُن کے ہاتھ سے برباد

نہیں خیال انہیں رہتا یہ جوشِ مستی میں
کہ دیں ہو نہیں سکتا کفر کا منقاد

جنابِ حضرتِ نقاش نے سنا جو یہ نکتہ
یہ طعنہ جس سے ٹپکتا تھا زہرِ بغض و عناد

تو ہنس کے کہنے لگے یہ بھی شانِ باری ہے
ابوالکلام پہ یوں برسے چندہ کی اولاد

اگر وہ بھول گئی ہو تو ہم نہیں بھولے
جناب سیٹھ چھٹانی کی عنایتوں کی یاد

وہ کان کھول کے سن لے یہ قول حافظ کا
فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد

کہ مے حرام ولے بہ ز مال اوقات است

---

۱۲ جنوری ۱۹۲۹ء

[illegible] "آزاد" کو ملے ہیں

یتیم خانہ کالی کٹ

بھیک ہم مانگنے آئے ہیں یتیموں کے لئے
نئے پیوند کے دامانِ گلیموں کے لئے

لائے ہیں دولتِ کونین کا پیغام بہ سچ
اور جو احمد پرشت ہے یتیموں کے لئے

ہونے والی ہے خداوند کی رحمت نازل
وقت زیبا ہے سخاوت کا کریموں کے لئے

یمینہ کا لقب اللہ نے تجویز کیا
یمنوں کے لئے اور ان کے یتیموں کے لئے

ہے تقاضا اہلِ کرم کے لئے فردوس
نہیں یہ دولتِ جاوید یتیموں کے لئے

۷ اگست سنہ ۱۹۳۱ء

آزادئ ضمیر

بت خانۂ فرنگ کی چوکھٹ کی خاک سے — آلودہ جب سے سر ہے محمد شفیع کا

کوشش یہ ہو رہی ہے کہ جلوہ نظر نہ آئے — آزادئ ضمیر کی بام رفیع کا

تکبیر سے ہے لاگ تو تصفیق سے لگاؤ — تہذیب نام ہے اسی فعل شنیع کا

قدوسیان شملہ سے پوچھو کہ کیا ہے راز — اس تیز پا سمند کی سیر سریع کا

لیکن نہ مل سکے گا اسے حشر تک سراغ — سر منزل حرم کے مقام منیع کا

قول اور فعل میں نہیں جن کے مطابقت
کیا رنگ اڑائیں گے مری طرز بدیع کا

---

۱۰ جنوری ۱۹۲۸ء

خدا اور بُت

اک روز میں نے عرض یہ سرکار سے کیا
اے وہ کہ مجھ کو تجھ سے مجالِ سخن نہیں

اے وہ کہ جو زمین تری ہیبت سے دم بخود
اور آسماں کو حوصلۂ دم زدن نہیں

اے وہ کہ تیرے غمزۂ خنجر گزار کو
پروائے جانِ شیخ و دلِ برہمن نہیں

اے وہ کہ تیرے دین میں قانون کا ادب
شرمندۂ روایتِ عہدِ کہن نہیں

سنتا ہوں میں کہ تیری مساوات کے بدل
منت پذیر فرقِ الٰہ و وثن نہیں

پھر کیوں خدا کے گھر ہی کو ڈھایا حضور نے
بت پہ چھوا کسی نے بھی لیکن بدن نہیں

لارنس کا مجسمہ کیوں منہدم نہ ہو
کیا اس کے واسطے کوئی مشین گن نہیں

ملزم یہ بت بھی ہے جو خدا ہے قصوروار
اس کا بھی اعتراف سے خالی دہن نہیں

ٹالا مرے سوال کو اس عذرِ لنگ سے
سرکار سے جواب کچھ آیا جو بن نہیں

انگریز وحشیانہ تعصب سے پاک ہیں
محمود غزنوی کی طرح بت شکن نہیں

سائمن کمیشن کا خیر مقدم

جب آئیں سائمن اس طرح استقبال ہو جائے | کہ پہنچیں جس جگہ نازل وہیں ہڑتال ہو جائے

زوال اسلامیوں کا اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا | کہ جو اُن کا ارادہ ہو اگر بڑ کا "اقبال" ہو جائے

ہمارا یہ ملک آزاد ہونے کی بجائے ہیں | ہر اک ہندو اگر پنڈت جواہر لال ہو جائے

خدا کی شان ہے جو سورۂ زلزال پڑھتے ہیں | وہ ہوں خاک اور کاشی کا صنم پامال ہو جائے

سنبھالیں جو نہ ہرگز ہند اور اُن کی ہنود غائر | ذرا اگر عندلیب اسلام کی پامال ہو جائے

خلافت، کانگرس، اور لیگ کا اک یہ کہنا ہے | کہ الٹی آسمان پیر کی ہر چال ہو جائے

اگر ہندوستاں کو نعمت آزادی کی حاصل ہو
تو تکمن توس کا برطانیہ میں کال ہو جائے

---

۲۳ جنوری ۱۹۲۸ء

شورِ بازاری شریعت کے پرستاروں کا اسلام

ایک ڈاکو کو دیا مردِ مجاہد کا خطاب
شورِ بازاری رذالو کیا یہی اسلام ہے

جھوٹی قسمیں کھلنے والے کو بنایا بادشاہ
شرع پر مر مٹنے والو کیا یہی اسلام ہے

اپنے محسن کو ڈسا جس افعیِ خوش رنگ نے
آستیں میں اس کو پالو کیا یہی اسلام ہے

جس نے روندا پاؤں میں ارشادِ اوفوا بالعقود
اس کو آنکھوں پہ بٹھالو کیا یہی اسلام ہے

دس برس تک جو تمہاری آنکھ کا تارا رہا
آج آنکھ اس سے چرالو کیا یہی اسلام ہے

جس کے ایماں کی قسم جبریل کھاتا ہو اُسے
کفر کے سانچے میں ڈھالو کیا یہی اسلام ہے

جس نے افغانوں کی عزت میں لگائے چار چاند
اس کو یوں گھر سے نکالو کیا یہی اسلام ہے

پھیر لیں آنکھیں امان اللہ خاں غازی سے کیوں
گوری رنگت والے کالو کیا یہی اسلام ہے

کسی صاحبزادہ کی یاد میں

بسکہ بیتر میں پیپیہ خیال آمادہ ہے — کہکشاں کی جلوہ افشانی فروغ جادہ ہے

ہے یہ مضمون ہیں اپنے تو تیرے نقش ہیں طبیعت — گوشش معنی پردہ ہائے غیب کا دلدادہ ہے

مے سے مستغنی ہوں اور معشوق سے ہوں بے نیاز — طبع موزوں سادہ ہے اور فکر رنگیں بادہ ہے

خاک ان سروں میں ہے خون شہادت کا یہ رنگ — ذرہ ذرہ لعل ہے یا قوت سے بیجادہ ہے

پھول پھل لانے کو ہی اگتے ہیں آزادی کے بیج — کل وہی ایستادہ ہوگا آج جو افتادہ ہے

ہم بھی صاحب تھے کبھی اے سفلہ پرور آسماں — اب تو صاحب ہیں وہی جن کی روش آزادہ ہے

کیا تماشا ہے کہ صاحبزادہ کہلاتے ہیں ہم — سو سکے یہ معنی ہوئے بندی بھی لیور زادہ ہے

ہو کے مسلم بے کے پیسہ بن گیا تو دین فروش — آج میں سمجھا کہ تو واقعہ میں صاحبزادہ ہے

درد کیا کام آئے گا یا حی یا قیوم کا

جب شراب عزت سے رنگیں نہ سجادہ ہے

اگر سوچو تو الطافات بے پایاں کے مورد ہو   بجا لانا تمہیں لازم ہے شکر حضرت باری

گورنمنٹ ایسی تم پہ حکمراں ہے ان زمانے میں   کہ مسلک جس کا ہمدردی ہے اور شیوہ ہے غمخواری

ہوئی ان کے عہد میں تم کو میسر وہ بکثرت ہیں حاصل   کہ گویا یک سر گئی نہیں ہیں پھر زباں یاری

نکالی جا بجا ہیں آبپاشی کے لیے نہریں   زمیں کے سینچنے کے واسطے ہیں نہریں جاری

گئے ان بستی گنگاؤں کے صدقے میں وہ ان کے   تمہاری کشتوں شجرہ سے زن تھا ایسا ناری

جہاں پہلے بیاباں تھے وہاں آبادیاں ہیں اب   زمین شوریں کی لالہ و سنبل نے گلکاری

مگر ان آسانیوں پہ بھی نہ سیکھو گر ترقی کے

تو بہتر ہے کہ دنیا سے کرو چلنے کی تیاری

از طہران

انجام کار چڑھ گیا میں اس پہاڑ پر   پہلو پہ جس کے چھا رہا اک برف زار تھا

نکلا نہ تھا قمر ابھی اس برج سے جہاں   آغوش آسماں میں سر کوہسار تھا

پھیلا ہوا پہاڑ کے دامن میں دور تک

میدان و شہر و کوکبۂ شہریار تھا

رزمگاہ صحافت

محاذ لاہور

ستارۂ صبح اور اس کے حریف رقیب

جھگڑا ہوا اخبار کا یوں کل اس طرح
ٹکرا پڑا ادھر سے ادھر سے چلی لگد

دو شخص گرم بحث تھے پوچھا یہ ایک نے
پہچانتے بھی ہو کہ کیسی ہے رد و کد!

دشمنہ ہے ستارۂ صبح آب و تاب
لیکن اسے پسند نہیں کرتے ذی خرد

کہتے ہیں اب نہیں ہیں وہ پہلے ظفر علی
دل سے خیال قوم انہوں نے کیا ہے رد

سمجھوتہ کر کے شملہ سے آزاد ہو گئے
مانگی بجائے قوم گورمنٹ سے مدد

حکام سے تھے جو ہی طلبگار عفو جرم
ظاہر کیا وہ جرم نہیں کوئی جس کی حد

راوی سے پار آ نہیں سکتے تھے پیشتر
لیکن ہوئی اب ان پہ عنایت کی معتمد

ہندوستان بھر میں نہیں ان کی روک ٹوک
باقی رہی نہ کوئی بھی رستے میں ان کی سد

اخبار بھی نکال لیا دھوم دھام سے
دیکھو تو پھیل زیب کے دریا کا جزر و مد

جو کچھ بھی ہے یہ قوم فروشی کا سلسلہ
اس نسل سے ہوئی ہے بہت اسلامیوں کی صد

کچھ ان سے واسطہ نہیں اسلام کو رہا　　وہ ہو مر دل کے بھی مخالف ہیں اب اشد
ان کی مخالفت میں ہے سب ملک متفق　　ہندو بہ جد و جہد تو مسلم بہ شد و مد
شملہ سے کھنچ کے آئی ہو جواب نئی شبیہ　　حضرت کے خوب اس میں نمایاں ہیں خال و خد
سنتے ہی دوسرے نے چمک کر دیا جواب　　ہیں بندہ پرور آپ حقیقت سے نابلد
لاہور سے نکلتے ہیں اخبار جس قدر　　ان کو ظفر علی سے ہے محض اس لئے حسد
جاری کیا ستارۂ صبح آ کے کیوں یہاں　　پڑتی ہے اس کی قدر سے ان پر بلا کی زد
اب پوچھتا نہیں کوئی پیسے کو ان کی بات　　کر دی ہے آ کے بند اس اخبار نے رسد
وَالْعَصْر کا سبق انہیں از بر ہے آج کل　　ٹوٹے میں آ کے بھول گئے اَللّٰہُ الصَّمَد
ان کے ظفر علی پہ ہیں جو کچھ بھی اعتراض　　ان کی دلیل کچھ بھی نہیں سب ہیں بے سند
اللہ اپنے نور کا خود ہو گیا مستم　　مہ نور مے فشاند و سگ بانگ می زند

اتنے میں خود ستارۂ صبح آ کے ڈٹ گیا　　اور آتے ہی حلیف کو دی اس طرح مدد
میں سر بر آستان پیمبر نہادہ ام　　زاں پائے من بہ عرش بریں نقش می زند
باور مذاق فتنہ گرفت است مغتنم　　شور نشورہ از اثر خامہ ام چکد
جبریل سودہ سر بہ افکار من بہ عرش　　در چشم انتقاد بہ میل ادب کشد
برکند نش محال بہ نیروئے آشتی است　　خار حسد بہ سینۂ حاسد چو می خلد

اور ہم کریں کسی کو بھی شُدھی اگر تو آپ — بھیجیں یہ حکم اپنے مدار المہام کو

قارورہ دے کے نہ پیے کوئی حق پرست — اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے رام کو

ہونے نہ پائے کوئی مسلمان آریہ — چھوڑے جو دین تیغ بھی چھوڑے نیام کو

ان سب خرابیوں کا یہی توڑ ہے کہ ہم — پہلے کریں درست خود اپنے عوام کو

ہو جائے سنگٹھن جو ہمارا تو اس طرح — آقا کبھی نہ گھور سکے گا غلام کو

تھا نا مشی جواب اس الزام کا مگر — کب مانتا ہے خامہ مری روک تھام کو

کیوں باغباں کرے نہ حفاظت طیور کی — صیاد لے کے باغ اگر جائے دام کو

جو ہیں خدا پرست ہوں کیوں سامری پرست — کیوں چھوڑ دیں شریعت خیر الانام کو

گوبر ملا دہی کو مسلمان کھائیں کیوں — کیونکر حلال ہیں وہ بنا دیں حرام کو

کیا حق ہے آریوں کو کہ قارورہ کرکے پیش — اسلامیوں سے چھین لیں کوثر کے جام کو

کیا حق ہے کفر کا کہ خلیع العذار ہو — روکے نہ کوئی اس فرس بد لگام کو

یہ ہرزہ خوار گروہ عجیب بدتمیز ہے — پہچانتا نہیں ہے ادب کے مقام کو

یہ لوگ آج بادشہوں پہ ہیں حرف گیر — کل تک نہ پوچھتے تھے جنہیں ہم چھدام کو

بے سود ہیں یہ سنگٹھنی سبکیاں تمام — اس سے کوئی ڈرا نہیں سکتا نظام کو

ہرگز کبھی پہنچ نہیں سکتا کوئی گزند
غوغائے سگ سے جلوۂ ماہِ تمام کو

ابدی زندگانی کا راز

ایک مجتہد سے میں نے کیا اس طرح خطاب
نکتے نکالے آپ نے ہیں بات بات میں

واقف ہیں آپ فلسفۂ موجبات سے
ساتھ اس کے دخل آپ کو ہے سالیات میں

مجھ کو بھی اپنے علم سے کچھ حصّہ دیجئے
جنچتا ہوں میں اگر نظرِ التفات میں

موت اور زندگی کے نہیں جانتا میں رمز
درخور نہیں ہے کچھ بھی مجھے ان نکات میں

یہ مسئلہ پہ دست تکلم کرسکے وہی
ڈالا ہو جس نے صوفِ تفلّسف دوات میں

کہنا ہے کیا اصول طبیعی کا فلسفہ
ارشاد کیا ہے بابِ حیات و ممات میں

کہنے لگے کہ نام ہیں دو ایک چیز کے
ہیں مختلف صفات عیاں ایک ذات میں

اشکال ہیں یہ دو حرکت کی جدا جدا
مرکز ہے ایک دائرۂ کائنات میں

فرقِ نظر ہے ورنہ جگاتا ہے ایک نور
سورج کو دن کے وقت کواکب کو رات میں

جولانیوں کی ریگِ رواں میں بھی ہے نمود
طغیانیاں ہیں گر نظر آرا فرات میں

یہ فصل ہے فسانۂ شمر و حسین کی
پڑھ جائیے کلام کو شہادت کی رات میں

ہیں جلوہ ریز گرمیٔ ہنگامہ کے شرار
دولہا ملا تو نہیں آب حیات میں

پوچھو حسین سے ابدی زندگی کا راز
یہ نکتہ ہے چھپا ہوا اُن کی وفات میں

چھپکی ہے آنکھ دل جسے سمجھے ہو زندگی
ہے مستتر وہ ابدیت ممات میں